مشاہیرِ علمائے سرحد

۱۸۵۷ء..........تا..........۱۹۷۷ء

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (علومِ اسلامیہ)



ڈاکٹر حافظ قاری فیض الرحمٰن

ایم اے، ایم او ایل، پی ایچ ڈی

ایم اے عربی، اردو، فارسی، اسلامیات

جامع مسجد الفرقان ملیر کینٹ کراچی

مشاہیر علمائے سرحد

۱۸۵۷ء...........تا..........۱۹۷۷ء

تحقیقی مقالہ

برائے پی ایچ ڈی (علومِ اسلامیہ)

نگران

پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی

سابق وائس چانسلر و رئیس شعبۂ علوم اسلامیہ

جامعہ پنجاب، لاہور

مقالہ نگار

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ایم اے (عربی، علوم اسلامیہ، اردو، فارسی) ایم۔او۔ایل۔

صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

مشاہیر علمائے سرحد پر میں نے ۱۹۷۰ء میں جو تحقیقی کام شروع کیا تھا، بفضلہٖ تعالیٰ ۱۹۷۷ء میں وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں بھی تحقیقی کام نہیں ہوا، یہ بالکل نیا موضوع ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ صوبہ سرحد میں بڑے بڑے علماء ہو گزرے ہیں، مگر ان مشاہیر کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ آج ان کی شاندار تدریسی اور تصنیفی خدمات سے صوبہ سرحد کے رہنے والے بھی بے خبر ہیں۔ اگر اس موضوع پر اس سے پہلے کام ہو چکا ہوتا تو آج مشاہیر علمائے سرحد کی علمی تاریخ کا رخ کچھ اور ہوتا اور جو معمولی کام ہوا بھی ہے، وہ تحقیقی طور پر انتہائی نامکمل ہے۔ اس سلسلے میں چند تذکرے جو منظرِ عام پر آئے ہیں، ان میں علامہ حکیم عبدالحئی الحسنی کی "نزھة الخواطر و بھجة المسامع والنواظر" (عربی) نہایت جامع اور قابلِ قدر تذکرہ ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے علماء ہند کے تراجم موجود ہیں اور جو مصنف کی تیس سالہ محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے، مگر اس میں ۱۸۵۷ء کے بعد کے صوبۂ سرحد کے مشاہیر علماء کتنے ہیں؟ وہ سولہ سترہ سے زائد نہیں اور ان میں سے چند ایک کے تراجم تو کسی قدر نامکمل

ہیں اور بعض حضرات پر تو دو دو تین تین سطریں لکھی گی ہیں۔

دوسرا تذکرہ:

مولانا رحمان علی کا ہے جو ''تذکرۂ علمائے ہند'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس سارے تذکرے میں سرحدی حضرات کے نام سے دو تین تذکرے بھی موجود نہیں ہیں۔

تیسرا تذکرہ:

اعجاز الحق قدوسی کے قلم سے ہے جو فیروز سنز کے اہتمام سے ''صوفیائے سرحد'' کے نام سے شائع ہوا ہے، مگر اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں اصل تذکرہ اور تراجم صوفیاء کے ہیں، علماء کے نہیں، البتہ جو دو تین حضرات صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ جید عالم دین بھی تھے، ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

چوتھا تذکرہ:

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی کی ''تاریخ ہزارہ'' میں علمائے ہزارہ پر ضمناً کیا گیا ہے اور چند صفحات پر مشتمل ہے۔

پانچواں تذکرہ:

امیر شاہ قادری کے قلم سے دو جلدوں میں تذکرہ ''علماء و مشائخ سرحد'' کے نام سے چھپ چکا ہے، اس کے پہلے حصے میں علماء کے تذکرے بہت کم اور

مشائخ کے زیادہ ہیں اور دوسرے حصے میں ملے جلے ہیں۔تعداد کے لحاظ سے علمائے سرحد کے جتنے تراجم اس میں ہیں کسی دوسرے میں نہیں، مگر مواد تحقیقی نہیں اور سب سے بڑی کمی اس تذکرے کی یہ ہے کہ اس میں غیر مشاہیر کو مشاہیر کی جگہ دے دی گئی ہے اور اصل مشاہیر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چھٹا تذکرہ:

مولوی امام خاں نوشہروی کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے جو ''تراجم علمائے حدیث ہند'' کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں ایک دو بزرگوں پر شاید چند سطریں مل سکیں۔

ان تراجم اور تذکروں میں ایک بھی ایسا نہیں جسے مکمل کہا جا سکے۔ایسے میں ایک صحیح جامع اور تحقیقی تذکرہ کی ضرورت کتنی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

مجھ تک علامہ شبیر احمد عثانی کی یہ بات پہنچی ہے کہ

''ہندستانی عالم اگر ایک پیسے کی اہلیت اور قابلیت رکھتے ہیں، تو اس سے ایک روپے کی شہرت حاصل کر لیتے ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں سرحدی عالم ایک روپے کی قابلیت رکھتے ہیں، مگر اس سے ایک پیسے کی بھی شہرت حاصل نہیں کر سکتے''(۱)۔

عالم سے میری مراد عرفِ عام کے مطابق دینی مدارس کے فارغ

(۱) روایت مولانا قاضی شمس الدین ساکن درویش، ہری پور، ہزارہ۔

التحصیل ہیں۔ مقالہ میں صرف ان مشہور علماء کا ہی تذکرہ ہے جنہوں نے تدریس وتصنیف کے میدان میں خدمات پیش کیں۔ ان علماء میں علماء دیوبند، علمائے اہل حدیث اور علمائے بریلی شامل ہیں۔ شیعہ مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ایسے کوئی عالم نہیں مل سکے۔

صوبۂ سرحد میں علماء کی غالب اکثریت مسلک علمائے دیوبند سے متعلق ہے، اس لئے مقالہ میں بھی سب سے زیادہ تراجم انہی حضرات کے ہیں۔ دوسرے نمبر پر علمائے اہل حدیث اور تیسرے نمبر پر علمائے بریلی ہیں۔ مسلک کے اختلاف کے باوجود میں نے کسی مشہور عالم کو نظرانداز نہیں کیا، بلکہ ان کی خدمات پر بالکل غیر جانبدارانہ کلام کیا گیا ہے۔

۱۸۵۷ء تا ۱۹۷۶ء......، یعنی: ۱۱۹ سال کے ۱۹۳ مشاہیر علمائے سرحد اس مقالہ میں شامل ہیں۔ اس میں کوئی بھی زندہ عالم دین شامل نہیں۔ یہ سب طبقہ مرحومین سے تعلق رکھتے ہیں، جو تاریخ وفات کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں۔ جن کی تاریخ وفات باوجود تحقیق کے نہیں مل سکی، انہیں آخر میں جگہ دی گئی ہے۔

اس مقالہ کے تمام مشاہیر علماء کی ولادت صوبۂ سرحد میں ہوئی ہے، میں نے اسی مقام ولادت کا لحاظ رکھا ہے اور تاریخ وفات کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، تاکہ سنین وفات محفوظ ہو جائیں۔ لٹریچر اور مواد کی تلاش میں، میں نے یکے بعد

دیگرے دو سوالنامے شائع کروا کر مواد حاصل کرنے کی کوشش کی، جن کی بدولت بہت کم علماء کے سوانحی تذکرے موصول ہوئے، پھر بہت سے علاقوں میں بہت سے متعلقہ حضرات سے ملاقات کر کے مواد حاصل کیا گیا۔ ملاقات کے وقت مواد حاصل کرنے کے لئے سوالات عموماً وہی ہوتے تھے، جو سوالناموں میں آچکے ہیں۔ اس طرح بہت سے تذکرے تیار کر لئے گئے۔

اپنی ذاتی لائبریری کے علاوہ پاکستان کی جن اہم لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ان میں گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہری پور، کتب خانہ فضلیہ شیر گڑھ (اوگی، مانسہرہ)، اسلامیہ کالج پشاور، پشاور یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، شعبۂ علوم اسلامی جامعہ پنجاب، کتب خانہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، مجلس علمی کراچی، کتب خانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی، کتب خانہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور کتب خانہ سکول آف آرمی ایجوکیشن اپرٹوپہ، مری ہلز خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مقالہ کے سات باب ہیں۔ باب اول میں مدارس عربیہ کا نصاب، دوم میں محدثین، سوم میں مفسرین، چہارم میں فقہاء، پنجم میں فنون، مگر اس کے دو حصے ہیں: ''الف'' اور ''ب''۔ ''الف'' میں ان اصحابِ فنون کے تراجم ہیں، جن کا دوسری کسی کتاب میں ذکر موجود ہے، اور ''ب'' میں ان کے جن کے تذکرے ان کے شاگردوں اور عوام کی زبانوں پر تو ہیں، مگر کسی کتاب میں نہیں اور وہ اس لیے کہ صوبۂ سرحد میں لکھنے کا دستور بہت کم رہا ہے۔ باب ششم ان مشاہیر علماء کے لیے

مخصوص ہے، جنہوں نے صرف تصنیفی خدمات انجام دیں اور دینی مدرسوں میں تدریس نہیں کی، اور باب ہفتم میں ان ''مشاہیر علمائے سرحد'' کے اسمائے گرامی ہیں، جو بلاشبہ مشاہیر تو ہیں، مگر ان پر مجھے زیادہ مواد نہیں مل سکا۔ اگر کچھ مواد ملا بھی ہے، تو بھی بہت کم۔ ان پر کچھ نہ لکھنے سے کچھ لکھنے کو بہتر خیال کرتے ہوئے ان کا تذکرہ اس امید پر کر دیا ہے کہ اگر کوئی اور صاحب ان پہ کام کرنا چاہیں، تو انہیں کچھ نہ کچھ مواد مل جائے۔

میں نے مقالہ کے خاکہ میں جس کام کو کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی، وہ بحمداللہ تعالیٰ اس مقالہ کی صورت میں پوری ہوگئی ہے۔

انتہائی ناسپاسی ہوگی کہ اگر میں اپنے قابل صد احترام اور مشفق استاذ حضرت العلامہ علاؤالدین صدیقی دامت برکاتہم کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے اپنی علالت کے دوران میں بھی بستر علالت پہ مقالہ کو پڑھا اور رہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ میرے پاس ان کی شفقت، عنایت، ہمدردی اور ایثار کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے، اسی پر اکتفاء کرتا ہوں، فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

فیوض الرحمٰن

بابِ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اول:

مدارسِ عربیہ کا نصابِ تعلیم:

۴۵۷ھ بمطابق ۱۰۶۴ء کو مدرسہ نظامیہ بغداد کا قیام عمل میں آیا، اس کا نصاب نظام الملک ملاّ نصیر الدین محقق طوسی نے تیار کیا تھا۔ یہ نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔

ہندوستان میں سکندر لودہی کے زمانے میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ اور ان کے بعد علاّمہ تفتازانی اور میر سید شریف جرجانی کے تلامذہ نے اس میں قابل قدر اضافے کیے۔ یہ ترمیم شدہ نصاب نظامیہ بغداد کے نصاب کے بعد دوسرا نصاب تھا۔ اس کے بعد دورِ اکبر میں میر فتح اللہ شیرازی ایران سے آئے، جو بالواسطہ محقق دوانی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کی آمد پر نصابِ تعلیم میں اور انقلاب آیا اور علوم عقلیہ کا پلہ علوم نقلیہ پر پہلے کی نسبت بھی بھاری ہوگیا۔ ملاّ نظام الدین فرزند مولانا قطب الدین سہالوی م ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۷ء جو چار واسطوں سے میر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے، انہوں نے جدید نصاب مرتب کیا، جو درسِ نظامی کے نام سے مشہور ہے اور اب تک مدارسِ عربیہ ہندو پاکستان، افغانستان، ترکستان میں مروج ہے۔

یہ نصاب کی چوتھی ترمیم تھی، لیکن ان سب ترمیمات کے باوجود نصاب

مدارسِ عربیہ میں بدستور قائم رہا کہ دینی مدارس کا نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔ نظامیہ بغداد سے بلکہ دورِ مامون سے اب تک اس وقت کے دنیوی علوم ہمارے نصابِ تعلیم کے اس طرح جزء رہے جس طرح دینی علوم اس کے اجزاء تھے۔

علم طب، ہیئت، ہندسہ، حساب، منطق اور فلسفہ داخلِ نصاب تھے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو خالص دینی کتابوں کی تعداد کم اور دنیوی کتابوں کی تعداد زیادہ تھی، چنانچہ اب تک درسِ نظامی میں کل تقریباً بیس علوم پڑھائے جاتے ہیں جن میں سات علوم کے سوا باقی سب دنیوی علوم ہیں۔

شاہ ولی اللہ کا نصاب

اس درمیان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے دینی اور دنیوی کتب میں موازنہ قائم کرنے کی کوشش کی اور عقلی علوم سے متعلق کتب میں کمی کردی، لیکن درسِ نظامی کی عام مقبولیت نے اس ترمیم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ جہاں تک درس نظامی کی دینی کتب کی افادیت کا تعلق ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا............!

لیکن اس نصاب کے دنیوی علوم کا جو حصہ ہے وہ یونانی علوم سے متعلق ہے۔ یونانی فلسفہ کا اکثر حصہ دورِ جدید کے بالمقابل یا غلط، یا غیر ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

دینی علوم ناقابل تبدیل ہوتے ہیں کہ ان کا سرچشمہ ذات رب العلمین ہے، لیکن دنیوی علوم کا سرچشمہ فکرِ انسانی ہے جس کے تجربات اور تحقیقات بدلتے

رہتے ہیں، اس لیے قدیم فلسفہ کی جگہ ہمارے نصاب میں جدید فلسفہ کا داخل کرنا زیادہ موزوں ہے، لیکن مغربی فلسفہ کو یونانی فلسفہ کی طرح اسلامی رنگ دے کر داخل کرنا چاہیے، تا کہ اسلامی روح اس کے فاسد اثرات سے محفوظ رہ سکے، اس لیے جدید ضروری علوم بجائے انگریزی زبان میں پڑھانے کے عربی یا اردو میں منتقل کر کے پڑھائے جائیں اور وہ بقدرِ ضرورت ہوں، تا کہ وسعتِ نظری پیدا ہوجائے، مثلاً: سائنس کے اہم اصول و مبادیات داخلِ نصاب ہوں۔ تجربات اور تفصیلی مطالعہ ہونا طالب علم کے لیے ضروری نہ ہو، اسی طرح ریاضی، معلوماتِ عامہ، شہریت، جغرافیہ، حفظانِ صحت اور علم التاریخ اُسی شکل میں داخل ہوں کہ واقعاتِ مہمہ کے علل واسباب کا تسلسل اور ربط ذہن نشین ہوجائے، لیکن ان سب علوم کو جزو نصاب بنانے کے لیے تدوینِ جدید کی ضرورت ہوگی، تا کہ اسلامی روح سے اس کا تصادم ختم ہوجائے (۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”مسلمانوں کی ملی جلی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی تعلیم و تربیت کی انفرادیت کو قائم رکھنا ضروری ہے اور یہ بغیر اسلامی درسگاہوں کے ناممکن ہے۔ ہماری آج اسلامی درسگاہیں پرانے عربی کے مدرسے ہیں اور یہی ہماری اس ملی حیات کی نمائندگی کر رہے ہیں جس کی شیرازہ بندی مذہب کرتا ہے۔ ان مدرسوں کے علاوہ مسلمانوں کے اور جتنے ادارے ہیں، یا قومی

(۱) مولانا شمس الحق افغانی: ماہنامہ البلاغ، کراچی، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ، ص: ۲۴، ۲۵، مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم۔

اور وطنی زندگی کو پیش کرتے ہیں، یا دوسرے عصری محرکات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان مدرسوں کا حال یہ ہے کہ ان کا نصاب، طورِ تعلیم ان کے اساتذہ کا اندازِ فکر، ان کے اندازِ نظر سب کے سب زندگی سے دور اور تعمیری قوتوں سے نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے علماء نے یا حالات کی قوت کو محسوس نہیں کیا، یا راضی بقضاء ہیں۔

ہماری درسگاہوں کے مروجہ دینیاتی نصاب میں قرآن کو عملاً مرکزی حیثیت حاصل نہیں، حالانکہ اس کو سمجھنے اور اس کا عام میلان اور مزاج دریافت کرنے کا واحد ذریعہ قرآن ہی ہے۔ قرآن میں بلاواسطہ تدبر کی راہیں بڑی حد تک بند ہیں۔ آئندہ نصاب میں اس کو مرکزی مقام ملنا چاہیئے اور بلاواسطہ تدبر کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔

حدیث کا دورہ حنفی فقہ اور اشعری کلام کی روشنی میں پورا کر دیا جاتا ہے اور اس طرح احادیث کی تمام دوسری حیثیتیں نظر انداز ہوجاتی ہیں۔ احادیث کو جب تک شرح قرآن کا درجہ نہ دیا جائے گا، ان کی تعلیم کا صحیح فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ فقہ آج تقلیدِ محض ہے۔ تعلیم کے آخری مرحلوں میں حقیقی تفقہ پیدا کرنا ہمارے نصاب کا مطمع نظر ہونا چاہیے۔ اصولِ فقہ کا درس بالکل بے مقصد ہوگیا ہے۔ اس کو با مقصد بنانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ عقائد وکلام میں مختلف اسباب وعوامل کی بناء پر عجیب وغریب عقائد اور دوراز کار نظری مباحث شامل ہوگئے ہیں، جو ممکن ہے

کبھی مفید اور ضروری ہوں۔

مگر آج ان کی وجہ سے اسلامی عقائد کی سادگی چھپ جاتی ہے اور اس زمانے کے ذہن کے لیے طمانیت بخش ہونے کے بجائے الجھنوں کا باعث ہیں۔ دینیات کے لیے جدید نصاب پر غور کرتے وقت ان سب باتوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہمارا نصاب اسلامی رجحانات سے مناسبت رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید ماحول کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

دوسرے فنون کی تعلیم میں تاریخی پس منظر کے طور پر ان خدمتوں کو جو مسلمانوں نے انجام دی ہیں، نمایاں کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مغربی تاریخ علوم میں جو خلا ہے، وہ بھر جائے اور اس لیے بھی کہ ہماری موجودہ تعلیم اپنے ماضی کے ساتھ مربوط رہے۔ اس طرح نہ ہم اپنے اسلاف سے بیگانے رہیں گے اور نہ ہماری ملی وحدت زمانوں اور عصروں سے پارہ پارہ ہوگی۔ ہمارے مدارس میں ابتداء سے بعض ایسے مضامین درس میں شامل ہیں جو ابتدائی موقف (موقع) میں بالکل بیکار ہیں اور ان میں طلباء کی قوت بے جا صرف ہوتی ہے۔ ایسے مضامین کو ابتدائی مراحل سے خارج کر دینا بہتر ہے۔ ان کا درس بشرطِ ضرورت صحیح موقعوں پر ہونا چاہیئے۔ معانی، بیان، اصول فقہ، منطق اور فلسفہ اسی قسم کے مضامین ہیں۔ صرف ونحو ابتدائی مرحلے کے لازمی مضامین ہیں، مگر ان کی مجرّد حیثیت میں تعلیم طلبہ پر غیر ضروری بار ہے۔ ان کی تعلیم زبان کے ضمن میں ہونی چاہیئے۔ یوں طلبہ دلچسپی بھی محسوس کریں

گے اور زبان کے ساتھ قواعد کی مشق بھی ہو جائے گی۔

زیر درس مضامین میں اصل اہمیت علوم کو دینی چاہیئے، نہ کہ کتابوں کو۔ کتابوں کی حیثیت ان یا داشتوں سے زیادہ نہیں جن میں اساتذہ اور طلبہ کی سہولت کے لیے متعین معیاروں کے تحت علمی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔

بغیر خاص ضرورت کے کتاب کو موضوع درس بنانا تعلیم کو ناقص بنانے کے مترادف ہے۔ تعلیم میں اس کی خاص طور پر نگرانی کی ضرورت ہے کہ تعلیم کا موضوع طالب علم رہے، تعلیم میں اس کی ضرورتوں، دلچسپیوں اور مناسبتوں کا خیال رکھا جائے، اس کی ذہنی الجھنوں اور کشمکشوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور ان کو حل کرنے اور دور کرنے پر توجہ کی جائے۔ تعلیم کا فائدہ طالب علم کے انفرادی اور اجتماعی رجحانوں کو سدھار کر اس کو سماج کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید اور بکار آمد بنانا ہے، نہ کہ اس کو علوم کی کال کوٹھڑی بنانا۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ میں تعمیری نقد کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ اس کی تخریبی قوتوں کی اصلاح ہوگی، بلکہ اس کی داخلی الجھنوں کی بھی تسکین ہوتی رہے گی اور دماغی اپچ میں ترقی بھی'' (۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''عربی مدارس کے نصاب کی جدید ترمیم واصلاح کی ضرورت ہے، اس لیے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استعداد

(۱) ''برہان''، ماہنامہ دہلی، ص: ۱۶۵و۱۷۱، ۱۷۲، مارچ ۱۹۵۳ء۔ (مضمون مولانا محمد عبدالسلام صاحب رام پوری)۔

پیدا کرنے سے قاصر تھا، بلکہ مزید علومِ جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعتوں کے سانچے بدل گئے، اذواق وافکار میں فرق آ گیا، عبارتی دقت اور موشگافی کے لیے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی............علم کلام جدید، فلسفہ جدید، علم الاقتصاد اور بعض جدید علوم سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے اور آج اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے......اگر آج ہمارے اسلاف زندہ ہوتے، تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق و تنقیح کے بعد امت کے لیے اسلحہ تیار کر کے دے چکے تھے، اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دماغ کے لیے تیار کرتے اور علوم کا بیش بہا اضافہ فرماتے۔ اس ضمن میں سرسری طور پر چند موٹی موٹی باتیں عرض کی گئی ہیں۔ اگر ہم ان اشارات کو اور اختصار کے ساتھ پیش کرنا چاہئیں، تو اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں:

(الف): قدیم علوم کی کتابوں میں اکثر مروجہ کتابوں کی تبدیلی۔

(ب): جدید علوم کا اضافہ۔

اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جن پر کم از کم آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے۔ ان پر جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا، بہ مشکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا۔ بقیہ سب کا نعم البدل قدماء ہی کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔

ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے، بلکہ ان علوم میں صحیح قابلیت و

مہارت پیدا کرنے کے لیے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں، یعنی: ہم اس سلسلہ میں ''تجدد'' نہیں، بلکہ ''تقادم'' چاہتے ہیں اور یہ ان علوم اسلامی کی خیر خواہی کے لیے چاہتے ہیں اور امت حاضرہ کے مفاد کے پیشِ نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔

اب میں جن نقطوں کے پیش نظر جن خطوط پر جدید نصاب کی بنیاد یا قدیم نصاب کی ترمیم کا خواہش مند ہوں، ان کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جدید نصاب تعلیم کی ضرورت اور اس کی خصوصیات

جدید نصاب تعلیم میں جو بنیادی خطوط ہیں میرے ناقص خیال میں اس کے تین نقطے ہیں۔

(الف) تخفیف: یعنی، نصاب مختصر ہو جس کی فراغت وحصول میں زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔

(ب) تیسیر: یعنی، نصاب میں مندرجہ کتابیں سہل وسلیس زبان میں ہوں، پیچیدہ اور دقیق نہ ہوں۔

(ج) محو واثبات یا اصلاح وترمیم: یعنی، بعض غیر اہم فنون کو ساقط کر کے جدید مفید علوم کا اضافہ۔

پہلے نقطے کی تشریح

نصاب جتنا مختصر ہوگا اس کے طالبین وشائقین میں حصول کا جذبہ زیادہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ مختصر نصاب سے بعض اوقات ہر طبیعت پوری طرح

مستفید نہ ہو سکے گی، لیکن اس کی تلافی کے لیے ایک مشترکہ عام نصاب کے بعد تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کے درجات مقرر کیے جائیں۔ جس کو جس فن کے ساتھ زیادہ مناسبت ہو یا طبعی رجحان ہو، اس کو وہ حاصل کر کے فن کا ماہر خصوصی بن سکے گا۔ مصر کے جامع ازہر نے جدید نظام تعلیم میں ان ہی اصولوں کا خیال رکھا ہے اور جامع ازہر کے جدید نظام تعلیم میں تین کلیات (کالج) ہیں۔

(۱) کلیۃ اصول الدین

(۲) کلیۃ الشریعۃ

(۳) کلیۃ الادب۔

پھر ہر کلیہ میں کچھ درجات تخصص (ڈاکٹریٹ) کے رکھے ہیں۔ میرے خیال میں تخصص و تکمیل کے لیے حسبِ ذیل درجات ہونے چاہئیں:

۱۔ التخصص فی علوم القرآن والتفسیر

۲۔ التخصص فی علوم الحدیث

۳۔ التخصص فی الادب والتاریخ

۴۔ التخصص فی الفقہ والقضاء والافتاء

۵۔ التخصص فی التوحید والفلسفہ والمعقول

۶۔ التخصص فی علم المعیشۃ والاقتصاد

۷۔ التخصص فی علم الاخلاق والتصوف۔

سہ سالہ مختصر نصاب

اس ضمن میں میری ایک خواہش یہ ہے کہ ہمارے مرکزی مدارس میں جہاں علمی نصاب و علمی تحقیقات کے لیے کوشش ہو، اس کے ساتھ ایک ایسا مختصر نصاب ان حضرات کے لیے مقرر کیا جائے، جو انگریزی تعلیم سے بقدرِ ضرورت فراغت پا چکے ہیں۔ وہ مدرس عالم بننا نہیں چاہتے، بلکہ صرف اپنی دینی ضرورت کے پیش نظر قرآن وحدیث و اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک سہ سالہ نصاب مقرر کیا جائے، جس میں صرف ونحو، قرآن وحدیث، فقہ وعقائد اور ادب و تاریخ تک علوم شامل ہوں۔ ان کو پڑھ کر عربی زبان میں بولنے اور لکھنے کی قدرت کے ساتھ اپنی ضرورت کو پورا کر سکے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، وقت کے اہم تقاضوں میں سے یہ ایک خاص تقاضہ ہے اور بہت سے قلوب میں یہ تڑپ موجود ہے۔ جہاں اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک انگریزی گرائجویٹ عالم دین بن سکے، اس کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دینی و دنیوی تعلیم میں جو خلیج حائل ہے اور فریقین ایک دوسرے سے مسلک وخیال میں دو نقطوں پر الگ الگ ہیں، ان میں اجتماع کی خوشگوار صورت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے اور خیالی و وہمی بدگمانیوں میں جو ہر فریق مبتلا ہے یہ اختلاف بھی ختم ہو جائے گا۔ اس لیے

اب ہمیں تین نصابوں کی ضرورت ہوگی۔

(۱) ایک مدرس عالم کے لیے نصاب

(۲) ماہر خصوصی کے لیے نصاب

(۳) اور تیسرا صرف دینی ضرورت کے لیے عالم بننے کا نصاب۔

دوسرا نقطہ تیسیر کا تھا اور تیسرا محو و اثبات یا اصلاح و ترمیم کا...... لیکن اس واقعی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے اس پرفتن و پرآشوب عہد میں نجات کی راہ، فلاح ترقی کا صحیح میدان بھی علوم اسلامیہ یا یہی دین اسلام ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمیں کچھ اصلاح و تبدیلی کی ضرورت پیش آئے گی۔ گزشتہ چند صدیوں میں جو علمی نظام یا علمی نصاب رائج ہو گیا، وہ امت کی موجودہ سمیّت کے لیے تریاق نہیں بن سکتا، جو امراض پیدا ہو چکے ہیں ان کی شفایابی کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔

گزشتہ رائج نصاب تعلیم میں قرآن مجید، علوم حدیث، تاریخ اسلامی، سیرت نبویہ، ادب و علوم بلاغت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی، جو بقیہ علوم وفنون کو حاصل تھی۔ نصابِ تعلیم میں اولیت و اہمیت کا درجہ ان علوم کو حاصل ہونا چاہیے، بقیہ علوم کو ثانوی درجہ میں رکھنا چاہیے۔ عربی ادبی زبان میں گفتگو، خطابت، انشاء ان کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن اب وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ان علوم کو سب سے پہلا درجہ نصاب میں دینا چاہیے۔ لسانیت ہی کے طرز تعلیم پر عربی ادب

کی تعلیم و تربیت ہونی ضروری ہے۔ جدید ادبی اسلوب جس میں فرانسیسی ادب کے اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے، جس میں غضب کی جاذبیت و عجیب شیرینی ہے اور ادب کا یہ اسلوب قدیم، بلکہ قدیم تر اسلوب کے بہت قریب ہے۔ جاحظ، ابن المقفع اور عہد مامون کے ادبی اسلوب کا ذخیرہ امت کے سامنے موجود ہے، بلکہ احادیث نبویہ کا اسلوب بیان اور فصحاء صحابہ کا طرز بیان، خطباء عرب کا قدیمی اسلوب بہت ہی متقارب ہے۔ تیسری چوتھی صدی تک تقریباً یہی اسلوب تھا، بعد میں بدیع الزماں ہمدانی کے مقاماتی انشاء ادب نے، پھر حریری کی پرتکلف سجع بندی نے اس ادب کا خاتمہ کر دیا، لیکن پھر بھی قرون متوسطہ میں جستہ جستہ ادباء کا یہی طرز رہا۔ غرض یہ کہ الادب الحدیث یا الادب الجدید قدیم ترین اسلوب سے بہت اقرب و اشبہ ہے اور اس میں مہارت و قابلیت و امتیاز پیدا کرنے سے قرآن وحدیث کی زبان کی شیرینی محسوس ہوسکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدیم علوم کی بہت سی کتابوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجائے متاخرین کے قدماء کی کتابوں اور مصنفات میں بہترین بدل موجود ہے۔ منطق، قدیم فلسفہ، قدیم کلام اور قدیم ہیئت میں بہت سرسری معلومات بھی کفایت کرسکیں گی۔ تنقیح کے ساتھ قواعد و مصطلحات کا علم کافی ہوگا اور ان کی جگہ تکمیل کے لیے جدید علم کلام اور جدید علم ہیئت و ریاضی و اقتصادیات

کو دینا چاہیے۔اس نصف صدی میں ان علوم کا کافی ذخیرہ عربی میں آ چکا ہے، لیکن بہت سے گوشے ابھی تشنۂ تکمیل ہیں، تاہم جتنا ذخیرہ عربی میں مدون ہو چکا ہے اس سے مستفید ہونا چاہیے۔بعض عمدہ کتابیں اردو میں ملیں گی ان کو داخل نصاب کیا جائے۔

ہم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں انہی اصول کے پیش نظر انہی خطوط پر نصاب کی بنیاد چاہتے ہیں اور الحمدللہ کچھ جزئی ترمیم واصطلاح کا قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے۔

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم جس طرح محتاج اصلاح ہے، اس سے کہیں زیادہ نظام تعلیم کی اصلاح کی حاجت ہے۔اساتذہ میں اخلاص وتعلق مع اللہ کی روح جلوہ گر ہو اور تعلیم وتعلم دونوں کا مقصد خدمت علم وخدمت دین ہو، تعلیم کا مقصد حصول سند یا حصول ملازمت نہ ہو(۱)۔

درس نظامی سے فراغت کا حاصل اتنا ہے کہ اس کے فاضل میں مطالعہ کی ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر بھی مطالعہ کر کے استفادہ صحیح کر سکتا ہے۔یہ نہیں کہ ضرورت کے سب علوم اور سب معلومات درس نظامی

(۱) ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ انڈیا، بابت ماہ فروری ۱۹۷۵ء، ص ۵۷ تا ۷۳، علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ کا مضمون: مدارس عربیہ کا نصاب ونظام تعلیم۔ و ''الحق'': اکوڑہ خٹک پشاور، رمضان ۱۳۹۳ھ، ص ۸ تا ۱۷، قسط اول، و ''الحق'' شوال ۱۳۹۳ھ، ص ۲۹ تا ۳۵۔

میں پورے حاصل ہو چکے، یہ ایک ایسی بات ہے کہ اکثر درس نظامی کے فارغ التحصیل لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

رہا معاملہ موجودہ نصاب مدارس میں اصلاح وترمیم کا، تو اس کے لیے انفرادی راہوں کی اشاعت شاید مفید نہ ہو۔یہ کام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کے اشتراک اور باہمی بحث وتمحیص کے بعد کوئی مفید صورت اختیار کر سکتا ہے، جس سے مدارس عربیہ کے نصاب میں ہم آہنگی اور اشتراک باقی رہے(۱)۔

مزید کہا گیا ہے کہ ''جدید نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ جدید معاشرتی علوم کا مطامعہ کیا جائے، بلکہ انہیں تمام دینی مدارس کے نصاب میں شریک کیا جائے۔معاشرتی علوم سے مراد علم سیاسیات، علم معاشیات، علم اجتماعیات اور تاریخ وشہریت ہے۔اس کے ساتھ ہی علوم حکمیہ میں سے شماریات، تاریخ ارتقائے سائنس اور تاریخ فلسفۂ جدید اور علم نفسیات اور تاریخ ادب مغرب بھی مفید ہے۔ان سب علوم پر انگریزی میں تو بہت کچھ ہے، مگر اردو میں بھی ہر قسم کی کتاب مل جاتی ہے۔

میرے خیال میں دینی مدارس میں انگریزی کے متوسط علم کے علاوہ مذکورہ بالا علوم کی آمیزش سے ان مدارس کی افادیت میں بے حد اضافہ ہوگا اور وہ

(۱) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، صفر ۱۳۹۲ھ، اپریل ۱۹۷۲ء، مضمون مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی ص ۳۴۔

نئے زمانوں کے فتنوں کی صحیح نوعیت سمجھ کر ان کا علاج کر سکیں گے۔ مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ناممکن ہے۔ ہمارے علماء کے پیش نظر قدیم زمانے کے ملحدانہ خیالات ہیں، مگر وہ جدید الحاد کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ علماء آج کے بگاڑ کا تصور بھی نہیں کر سکتے، زمانہ تقابل ادیان سے زیادہ تقابل افکار کا ہے'' (۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مدارس عربیہ میں طرز تعلیم کے بدلنے کی ضرورت ہے۔ نظام تعلیم سے متعلق اجمالاً عرض ہے کہ احقر کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ یہ نظام دین ودنیا دونوں کے لیے مفید ہو اور موجودہ سارے رائج نظام دونوں کے لیے ناکافی ہیں، البتہ یہ کہنے میں باک نہیں کہ مدارس عربیہ کے نصاب پر نظر ثانی کی ضرورت اس لحاظ سے ہے کہ اس کو آج کل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد ومعاون بنایا جائے۔ تحریر وتقریر پر زور دینے کے علاوہ انفرادی توجہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسے مضامین کا انتخاب بھی لازم ہے جن کی ضرورت ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہر کام پر ہوتی ہے۔

یہ کام تو حکومت کا تھا کہ ایک نظام تعلیم ملک میں رائج کر کے مختلف دفاتر اور شعبوں کی ملازمتیں، نیز تجارتی، کاروباری اداروں کو صرف ایک نظام تعلیم کے محصلین کے لیے مخصوص نہ کرتی اور سرکاری ملازمتوں کے مقابلے کے

(۱) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، محرم ۱۳۹۲ھ، مضمون ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب، لاہور، ص ۳۲، ۳۳۔

امتحانوں میں عربی مدارس کے طلبہ کو بھی شامل ہونے کی اجازت دیتی۔

دینی علوم کی ضرورت کے ساتھ سائنس اور دنیوی تعلیم کو بھی اسلامی علوم میں داخل سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ علمی زندگی میں اسلام نظام تعلیم کی ثنویت کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا تو آج علوم جدیدہ اور یورپین زبانوں کے سیکھنے کو ہم برا نہیں سمجھ سکتے، بلکہ بین الاقوامی تقاضوں کے ماتحت ان کے واجب علی الکفایہ ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا'' (۱)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ''علم دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا، وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہونا اور میراث انسانیت کا حاصل کرنا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں: دینی علوم اور دنیوی علوم...... علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بیہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انہیں خدمت خلق، اصلاح معاش اور تدبر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہو

(۱) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، مضمون مولانا ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، پی ایچ ڈی آکسفورڈ، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص ۲۳، بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ۔

جاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو، تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں اور اس کے لیے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً: ایک حدیث میں ہے: "مـــن تـعـلـم عـلـماً مما يبتغى به وجه الله، لايتعلمه إلا ليصيب به عرضاً من الدنيا، لم يجد عرف الجنة يوم القيامة، يعني: ريحها".

''جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے اور پھر اس کو متاع دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا''۔(مشکوۃ)

ایک اور حدیث میں ہے: "مـن طـلـب الـعلم ليجاري به العلماء أو ليماري به السفهاء أو يصرف وجوه الناس إليه أدخله الله النار''.

''جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ سے علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے''۔(مشکوۃ)

بہرحال ایسا مقام بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلب آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار اور صنعت و

حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔ علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی، ان سب سے رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرے کا قیام ہونا چاہیئے''(۱)۔

یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ''میں مدارس عربیہ کے نصاب کے لیے صرف اور صرف پرانے مجوزہ درس نظامی کا قائل ہوں۔ اس کو مفید تر اور اہم اور احکم سمجھتا ہوں اور اس میں فنی، کتابی، کلی، جزوی کسی بھی طرح کے ردوبدل اور حذف و ترمیم کا روادار نہیں ہوں، پھر میں اپنے موقف کے ہوتے ہوئے نصاب تعلیم میں تبدیلیوں کا مشورہ کیوں کر دے سکتا ہوں، بلکہ نصاب میں کی گئی تبدیلیوں کے خلاف بھی میرا سخت احتجاج ہے...... ان کتابوں ہی کے نصاب تعلیم سے ماضی قریب کے مرحومین میں محمد قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود حسن دیوبندی، اشرف علی تھانوی، انور شاہ کشمیری، حسین احمد مدنی، محمد ابراہیم بلیاوی، اعزاز علی امروہی، مفتاح الدین سواتی جیسی ہستیاں بن گئی ہیں اور موجودین میں سے رسول خاں ہزاروی، شمس الحق افغانی، محمد شفیع دیوبندی، محمد یوسف بنوری، محمد ادریس کاندھلوی، عبدالحق اکوڑہ خٹک وغیرہ تیار ہوئے، جن کی سندوں میں درج بالا علماء سابقین اپنی

(۱) ماہنامہ ''البینات'' کراچی، جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ۔ ''بصائر وعبر'' اداریہ، مضمون علامہ محمد یوسف بنوری کراچی، ص ۳،۶۔

(۲) ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، رمضان ۱۳۹۲ھ (مولانا لطافت الرحمٰن انچارج شعبۂ فقہ و قانون جامعہ اسلامیہ بہاولپور، کے مضمون سے اقتباس۔ اس اقتباس کے بعد مولانا محمد رسول خان اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی دونوں بزرگ فوت ہو چکے ہیں۔ اول الذکر ۱۹۷۱ء اور دوسرے ۱۹۷۴ء میں)۔

اپنی جگہ پر موجود ہیں اور موجودہ دینی تلامذہ کے بالواسطہ اساتذہ ہیں (۲)۔

یوں بھی لکھا گیا ہے کہ ’’اس نصاب کے تجربہ اور مفید ہونے کی دلیلیں گزشتہ صدیوں کے وہ تمام بزرگ ہیں جنہوں نے اس نصاب سے تکمیل حاصل کی، کیونکہ مدارس کی شکل سے پہلے سے یہی نصاب تھا، اس لیے اس سے پہلے کے بزرگوں کی ذات بھی اس کی عمدگی کی دلیل ہے اور مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کی ذات تو اصل دلیل ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی اور شاہ صاحبان کا کل خاندان اور فرنگی محل میں مولانا عبدالحئی صاحب وغیرہ، اس نواح میں حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی وغیرہ اور اس زمانے کے قریب کے حضرت سہارنپوری، حضرت دیوبندی، حضرت رائے پوری، حضرت تھانوی، حضرت مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب، حضرت مولانا حسین احمد صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب وغیرہ، بلکہ پاکستان و ہندوستان کے تمام اہل علم و تقوی اس نصاب کے پروردہ ہیں.........سارے ملک، بلکہ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ مذکورہ بالا ان حضرات نے اسی نصاب و نظام کی بدولت اپنے علم و عمل کی نظیر سے دنیا کو عاجز کر رکھا ہے۔ اس قدر عجیب نصاب و نظام کو جس کے ایسے نتائج آپ کے سامنے ہیں ناقص بتانے والوں پر کسی خوض یا یورپ کی مسموم ہوا کا شبہ نہ ہو تو کیا کہا جائے؟! ہاں اس نصاب کو وہ حضرات ضرور خراب بتائیں گے جن پر

نئے زمانہ نئے رنگ نئی روشنی کا کل یا کچھ کچھ اثر آ گیا ہے جس کو کامل تقوی اور ورع حاصل ہوگا، وہ اس علم باعمل کے نصاب کے خلاف کچھ نہ کہے گا‘‘(۱)۔

سابقہ حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ درس نظامی کے بارے میں دو گروہ ہیں۔ ایک کا کہنا یہ ہے کہ موجودہ مروجہ درس نظامی نہایت عمدہ اور اعلی ہے، اس میں تبدیلی کی قطعاً گنجائش نہیں اور ان کی طرف سے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بڑے بڑے علماء اس درس نظامی کو پڑھ کر بڑے علماء بنے، حتی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہوں نے درس نظامی میں خود بھی تبدیلی کی، وہ بھی اس نصاب کی پیداوار تھے۔ جو لوگ اس نصاب و ترمیم کی اصلاح کے بارے میں سوچتے ہیں وہ یورپ کی مسموم ہوا کا شکار ہو گئے ہیں۔

دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ بلاشبہ دینی علوم نہیں بدلتے، اس لیے کہ ان کا مآخذ وحی الٰہی ہے اور علوم آلیہ چونکہ خود انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہیں، اس لیے ان میں وقت کے تقاضوں کے مطابق ردوبدل انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ درس نظامی میں دینی علوم کی تعداد کم اور علوم آلیہ کی تعداد زیادہ ہے۔ علوم آلیہ کی کتابیں آج سے کئی سو سال پہلے اپنے زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق لکھی گئیں، مگر آج زمانہ بدل گیا، سانچے بدل گئے، غور و فکر نے بے حد

(۱) مفتی جمیل احمد تھانوی: نصاب و نظام دینی مدارس، لاہور، ناشر قرآن لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور۔

ترقی کر لی، جو سوالات صدیوں پہلے اُٹھے تھے اس وقت کے علماء نے ان کے دفاع کے لیے کتب لکھیں اور شامل نصاب کر دیں۔ آج وہ سوالات نہیں اُٹھ رہے۔ آج کے سوالات مختلف نوعیت کے ہیں، ان کا معقول جواب نہ دینا اور راہ فرار اختیار کرنا کسی صورت اچھا نہیں، اس لیے درس نظامی کے نصاب میں ترمیم واصلاح کی بے حد ضرورت ہے، تاکہ یہ زیادہ مفید ہو اور اس کا نفع عام ہو۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

''حملۂ تارتار کے کچھ عرصہ بعد جب اس محشر کی ہولناکیاں کم ہوئیں اور درسگاہیں دوبارہ آباد ہونے لگیں، تو ہلاکو خاں نے اپنے وزیر محقق طوسی (۱۲۷۴ء) کو حکم دیا کہ وہ سیاسی مصالح کو پیش رکھ کر مدارس کے لیے ایک نصاب تعلیم تجویز کرے۔

مکتب از تدبیر او گیرد نظام   تا بکام خواجہ اندیشہ غلام

(اقبال)

اس کے تجویز کردہ نصاب کا نام درس نظامی ہے جو گذشتہ آٹھ سو برس سے ہمارے ہاں رائج ہے۔ اس میں ایران کے دو علماء علاّمہ تفتازانی اور جرجانی نے کچھ اصلاحات کیں۔ سکندر لودھی (۱۵۱۷ء) کے زمانے میں ہندوستان کے دو اساتذہ شیخ عزیز اللہ اور شیخ عبداللہ نے بھی تبدیلیاں کیں۔ بعد ازاں حضرت شاہ

ولی اللہ دہلوی (۱۷۶۰ء) اور آپ کے ایک ہم عصر نظام الدین سہالوی (۱۷۴۷ء) نے بھی اس میں کچھ رد و بدل کیا اور اس کے بعد آج تک اس میں کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی۔

اس نصاب کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ طالب علم خدا ترس، متقی، صابر و شاکر، متواضع اور عابد و زاہد بن جاتا ہے، لیکن اس میں کچھ نقائص بھی ہیں، مثلاً، ۱......قرآن تسخیر کائنات کا بار بار حکم دیتا ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے علم کا ہاتھ زمین کے دفائن، سمندروں کے خزائن اور فضاؤں کے اس پار مہ و انجم تک پہنچ سکے، لیکن درس نظامی میں علوم طبیعی کا ایک لفظ تک موجود نہیں اور اگر کچھ ہے تو سرتاپا غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

ظاہر ہے کہ جو علم قوم کو قوت، ہیئت اور توانائی نہیں دے سکتا وہ یک طرفہ و ناقص ہوتا ہے۔

۲...... یہ نصاب روح و آخرت کی اہمیت کا تو قائل ہے، لیکن عالم اسباب کی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتا، حالانکہ اسلام میں انفس و آفاق ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں، جس طرح دنیائے ظاہر کا ایک باطن ہے، اسی طرح باطن کا بھی ایک ظاہر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اسلام دنیا و عقبیٰ ہر دو کی بہتری چاہتا ہے۔ جسم و روح دونوں کو سنوارتا ہے اور جہان مادّی کو ایک قسم کی لطیف معنویت عطا کرتا ہے۔

۳...... آج سے تین سو برس پہلے قرآن میں متشابہات کی تعداد کافی زیادہ تھی، اس عرصے میں سائنس نے لاتعداد انکشافات کیے اور قرآن کی درجنوں آیات حل ہوگئیں، لیکن درس نظامی ان سے بحث نہیں کرتا اور آیات کی تازہ تفسیر کو تفسیر بالرائے قرار دیتا ہے.....!

عجیب بات ہے کہ قرآن حکیم کی پہلی تفسیریں زیادہ حقیقت کے قریب اور جاندار ہیں اور بعد کی نسبتاً بے کار، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بعد کے مسلمان ذلیل ورسوا ہوگئے اور قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہ دے سکے تو قرآن کو کھینچ کر نیچے لے آئے، تاکہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے۔

۴...... پچھلے کئی سو سال سے ہمارے علماء علوم جدیدہ وافکار تازہ سے بے خبر ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ عصر حاضر کی مختلف ذہنی، سیاسی، معاشی، ثقافتی تحریکات ذہن جدید کو کس حد تک متاثر کر چکی ہیں اور اب اسلام کو کس رنگ میں پیش کرنا ہے اور آج ساری کائنات ہم سے پوچھ رہی ہے کہ اگر اسلام ارتقائے انسانیت کا ضامن ہے تو پھر پیروان اسلام ہر جگہ ذلیل کیوں ہیں؟

اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم اسلام کو چھوڑ چکے ہیں اور جس چیز سے چمٹے ہوئے ہیں وہ کہیں اسلام کا دسواں حصہ ہے، کہیں بیسواں اور کہیں پچاسواں۔ درس نظامی آدھے اسلام کی تعلیم دیتا تھا اور

موجودہ نصاب تعلیم تمام اسلامی تصورات سے تقریباً آزاد ہے۔ اس صورت میں مسلمان پیدا ہوں تو کیوں کر؟ اور اسلام کا فلسفہ پھیلے تو کیسے؟

آج دنیا میں چونتیس آزاد اسلامی ریاستیں موجود ہیں، ان کی درسگاہوں میں علوم جدیدہ تو پڑھائے جاتے ہیں، لیکن مذہب کی تدریس یونہی برائے نام سی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ کہ آزاد خیال، کج عمل اور آوارہ نوجوانوں کی فوجیں کالجوں سے نکل کر معاشرے کو خراب کر رہی ہیں۔ ان کی اصلاح کا فریضہ مساجد انجام دے سکتی تھیں، لیکن مسجد ومکتب کی راہیں اس حد تک جدا جدا ہیں کہ ایک مشرق کو جا رہا ہے تو دوسرا مغرب کو۔ مسجد میں سوچنے کا انداز سات سو سال پرانا ہے اور وہ بھی مقلدانہ، اور ذہن جدید بات بات پر دلیل وبرہان مانگتا ہے۔

اس صورت حال سے متاثر ہوکر آج سے تین سال پہلے حکومت مغربی پاکستان نے گیارہ علماء کی ایک مجلس درس نظامی کی اصلاح کے لیے ترتیب دی تھی۔ ڈاکٹر محمود حسین سابق وزیر مرکز اس کے صدر تھے۔ مولانا داؤد غزنوی، مفتی محمد شفیع، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا، ڈاکٹر سلیم فارانی، علامہ علاؤالدین صدیقی، مفتی محمد صادق (بہاولپور)، یہ خاکسار اور چند دیگر اکابر علماء اس کے ممبر تھے۔

اندازاً چھ ماہ تک اس مجلس کی نشستیں ہوتی رہیں، میں نے ہر منزل پر

شور مچایا کہ اس نصاب میں فکرِ نو کو آنے دو، لیکن ناکام رہا۔

صرف اتنا ہوا کہ بعض مدارس تک انگریزی لازمی کردی گئی۔ ممکن ہے کہ انگریزی کا یہ پیوند کچھ عرصہ کے بعد مسجد ومکتب میں پل کا کام دینے لگے اور وہ ہولناک مسافتیں کم ہوجائیں جو اس وقت کالج اور مسجد میں حائل ہیں'' (۱)۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ

''میں بیس پچیس برس سے اس مسئلے پر غور کررہا ہوں کہ دینی مدارس کے موجودہ نصابات میں کن کن مضامین یا عناصر علمی کا اضافہ کیا جائے، جس کی بدولت دینی مدارس کے فارغ التحصیل اصحاب کی مزید علمی تکمیل اس طور پر ہوجائے کہ وہ جدید ماحول میں خود کو کسی طرح کمزور محسوس نہ کریں یا کوئی دوسرا انہیں ناقص العلم ہونے کا طعنہ نہ دے سکے۔ اس طعنے یا الزام کو دور کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ جدید التعلیم لوگوں کی مجالس میں علماء کا

(۱) غلام جیلانی برق، ڈاکٹر: اسلام اور عصر رواں، لاہور ۱۹۶۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور، ص ۲۶ تا ۳۰۔

احساس کمتری دور ہوجائے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ ہر ماحول میں دین کی خدمت کرسکیں۔ میں نے اس مسئلے پر تجدد پسندوں یا مغرب پسند مصلحین کے طریقے، ارادے اور مقصد سے الگ ہوکر سوچا ہے۔ میں دینی علوم کو، خصوصاً قرآن مجید، حدیث اور فقہ وکلام کو اساسی علوم سمجھ کر آگے بڑھا ہوں اور مقصدِ کل یہ ہے کہ اساسیات اسلام کو جدید ترین علوم کے مقابلے میں آج بھی، بلکہ ابدالآباد تک برحق، فائق اور واحد رہنما ثابت کیا جاسکے۔

اس مقصد کے لیے میں سوچتا رہا کہ علوم اسلامیہ کی از سرنو اس طرح درجہ بندی کی جائے کہ اصلی، اضافی اور عام دنیوی یا افادی علوم کا ایک ترتیبی شجرہ تیار ہوسکے۔

میرے نزدیک علوم کا ترتیبی شجرہ یہ ہے:

الف:

علوم دینیہ یہ ہیں: علوم قرآن، علوم حدیث اور علوم فقہ جن میں سے ہر ایک کے ساتھ علم الاصول بھی ہے۔ بزرگوں نے جو شجرہ بنایا ہے، اس میں علم عقائد، علم کلام (اسرار الدین) یا علوم سلوک وتصوف کو بھی علوم دینیہ میں جگہ دی ہے۔

یہ علوم اصلی دینی نہ بھی ہوں، تب بھی انہیں معدات یا ثمرات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح علوم لسانیہ اور منطق علوم آلیہ میں سے ہیں کہ ان کی

مدد سے ہمیں علوم دینیہ کے فہم میں آسانی میسر آتی ہے، اسی طرح مذکورہ بالا علوم کو دین کا معاون سمجھا جا سکتا ہے۔

ب:

علوم تاریخ وسیرت وعلم المقامات (جغرافیہ)

ج:

علوم حکمیہ: جو حقائق اشیاء کے نظری اور عملی علوم پر مشتمل ہیں۔

د:

علوم تربیتِ باطن وعلوم تدبیر معاملات دنیوی: ان میں علوم الاخلاق (موجودہ علم عادات ونفسیات وغیرہ) بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ علم معاشیات، علم سیاسیات اور علوم ادراک بین الاقوامیات ہیں۔

مجموعی طور سے علوم دین ہی اصل ہیں، لیکن انہیں بہتر سمجھنے اور ان کی خدمت کے قابل ہونے کے لیے علوم دنیا بھی ضروری ہیں، مثلاً: آج کے دور میں (اور شاید ہمیشہ) علوم الحرب اور علوم الملل والاقوام اور علوم طبعی وریاضی کی ضرورت مسلّم ہے۔ اس وجہ سے علوم دین کے دفاع کے لیے اور مسلم مملکت کی ترقی وتحفظ کے لیے علوم دنیا کی ترویج بھی ضروری ہے۔ بنابریں علوم کے لیے جو بھی نظام قائم کیا جائے، اس میں علوم دنیا کا عنصر بھی شامل کرنا

ضروریات دین کے لیے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ علوم مغرب، عقائد فاسدہ کی ادلہ سے اچھی طرح باخبر ہوئے بغیر ان کا رد بھی ممکن نہیں...... اس کے لیے میں ایک مختصر سی تجویز پیش کرتا ہوں:

الف:

دینی مدارس کے تحتانی ثانوی درجوں میں جو چھٹی جماعت سے دسویں جماعت کے برابر ہوں، انگریزی کا اور جغرافیہ اور تاریخ عالم کا آسان نصاب رکھ دیا جائے۔

ب:

فوقانی ثانوی سے اعلیٰ تعلیم تک درج ذیل معاشرتی علوم کے آسان نصاب تین درجوں میں پڑھائے جائیں۔ علوم کے نام یہ ہیں:

۱.....معاشیات، ۲.....سیاسیات، ۳.....عمرانیات (سوشیالوجی)، ۴.....فلسفہ ونفسیات مع تاریخ سائنس۔

طریقہ:

۱......ان چاروں علوم کے ہر درجے کے لیے آسان نصاب یکجا مرتب کیے جائیں جن کی زبان اردو ہو، اوپر کے درجوں میں صرف ایک کتاب چار سو صفحات کی ہو۔

۲......پہلے درجے میں ان علوم کے مبادی اردو میں پڑھائے جائیں۔

۳...... دوسرے درجے میں ان علوم کے اہم نظریات اردو میں پڑھائے جائیں۔

۴......تیسرے درجے میں ان علوم کے مسائل پر بحث وتنقید اردو میں پڑھائی جائے اور اس نصاب میں اسلامی عقیدوں کی روشنی میں نقد ونظر اور مسلم مفکرین ومجتہدین کی آراء بھی شامل ہوں۔

راقم الحروف کی رائے میں دینی مدارس کے مروجہ نصابات کے ساتھ یہ اضافہ کردیا جائے تو نہایت آسانی سے وہ کمی دور ہوسکتی ہے، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اس معمولی سے اضافے کے ذریعے یہ مسئلہ فوراً حل ہوجائے گا۔

اس وقت اسلام اور مذہب پر جتنے بھی حملے ہوتے ہیں وہ انہی علوم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان نصابات کا مقصد صرف تعارف ہوگا، تاکہ ان کی نوعیت سے اہل علم باخبر ہوکر ضرورت ہو تو ان کا رد کرسکیں اور مناسب ہو تو بعد میں ان علوم کے وسیع تر مطالعہ سے دین کا دفاع کرسکیں اور اس طرح بے خبری کا الزام بھی دور ہو اور دین کی خدمت کے لیے وہ مسائل پیدا ہوں جو اسلاف نے بھی ہزاروں فتنوں کے مقابلے میں پیدا کیے تھے''(۱)۔

(۱) ''الحق''، ماہنامہ، اکوڑہ خٹک پشاور، ستمبر ۱۹۷۵ء: دینی مدارس کا نصاب تعلیم اور ایک علمی تجویز، از ڈاکٹر سید عبداللہ (ص ۳۳ تا ۳۶)۔

مروجہ نصاب پر محاکمہ

ذیل میں مروجہ درس نظامی اور کتب کے بارے میں اظہار خیال کرتا ہوں:

۱......قواعد (صرف ونحو) موجودہ ابتدائی کتب فارسی میں ہیں، اگر فارسی کے بجائے اردو میں ہوں تو طلبہ کو دقت نہیں ہوگی اور اردو نوشت وخواند میں بھی ترقی ہوگی۔ جو وقت فارسی زبان کی تحصیل میں لگتا ہے وہ بچ جائے گا۔

متوسط اور اعلیٰ کتب اگرچہ عربی زبان میں ہیں، مگر ان کتابوں کے سائز سے پڑھنے والوں کا سائز کم ہے، اس لیے طلبہ پر اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل ہوسکیں۔ قواعد کا حصول اس لیے ضروری ہے کہ عربی زبان آئے اور قرآن مجید اور حدیث سمجھ سکیں، لیکن قواعد کی کتابیں اس قدر غالب آگئی ہیں کہ مقصود فوت ہورہا ہے۔ طلباء کا زیادہ وقت کتاب سمجھنے میں صرف ہوجاتا ہے، قواعد سے وہ دور رہتے ہیں۔

۲......منطق: علم منطق کی تحصیل ضروری سہی، مگر اس وقت اس فن کی صرف ایک کتاب ''مرقات'' کا پڑھ لینا کافی ہے۔ ادق اور مشکل کتابوں میں طلبہ کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

۳......فلسفہ: فلسفہ کی اہمیت مسلّم ہے، مگر فلسفۂ قدیم پر نظر ثانی کی

ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فلسفۂ جدید نے فلسفۂ قدیم کی اکثر باتوں کا رد کر دیا ہے۔

۴......تاریخ: درس نظامی میں تاریخ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تاریخ عالم تو کجا، اپنی ملکی اور اسلامی تاریخ کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ نہ صرف سیاسی، بلکہ ثقافتی اور عمرانی پر عبور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۵...... ہیئت، ہندسہ اور طب: تینوں مضامین کی افادیت اظہر من الشّمس ہے، مگر ان مضامین کی جو کتابیں درس نظامی میں داخل ہیں اکثر اپنی افادیت ختم کر چکی ہیں۔

۶......فقہ: یہ علم درس نظامی کا اہم حصہ ہے۔ طلبہ کی وسعت نظر کے لیے مذاہب اربعہ کی کتب کی شمولیت مفید ثابت ہوگی۔ آج کی مشینی زندگی نے بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ان کا حل از حد ضروری ہے، اس لیے استنباط مسائل کا کام جاری رہنا چاہیے۔ علم الفقہ میں نور الایضاح، قدوری اور ہدایہ بہترین کتابیں ہیں، باقی سب اس قابل ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر کتابیں رکھی جائیں۔

۷...... ادب عربی: قدیم ادب عربی کے ساتھ جدید ادب عربی کی تحصیل نہایت ضروری ہے۔ اس وقت جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں ان میں کوئی ربط نہیں، یہی وجہ ہے کہ طلبہ کو عربی نہیں آتی۔ یہ دور تحریر کا دور ہے، اس

لیے انشاء کی باقاعدہ مشق نہایت ضروری ہے، تاکہ طلبہ تقریر و تحریر میں تکلیف محسوس نہ کریں۔

۸......علوم آلیہ کی تحصیل قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے ضروری سمجھی گئی، مگر قرآن مجید اور حدیث پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی۔

دورۂ حدیث ایک سال میں کرا دیا جاتا ہے، جس سے تشنگی قائم رہتی ہے۔ تاریخ و تدوین حدیث کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں جلالین اور بیضاوی (سورۂ بقرہ فقط) کی تدریس سے طلبہ کو تفسیر تو کجا، ترجمہ بھی نہیں آتا۔ اس کا عملی تجربہ راقم کو اس وقت ہوا جب ایسے فارغ التحصیل حضرات کا مدرس دینیات کی آسامیوں کے لیے انٹرویو لیا گیا، تو ان میں سے اکثر کو قرآن مجید کا سادہ ترجمہ بھی نہیں آتا تھا۔ نیز تاریخ و تدوین قرآن سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔

رائے:

میری رائے اس گروہ کے حق میں ہے جو وقتی حالات کے پیش نظر نصاب میں تخفیف، تیسیر اور اصلاح و ترمیم چاہتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ یورپ کی مسموم ہواؤں کا شکار ہوگئے ہیں بہت غلط بات ہے، اس لیے کہ ان کی زندگیاں درس نظامی کی تدریس میں گزری ہیں اور وہ اُن سے زیادہ عالم، فاضل، ماہر اور مصنف، بلکہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔ انہی حضرات

کے مل بیٹھنے سے یہ کام ان شاء اللہ ہو جائے گا اور اس کا نفع عام ہوگا۔

(جو گروہ علوم آلیہ میں بھی کسی تبدیلی کا قائل نہیں وہ لکیر کا فقیر نظر آتا ہے)۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

’’مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد سیادت، مشیخت، عربیت، عجمیت نہیں ہے، بلکہ اسلام ہے اور اسلام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس امر کے ثابت ہونے کے بعد کہ ہماری قومیت اور اسلام گویا مرادف الفاظ ہیں، ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام کو علم سے کیا تعلق ہے، کیونکہ جو تعلق علم کو اسلام کے ساتھ ہوگا وہی ہمارے ساتھ بھی ہوگا۔ اسلام کی بنیاد، اسلام کی ترکیب اور اسلام کے نظام پر جب غور کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور علم آپس میں متلازم ہیں...... اور جب ہم مسلمانوں کو علم سے اس درجہ تعلق ہے، تو نہایت افسوس ہے کہ اگر ہم اس بات کا خیال نہ رکھیں کہ اب علم میں ہمارا کیا پایہ ہے؟ ہمارے علوم کس حالت میں ہیں؟ مختلف زبانوں کے لحاظ سے اس کے نصاب میں کیا کیا اضافے اور اصلاحیں ہوتی رہنی چاہئیں؟ بزرگان سلف عموماً ہر زمانے میں اس اصول کے پابند رہے اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا طریقہ، کتابوں کا انتخاب، علم درسیہ کی تعیین، یہ سب چیزیں ہمیشہ بدلتی رہیں۔ بنو امیہ کے دور تک کتابی درس کا مطلق رواج نہ تھا، استاذ زبانی تقریر کرتا تھا اور طلبہ اس کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔ یہ طریقہ دولت عباسیہ میں بھی مدت تک جاری رہا، اس کے بعد کتابوں کا درس جاری ہوا، لیکن پہلا بھی

مفقود نہیں ہوا۔ سب سے اخیر شخص جس نے اس طریقہ پر درس دیا، علاّمہ جلال الدین سیوطی تھے۔ ایک زمانے میں علوم عقلیہ نصاب تعلیم سے بالکل خارج تھے، بلکہ مقدس علماء اس سے نفرت رکھتے تھے۔ زمانہ مابعد میں یہی علوم درس و تدریس کے خاص اجزاء بن گئے، یہاں تک کہ آج جس نے یہ علوم نہ پڑھے ہوں وہ پورا عالم شمار نہیں کیا جاتا۔

فارابی کے زمانے تک یعقوب کندی کی تصنیفات درس معقولات میں داخل تھیں۔ فارابی کے زمانے سے فارابی کی تصنیفات کا رواج ہوا، پھر بو علی سینا کی کتابیں مقبول ہوئیں اور قدیم کتابیں گمنامی کے گوشہ میں چھپ گئیں۔ اسی طرح ہر زمانہ کے سلسلۂ درس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ملا نظام الدین کا عہد آیا اور نظام قدیم کی بالکل کایا پلٹ گئی۔ موجودہ نصاب ملاّ صاحب ہی کی طرف منسوب ہے اور اسی وجہ سے ’’نظامیہ‘‘ کہلاتا ہے۔ بعض کتابیں، مثلاً: ملاّ حسن، غلام یحییٰ، حمد اللہ، قاضی آہستہ آہستہ بعد میں داخل ہوتی گئیں اور غلطی سے یا تغلیباً وہ بھی سلسلۂ نظامیہ کے شمار میں آ گئیں۔ یہ امر واقعی حیرت کے قابل تھا کہ جب مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے یعقوب کندی، حکیم فارابی، ابن سینا، قطب الدین رازی کے نصاب بدلتے رہے تو سلسلۂ نظامیہ کا آج تک ’’من غیر تغیر‘‘ بحال رہنا کس لحاظ سے ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق دو حیثیت سے بحث کی جا سکتی ہے۔

(۱) طرزِ تعلیم کے لحاظ سے

۲) کتبِ درسیہ کے تعین کے لحاظ سے۔

طرزِ تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اصل فن کے بجائے کتاب کے ساتھ زیادہ اعتناء کی جاتی ہے۔اس مسئلہ کی تحقیق کے بجائے زیادہ وقت اس امر میں صرف کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ کس عبارت میں بیان کیا گیا ہے اور اس عبارت سے کیا کیا احتمالات پیدا ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان مباحث میں اعتراضات اور جوابات کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، جن کی بنیاد کسی خاص کتاب کی عبارت اور الفاظ پر ہوتی ہے، یعنی: وہی مسئلہ اگر دوسرے لفظوں میں بیان کر دیا جائے تو وہ سلسلہ خود بخود منقطع ہو جائے۔ ان مباحث میں پڑ کر طالب علم کو اصل فن سے بعد ہو جاتا ہے اور تحقیقی مسائل کی بجائے لفظی اعتراضات، احتمال آفرینی توجہات کی عادت ہو جاتی ہے۔آج کل جو یہ شکایت عام ہے کہ موجودہ طریقۂ تعلیم سے فن میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا ہے، اس کی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ فن کی تعلیم ہی نہیں ہوتی، تو اس میں کمال کیوں کر پیدا ہو، البتہ کتابوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ ملاّ نظام الدین کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔ اس طرزِ تعلیم نے ملا کمال، ، بحرالعلوم، حمداللہ جیسے اہل کمال پیدا کیے۔ جب یہ طرزِ تعلیم نہ رہا تو اہل کمال بھی مفقود ہو گئے۔ نصاب

تعلیم کے متعلق جو میرے خیالات ہیں ان کو بدفعات ذیل عرض کرتا ہوں:

ا...... تعلیم میں دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہے:

الف: تحصیل فن

ب: امعان نظر اور قوت مطالعہ۔

نصابِ موجودہ میں دوسرے امر کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور پہلے مقصد کی طرف کم توجہ دی گئی ہے۔اس کا نتیجہ ہے کہ طلبہ میں (بشرطیکہ تحقیق کے ساتھ پڑھا ہو) قوت مطالعہ، دقت نظر، احتمال آفرینی، یہ تمام صفتیں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن کسی فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا۔ جس قدر کتابیں درس میں اس قسم کی ہیں جن سے دقت نظر اور تشحیذ اذہان پیدا ہوتی ہے، لیکن ایسی کتابیں بہت کم ہیں جن میں مسائل فن کا کافی استیعاب ہو۔ نحو میں بڑی سے بڑی کتاب شرح ملا جامی ہے، لیکن اس میں نحو کا ایک مسئلہ بھی کافیہ سے زیادہ نہیں۔ منطق میں دس پندرہ کتابیں ہیں، لیکن سب کی سب دوسرے مقصد کے لیے مفید ہیں، مسائل فن کا استیعاب ایک میں بھی نہیں۔ شرح مطالع ملخص امام رازی جو منطق کے فتاوی ہیں، بالکل متروک اور درس سے خارج ہیں۔

۲...... ایک بڑا نقص یہ ہے کہ منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں ان میں خلطِ مبحث بہت ہے۔ ملاحسن، حمداللہ، قاضی ہیں تو منطق میں، لیکن ان میں جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں

کہ ان میں مصروف ہو کر طالب علم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہو سکتی ہے......! ان مسائل کو مستقل اور بالذات سیکھنا چاہیے اور انہی کتابوں کے ذریعے سے سیکھنا چاہیے جن میں وہ بالاستقلال مذکور ہیں۔ قدماء کے زمانے میں کبھی کوئی ایسی کتاب درس میں نہیں رکھی گئی جس میں مختلف فنون کے مسائل مخلوط ہوں۔

۳......ایک بڑا نقص یہ ہے کہ موجودہ نصاب میں ادب وعربیت کا حصہ بہت کم ہے۔ منطق کی بیسیوں کتابیں درس میں ہیں اور ان میں ایک بھی پڑھنے سے رہ جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ تحصیل کی تکمیل میں کمی ہے، لیکن اگر طالب علم ادب سرے سے نہ پڑھا ہو، عربی زبان میں دو سطریں نہ لکھ سکتا ہو، قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت بھی نہ ثابت کر سکتا ہو، تو عام لوگوں کے نزدیک، طلبہ کے نزدیک، اساتذہ کے نزدیک، اس کے چہرۂ کامل پر کوئی داغ نہیں، حالانکہ یہ امر یقینی ہے کہ ادب وعربیت کے بغیر تفسیر وحدیث کسی میں کمال نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس بناء پر ادب سے بے اعتنائی درحقیقت علوم دینیہ سے بے اعتنائی ہے۔

۴......ایک بہت بڑا اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ موجودہ نصاب میں قرآن مجید کے ساتھ بہت کم اعتناء کی گئی ہے اور تفسیر اور ملحقات تفسیر کی بہت کم کتابیں رکھی گئی ہیں۔ کل دو کتابیں درس میں داخل ہیں: بیضاوی، جلالین۔

بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں۔ جلالین پوری

پڑھائی جاتی ہے، لیکن اس کے اختصار کا یہ حال ہے کہ اس کے الفاظ اور حروف قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کے برابر ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ اس سے بہت زیادہ اعتناء درکار ہے۔ اولاً تو کوئی ایسی کتاب درس میں رکھنی چاہیے جس سے قرآن مجید کے اندازِ بیان اور اس کے اقسام مضامین سے ایک اجمالی اطلاع حاصل ہو، مثلاً یہ کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان جس کی وجہ سے وہ شعراء عرب کے کلام سے بالکل الگ معلوم ہوتا ہے، کیا ہے؟ اس کے اساسی مضامین کیا کیا ہیں؟ کن مضامین کو بار بار فرمایا ہے؟ اور وجۂ تکرار کیا ہے؟ اخلاق، فقہ، عقائد، سیر انبیاء جو قرآن مجید کے مضامین کے ارکان اربعہ ہیں، ان کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، اس کا احاطہ اور اس کی واقفیت، صحت اور خوبی کے دلائل۔

ثانیاً قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت پر نہایت توجہ ہونی چاہیے۔ یہ امر عموماً مسلّم ہے کہ اسلام کا وہ معجزہ جو دائمی اور ابدی ہے، قران مجید ہے۔ یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ نصاب کے تعلیم یافتہ اس اعجاز کو بدلائل ثابت کر سکتے ہیں؟ ان طلبہ کے سامنے اگر عربِ جاہلیت کا کوئی عمدہ شعر اور قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کی جائے تو کیا وہ دونوں کا موازنہ کر کے آیتِ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے وجوہ ترجیح بتا سکتے ہیں؟ فصاحت کے بعد بلاغت کا

مرحلہ ہے اور میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے مدارس کے اکثر تعلیم یافتہ بالکل اس قابل نہیں کہ اس مرحلہ میں قدم رکھ سکیں۔ بے شبہ قرآن مجید بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے، لیکن اگر ہمارے طلبہ اس امر کو صرف تقلیدی طور پر جانتے اور تسلیم کرتے ہیں، تو ان میں اور ایک عام مسلمان میں کیا فرق ہے؟ جب تک قرآن مجید کے وجوہ اعجاز پر توجہ نہ کی جائے، قرآن مجید کے ساتھ اعتناء کرنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ نصاب میں ایسی کوئی کتاب داخل ہے جس سے قرآن مجید کے وجوہ اعجاز معلوم ہوسکیں۔ کیا بیضاوی وجلالین اس مطلب کے لیے کافی ہیں؟ افسوس اور سخت افسوس ہے کہ منطق اور فلسفہ جس سے اسلام کو بہت کم تعلق ہے، اس کے لیے تو صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، میبذی، ملّا حسن، ملّا جلال، میر زاہد، غلام یحییٰ، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، شرح تجرید، یہ تمام دفتر لازمی اور ضروری قرار دیا جائے اور قرآن مجید کے لئے مدار اسلام ہے، جلالین اور بیضاوی کے ڈہائی پارے کافی سمجھے جائیں! واللہ تلک قسمۃ ضیزی۔

۵......ایک اور نقص طریقۂ تعلیم میں یہ ہے کہ قدیم علم کلام جو فلسفۂ یونانی کے مقابلے میں ایجاد اور مدون ہوا تھا، آج تک بغیر کسی اضافہ وترمیم کے درس میں داخل ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جو اعتراضات حال کی تحقیقات سے پیدا

ہوتے ہیں، ان کے لیے وہ علم کلام کیوں کر کافی ہوسکتا ہے جو اس وقت ایجاد ہوا تھا، جب کہ یہ اعتراضات پیدا بھی نہیں ہوئے تھے؟

۶......ایک نقص نصاب تعلیم میں یہ ہے کہ وہ ایک خاص سلسلہ پر محدود ہے۔

قدیم زمانہ میں بہت سے لوگ ایک ایک یا دو فن کی تحصیل کرتے تھے اور تحصیل کا تمام زمانہ اس خاص فن میں صرف کر دیتے تھے۔ فراء، کسائی، سیبویہ، خلیل، امام بخاری، مسلم، طحاوی، بزدوی، اور بہت سے اہل کمال اسی طرز کے تعلیم یافتہ ہیں اور در حقیقت یہ طرز ایک خاص فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے نہایت مفید تھا۔ آج یہ طریقہ بالکل متروک ہے اور اہل کمال کے نہ پیدا ہونے کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔

ان وجوہ مذکورہ بالا کی بناء پر میں اس تجویز کی جس کو جناب مولوی شاہ محمد حسین صاحب نے پیش کیا، تائید کرتا ہوں اور باصرار کہتا ہوں کہ موجودہ نصاب تعلیم ناقص ہے اور اس میں ضرور اصلاح اور اضافہ ہونا چاہیے" (۱)۔

علامہ شبلی نعمانی دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

"دوسری قسم کی تعلیم دینی تھی۔ یہی تعلیم تھی جو مذہبی تعلیم کی محافظ تھی، اس تعلیم سے وہ علماء وفضلاء پیدا ہوئے تھے جن کی بدولت تمام ملک پر مذہبی اثر قائم رہتا تھا۔ جمعہ وجماعات کی امامت، مساجد کا انتظام، مسائل شرعیہ کا افتاء،

(۱) علامہ شبلی نعمانی: خطبات نعمانی، اعظم گڑھ، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء (قدیم عربی نصاب کے نقائص)، ص ۱۶ تا ۲۷، ماخوذ

حرام وحلال کا نفاذ اس فقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا وجود اس قدر ضروری ہے کہ اگر خدانخواستہ یہ فرقہ معدوم ہو جائے تو اسلام کے آثار دفعتاً مٹ جائیں اور ہزاروں لاکھوں سکول وکالج سے ان کی تلافی نہ ہو سکے، لیکن جس طرح ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں ضرورت کے موافق مذہبی تعلیم کا نصاب بدلتا آیا ہے، آج بھی ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم موجودہ زمانے کی ضرورتوں کے موافق بدلا جائے اور یہی چیز ہے کہ جس کے نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں سینکڑوں ہزاروں عربی مدرسے موجود ہیں، لیکن ان سے قوم کی مذہبی ضرورتیں بالکل رفع نہیں ہوتیں۔ قوم کو آج کیا کیا مذہبی ضرورتیں ہے، ان کی تفصیل اجمالاً یہ ہے:

۱......موجودہ فلسفہ سے مذہبِ اسلام پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا جواب دینا۔

۲......مخالفین، اسلام پر جو اعتراضات کرتے ہیں، ان سے واقف ہونا۔

۳......رسول اللہ ﷺ اور عام اسلام کی صحیح اور مفصل تاریخ جاننا۔

۴......اسلامی علوم وفنون، یعنی: تفسیر، حدیث، اصول فقہ، ادب میں ماہر ہونا۔

۵......نئے مذاق کے موافق، واعظین اور مقررین کا موجود ہونا۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ عربی مدارس سے یہ ضرورتیں رفع ہو سکتیں ہیں؟

ہم خدانخواستہ یہ نہیں کہتے کہ موجودہ مدارس بے فائدہ ہیں۔ آج ملک میں نماز روزے کا جو چرچہ ہے انہی کی بدولت ہے، لیکن گفتگو یہ ہے کہ کیا یہ مدارس جدید ضرورتوں کے لیے بھی کافی ہیں؟ ان مدارس میں اب تک وہی قدیم نصاب ہے جو سو برس پہلے تیار ہوا تھا اور اس پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ تاریخ اسلام کی ایک کتاب بھی درس میں داخل نہیں۔ تمام ہندوستان میں ایک شخص نہیں جو کسی خاص علم یا فن میں کمال کا درجہ رکھتا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں علما میں سے دو چار شخص بھی مشکل مل سکتے ہیں، جو موجودہ انداز میں تحریر یا تقریر کر سکتے ہوں۔

......ندوہ نے قدیم نصاب میں اصلاح کی۔ فلسفہ ومنطق کی کتابوں کی تعداد گھٹا کر بجائے اس کے تفسیر اور ادب میں اضافہ کیا۔ علوم جدیدہ کی بعض کتابیں درس میں داخل کیں۔ حساب وجغرافیہ کے ساتھ انگریزی زبان لازمی قرار دی۔ تقریر وتحریر کی مشق کے طریقے جاری کیے، چنانچہ اس سال جن طلبہ نے فارغ تحصیل کی سند حاصل کی، وہ اس بات کے عملی ثبوت ہیں کہ ندوہ کی تعلیم کی کیا خصوصیات ہیں''(۱)۔

علاّمہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہمارے یہ مدرسے اس زمانہ میں جب اسلام کی سلطنت تھی، دونوں علوم کے لیے کافی تھے۔ علماء ہی ان علوم کو پڑھ کر بڑے بڑے عہدوں پر پہنچتے

(۱) علامہ شبلی نعمانی: خطبات نعمانی، اعظم گڑھ، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء (قدیم وجدید تعلیم)، ص ۶۰، ۶۱، ۶۳، ۶۴۔

تھے یا تجارت کی دکانوں پر بیٹھتے تھے اور دوسرے ذرائع معاش پیدا کرتے تھے، ساتھ ہی علوم دین کے سرچشمے سے بھی سیراب ہوتے تھے۔

مگر اب جب سے زمانے کا رنگ بدل گیا ہے، ہمارے یہ مدرسے زیادہ تر علوم معاد کی تعلیم کے لیے مختص ہوگئے ہیں اور علوم معاش کے لیے سرکاری انگریزی مدرسے کھولے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان معاشی مدرسوں کے طالب علم معاد کے علوم سے بے بہرہ رہتے ہیں اور عربی مدرسوں کے فارغ معاش کی طرف سے پریشان رہتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ عربی تعلیم شریف اور اونچے خاندانوں سے رخصت ہورہی ہے اور اب ہمارے عربی مدرسے صرف غریبوں سے آباد ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے اہل فکر اس کے تدارک کا سامان کریں اور اس کی صورت یہی ہے کہ معاشی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کا اور مذہبی مدرسوں میں ایسی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے جو رزق کی راہ بھی کھولے۔

ہمارے علوم معاد تو درحقیقت تفسیر وحدیث وفقہ وکلام ہیں اور ان کے لیے بطور آلہ کے صرف ونحو وادب ہیں۔ ان کے علاوہ یونانی عقلیات کا بڑا دفتر ہے۔ ضرورت ہے کہ علوم آلیہ، یعنی: صرف ونحو کی تعلیم میں سہولت کی راہ اختیار کی جائے اور سخت ومشکل وپیچیدہ کتابوں کی جگہ آسان سہل اور واضح کتابیں رکھی جائیں اور علوم عقلیہ کے متعلق اب ہمارے علماء کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ علوم ہمارے اسلاف نے صرف اس لیے اختیار کیے تھے کہ ان کے ذریعے سے ابنائے

زمانہ کے شکوک وشبہات دور کیے جائیں۔ اب نہ وہ لوگ رہے ہیں، نہ ان کے وہ شکوک رہے ہیں۔ اب ان شکوک وشبہات کے دروازے دوسرے علوم ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہمارے علماء ان نئے علوم سے واقف ہوں اور ان کے ذریعے سے اس زمانے کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں۔

ہمارے زمانے میں ہمارے مدارس میں دوسری سب سے بڑی کمی یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی مجالس تعلیم اگر " یعلمهم " اور " یزکیهم " یعنی: تزکیہ کا نور ہماری درسگاہوں سے ٹلتا جارہا ہے۔ اب نبوی طریق مدرسہ اور خانقاہ میں بٹ گیا ہے۔ مدرسے تزکیہ کے نور سے اور خانقاہیں تعلیم کی روشنی سے خالی ہیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی خصوصیتوں کو پھر ایک چہار دیواری میں جمع کیا جائے۔ اس کے بغیر یہ عربی مدرسے مذہبی مدارس نہیں کہے جاسکتے اور نہ ان کے فارغین کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہدایت کا کام پورا ہوسکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں بھی اس پہلو پر زور دیا جائے اور تربیت میں اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور ایسے مدرسین کا انتخاب کیا جائے جو علم وعمل دونوں کے جامع ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اہل دل کی صحبتوں اور کتابوں کے مطالعے کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا جائے"(۱)۔

مولانا محمد اسحاق سندیلوی لکھتے ہیں کہ

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی: الجهد والجهاد لعلمي المعاش والمعاد، معارف اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۴۵ء، ص۱۵۲۔

''دوسرا اصلاحی قدم نصاب تعلیم کے سلسلے میں اٹھنا چاہیے۔ ہمارے اکثر مدارس میں جو نصاب تعلیم ''درس نظامی'' کے نام سے رائج ہے، وہ موجودہ ماحول سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت نصاب تعلیم کسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر وضع ہی نہیں کیا گیا تھا، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف حضرات اساتذہ نے کسی وقتی مصلحت پر جن کتابوں کا درس شروع کرادیا، انہیں کا مجموعہ رواج پذیر ہوکر ''درس نظامی'' کے نام سے موسوم ہوگیا۔ گویا اس کا وجود ایک اتفاقی شئے ہے، نہ ارادی اور وضعی، اس لیے اس میں مقصدیت کا عنصر بہت کم ہے۔ تاہم اب سے صدی دوصدی پیشتر کا ماحول اس کے لیے کسی درجے میں سازگار تھا، اس لیے اس کی افادیت بھی نسبتاً زائد تھی۔ موجودہ فضاء اس کے لیے بالکل ناسازگار ہوچکی ہے، جس کی وجہ سے اس کی افادیت بھی بہت کم رہ گئی ہے، یعنی: مدارس میں اس نصاب کو بدلا بھی گیا ہے، لیکن یہ تبدیلی بھی نظر ثانی کی طالب ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل مستقل مضمون کی محتاج ہے، لہذا صرف اس بات پر اکتفاء کرتا ہوں کہ درس وتدریس کا تجربہ رکھنے والے علماء اصول تعلیم کی روشنی میں دور موجودہ کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر غور فرمائیں''(۱)۔

(۱) مولانا محمد اسحاق سندیلوی: دارالعلوم (ماہنامہ) دیوبند، مئی ۱۹۶۳ء، ایک فتنہ عظیم کے آثار، ص۳۔

اصلاح نصاب کی مساعی پر ایک نظر کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ ''مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کے اضافے کا خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ گزشتہ صدی میں اقوام مغرب کے پرچم اقتدار کے زیر سایہ جب علوم جدیدہ کو ہندوستان ومصر میں فروغ ہوا، تو دونوں جگہ پر مسئلہ ثاقب النظر علماء کے زیر غور آیا۔ مصر میں شیخ محمد عبدہ نے قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ وہاں چونکہ جامع ازہر علمی ودینی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے شیخ نے ۱۸۹۲ء میں عباس پاشا کے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اپنے اثر سے کام لے کر جامع ازہر کے لیے ایک اصلاحی کمیٹی مقرر کرائی۔ اس کمیٹی نے اصلاح نصاب کی طرف خصوصی توجہ کی اور ایک ایسا نصاب مرتب کیا جس میں قدیم دینی علوم کے ساتھ جدید عصری فنون بھی شامل کیے گئے تھے، مگر افسوس ہے کہ بعض شیوخ ازہر نے اس تحریکِ اصلاح نصاب کی شدید مخالفت کی اور انہوں نے خدیو مصر کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ آخر شیخ محمد عبدہ نے مایوس ہوکر ازہر کی انتظامی کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور اس وقت یہ تحریک دب گئی۔

بعد میں ان کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا مدیر ''المنار'' نے مدرسہ ''الدعوۃ والارشاد'' کے نام سے ایک علیحدہ دارالعلوم جاری کیا، جس میں جدید دینی نصاب جاری کیا۔ اس کا مقصد ایسے مبلغین اسلام تیار کرنا تھا جو مغربی ملکوں میں کامیابی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے سکیں، مگر جنگ

عظیم اول کے آغاز میں یہ اسکول بھی بند ہو گیا۔ اب جامع ازہر میں جدید علوم کو داخل نصاب کر لیا گیا، بلکہ اس جدید اضافہ میں حد ضرورت و اعتدال سے متجاوز ہو گئے ہیں۔ ہندوستان میں مصر سے بھی نصف صدی قبل جن علمائے کرام نے علوم جدیدہ کی ضرورت کو محسوس کیا، ان میں سرفہرست نام استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی کا ہے۔ آپ اس دہلی کالج کے شعبۂ مشرقیات کے صدر تھے، جس میں علوم قدیم و جدید کی پہلو بہ پہلو تعلیم دی جاتی تھی۔ اپنے ذاتی شغف کی بناء پر خود آپ نے بھی کئی علوم جدیدہ میں مہارت حاصل کی تھی۔

(فرائد الدہر، مؤلفہ: مولوی عبدالکریم دہلوی)

مولانائے محترم کے گلشن فضل و کمال کے خوشہ چین اگر ایک طرف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ہیں، تو دوسری طرف جناب سرسید احمد خان بانی علی گڑھ کالج، ڈپٹی نذیر احمد مترجم قرآن، مولوی ذکاء اللہ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی بھی ہیں۔ غالباً حضرت مولانا کے فیض صحبت ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نے اپنے آخری زمانے میں سفر حج کے دوران انگریزی سیکھنے کا ارادہ فرما لیا تھا اور حضرت گنگوہی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اس منطق و فلسفہ سے جو ہمارے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، تو انگریزی ہی بہتر ہے۔ (سوانح قاسمی)

اس کے بعد مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے علوم جدیدہ کی ضرورت کی طرف علماء ہند کو توجہ دلائی اور خود مولانا شبلی نعمانی کو ساتھ ملا کر ندوہ میں اس کام کا آغاز کیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بھی یہی کوشش کی گئی اور اس کا مقصد تاسیسی یہ قرار دیا گیا کہ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے چمن کے نونہال، بارآور، سایہ دار درخت بنیں۔ یوں پھلیں پھولیں کہ ان کے فیض سے ان کا سارا ماحول مستفید ہو اور ہر جگہ سے حکمت کو لیں کہ ان کا کھویا ہوا مال ہے اور ہر طرف اپنی تحقیق اور اپنی اچھی زندگی کے موتی بکھیریں کہ یہ دولت لٹانے ہی سے بڑھتی ہے۔

مگر جامعہ ملیہ چونکہ اصلاً دینی درسگاہ نہ تھی، بلکہ علوم جدیدہ کی ایک تعلیم گاہ تھی، یعنی: آسمان علی گڑھ کا ٹوٹا ہوا ستارہ، اس لیے صحیح بات یہ ہو گی کہ یہاں علوم جدیدہ کے دسترخوان پر علوم دینیہ کا نقل مہیا کیا گیا۔

ندوۃ العلماء کا تجربہ اس حیثیت سے تو کامیاب رہا کہ اس کے فضلاء کے ایک گروہ نے تصنیف و تالیف و ترجمہ و صحافت کے میدان میں بے مثل خدمات انجام دیں اور مغربی علوم سے متاثر مسلمانوں کو دینی ذوق سے بہرہ ور کیا، مگر عام طور پر یہ علمائے کرام درس و تدریس، افتاء اور تبلیغ و ارشاد کے دائرہ سے خارج ہو گئے اور عام مسلمانوں سے ان کا کوئی گہرا رابطہ قائم نہ رہ سکا، مگر الحمدللہ اب ندوۃ مولانا ابوالحسن علی میاں کی رہنمائی میں اپنے دور جدید میں اس

کمی کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور اپنی ڈگر پر قائم رہے۔ اس میں شک نہیں کہ علوم جدیدہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے وہ جدید تعلیم یافتہ گروہ کے دماغوں کے کانٹے نہ نکال سکے، مگر اپنے تقدس واخلاص کے اثر سے وہ ان کے دلوں پر اپنی عظمت کا نقش قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمہم اللہ تعالیٰ نے انگریزی سے ناواقفیت ہوتے ہوئے اور علوم جدیدہ سے نا آشنا ہوتے ہوئے بھی ہزاروں صف اول کے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں کی دنیا بدل دی۔

بہرحال بنیادی بات یہ ہے کہ اصل مقصد خدمت ملت واشاعت دین ہاتھ سے نہ جائے، اس مقصد کے تحفظ کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد اس کی قوت میں اضافہ کے لیے اگر مدارس عربیہ کے نصاب میں ترمیم واضافہ کیا جائے، تو یہ ایک مبارک اقدام ہوگا۔

دار العلوم دیوبند کا ایک مبارک اقدام

آپ کو یہ معلوم ہو کر مسرت ہوگی کہ گزشتہ سال دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے بھی اطراف وجوانب پر پوری طرح نظر رکھتے ہوئے اصلاح نصاب کے مسئلے پر غور کیا اور رجب ۱۳۸۲ھ کی میٹنگ میں ایک تجویز منظور کی

جس کا ایک جزء یہ ہے:

''مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور اور بحث وتمحیص کے بعد مجلس فیصلہ کرتی ہے کہ دار العلوم کے دینی اور تعلیمی مقاصد کو بہتر طریقے پر بروئے کار لانے کے لیے اور اپنے فضلاء کو ان مضامین سے واقف کرنے کے لیے جن کی واقفیت اس زمانہ میں دینی خدمت کرنے والوں کے لیے بھی ضروری ہوگئی ہے، تاریخ، جغرافیہ، معلومات عامہ اور نظری وعملی حد تک مبادئ طبعیات، ان چار مضامین کا نصاب میں اضافہ کیا جائے اور ان کو داخل امتحان کر کے مؤثر حیثیت دے دی جائے۔ اس کے علاوہ دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق عربی زبان وادب کی تعلیم کی توسیع وترقی کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس پورے کام کی تفصیلات طے کرنے کے لیے مجلس مندرجہ ذیل حضرات کی کمیٹی بناتی ہے:

حضرت صدر مدرس صاحب، حضرت مہتمم صاحب، شیخ الحدیث صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب، قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی، مولانا سید منت اللہ صاحب مونگیری، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔

اس کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کے مجوزہ انہی اصول کی روشنی میں مجوزہ مضامین کے لیے درسی کتابوں کا انتخاب کر کے مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس

منعقدہ ۳ دسمبر ۱۹۶۲ء میں اپنی رپورٹ پیش کی، جو قدرے ترمیم کے ساتھ باتفاق رائے منظور ہوئی۔ امید ہے کہ جدید تعلیمی سال ہی سے اس تجویز پر عمل کا آغاز ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ مطالعہ قرآن کے سلسلہ میں طلبہ میں درک وبصیرت پیدا کرنے کے لیے ایک نیا درجہ تخصص بھی قائم کیا گیا ہے۔ اس درجے کے طلبہ کے لیے دارالعلوم کی امداد طعام وقیام کے علاوہ پچاس روپے ماہوار کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا ہے''۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں تک قدیم نصاب میں ترمیم واضافہ کا تعلق ہے، وہ اب کوئی متنازعہ مسئلہ نہیں رہا، بلکہ اس قسم کے اضافے دارالعلوم دیوبند میں بھی جو قدیم روایات کو ہمیشہ اپنے لیے مایۂ ناز افتخار سمجھتا رہا ہے، پہلے بھی کم تعداد میں ہوئے ہیں اور اب قدرے وسعت کے ساتھ ان کو قبول کرلیا گیا ہے۔

یقین ہے کہ دارالعلوم کے بعد ہندوستان کے سینکڑوں مدارس عربیہ میں جو باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر اس سے ملحق ہیں، اضافہ شدہ علوم جدیدہ کی تعلیم شروع ہو جائے گی اور عربی مدارس کے نصاب کی ایک بڑی کمی پوری ہو جائے گی، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دارالعلوم میں قدیم نصاب کے روح وجسم دونوں کو باقی رکھ کر علوم جدیدہ کے غازہ سے اس کے حق میں

سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قدیم جدید دونوں کا مرکب تیار نہیں کیا گیا''(۱)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ''دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں عصری علوم کا اضافہ''

دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں عصری علوم کے اضافے کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ اس سلسلہ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی مقرر کردہ سب کمیٹی نے تاریخ، جغرافیہ، مبادیات، سائنس، معلومات عامہ اور عربی زبان وادب وغیرہ کا اضافہ منظور کیا ہے۔

امید ہے کہ شوال سے شروع ہونے والے تعلیمی سال میں یہ نصاب شروع ہو جائے گا۔ اضافہ نصاب کی تفصیلات آئندہ کسی موقعہ پر پیش کی جائیں گی''(۲)۔

مولانا حکیم سید عبدالحئی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ

---

(۱) مولانا قاضی زین العابدین: عربی مدارس کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت، دارالعلوم (ماہنامہ) دیوبند، اپریل ۱۹۶۵ء، ص ۱۷ تا ۲۰۔

(۲) سید محمد ازہر شاہ قیصر: دارالعلوم کے نصاب میں عصری علوم کا اضافہ۔ ''دارالعلوم'' دیوبند اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص ۲، اداریہ۔

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے نصاب درس کے چار دور قائم کریں اور جو کتابیں ہر دور میں مروج تھیں، ان کی تفصیل جہاں تک تاریخ سے، سیر سے، مشائخ کے طبقات سے، شعراء کے تذکروں سے اور مکتوبات وملفوظات سے مل سکتا ہے، یکجا کر دیں، دیکھنے کو تو ایک ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابوں کے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہیں:

دور اول:

اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہیے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا۔ کم وبیش دو سو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی۔ صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث۔

علم نحو میں مصباح، کافیہ، لب الالباب، مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی اور کچھ دنوں بعد ''ارشاد'' مصنفہ شہاب الدین دولت آبادی۔

فقہ میں ہدایہ۔

اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح اور اصول بزدوی۔

تفسیر میں مدارک (۱)، بیضاوی اور کشاف۔

(۱) تفسیر کا صحیح نام ''مدارک'' ہے، جب کہ اصل عبارت میں مدراک لکھا گیا ہے۔

تصوف میں عوارف، فصوص الحکم اور ایک زمانے کے بعد نقد النصوص، ولمعات بھی ان مدارس میں رائج ہو گئی تھیں جو خانقاہوں سے متعلق تھے۔

حدیث میں مشارق الانوار، مصابیح السنۃ (یعنی: مشکاۃ المصابیح کا متن) ادب میں مقامات حریری زبانی یاد کی جاتی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شمس الملک استاذ شمس الدین خوارزمی سے مقامات حریری پڑھی تھی اور چالیس مقامے زبانی یاد تھے۔

منطق میں شرح شمسیہ، فن کلام میں شرح صحائف اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابوشکور سالمی۔ اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے زمانے میں منطق وفلسفہ معیار فضیلت ہے، ویسا ہی اس زمانے میں فقہ اور اصول فقہ معیار فضیلت تھا۔ حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آ جاتی تھی، وہ ''امام الدنیا فی الحدیث'' کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا۔

اصل یہ ہے کہ اس زمانے کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں، وہ فاتحین ہند کے مؤثر مذاق کا نتیجہ تھیں۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا تخت جس قوم نے بچھایا وہ غزنی اور غور سے آئی۔ یہ وہ بلاد ہیں جہاں فقہ واصول فقہ کا ماہر ہونا علم وفن کا طغرائے امتیاز تھا، یہی سبب ہے کہ فقہی راوایات کا پایہ بلند تھا، علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا

ہے کہ غیاث الدین تغلق کے دربار حکومت میں مسئلہ سماع کی نسبت مناظرہ پیش آیا۔ ایک طرف شیخ نظام الدین اولیاء اور دوسری طرف تمام علماء دہلی تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث استدلالاً پیش کرتا تھا تو وہ لوگ بڑی جراءت سے کہتے تھے کہ اس شہر میں حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہیں(۱)۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک ہے اور وہ ہمارے علماء کا دشمن ہے، ہم ایسی حدیثیں نہیں سننا چاہتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جس شہر کے علماء میں اس درجہ مکابرہ و عناد ہو، وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے، وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل تباہ وویران ہو جاوے۔

ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مولانا شمس الدین ترک ایک مصری محدّث ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج کے ارادہ سے ملتان آ کر واپس چلے گئے، مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھ کر بھیج دیا، جس میں اس پر بہت کچھ غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان میں حدیث کی طرف سے علماء میں بہت بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا ساز مولویوں نے اس رسالہ کو بادشاہ تک بھی نہ پہنچنے دیا۔

دور دوم:

نویں صدی کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے۔

(۱) کسی قدر اختلاف کے ساتھ فرشتہ نے بھی تذکرہ نظام الدین اولیاء میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔

اول الذکر دہلی اور ثانی الذکر سنبھل میں فروکش ہوئے۔ یہ سکندر لودہی کا عہد حکومت تھا اس نے ان دونوں بزرگوں کا بڑے تزک واحتشام سے خیر مقدم کیا۔ کچھ ان دونوں کے فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدر شناسی سے بہت جلد ان کی علمی عظمت ہندوستان میں ہر چار طرف قائم ہو گئی۔ انہوں نے سابق معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کر دیا۔ قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم داخل نصاب کیں اور بہت جلد یہ کتابیں مقبول عام ہو گئیں۔

اس دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور علاّمہ تفتازانی کے شاگردوں نے مطول اور مختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔ اس زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح جامی بھی داخل نصاب ہو گئیں۔

اس دور کے سب سے آخر اور سب سے نامور عالم شیخ عبدالحق محدّث دہلوی ہیں، جو ہندوستان سے عرب گئے اور وہاں تین برس رہ کر علمائے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تحصیل وتکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کے لیے لائے۔ انہوں نے اور ان کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی، مگر افسوس ہے کہ کامیابی نہ ہوئی، کیونکہ یہ شرف ایک دوسرے بزرگ کے لیے خدا نے مخصوص کر رکھا تھا۔

یہاں پر دور دوم کے داخل نصاب کتابوں کی نام بنام فہرست دینا محض طوالت ہے، کیونکہ دور اول کی جن کتابوں کی فہرست دی جا چکی ہے، مذکورہ بالا

کتابیں، یعنی: مطالع ومواقف اور ان کی شرحیں مطول، مختصر، تلویح وشرح عقائد نسفی، شرح وقایہ، شرح جامی اس فہرست پر اضافہ کر لینے سے دور دوم کا نصاب بآسانی مرتب ہو جاتا ہے۔

اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے زمانے میں صدرا اور شمس بازغہ انتہائی کتابی سمجھیں جاتی ہیں، اس طرح اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی، قاضی عضد کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابیں تھیں۔ بدایونی نے جا بجا اس طرف اشارہ کیا۔ مفتی جمال الدین خان کے حالات میں لکھا ہے:

''بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ وعضدی را کہ کتاب منتہیانہ ہست می گویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ''۔

شیخ حاتم کے حالات میں لکھا ہے:

''من گفتند کہ قریب بہ چہل مرتبہ شرح مفتاح ومطول را از باء بسم اللہ، تا تاء تمت درس گفتہ وبریں قیاس سائر کتب منتہانیہ''۔

دور سوم

دور دوم میں جو تغیر نصاب درس میں ہوا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئیں تھیں اور وہ معیار فضیلت کو پہلے سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی تھے۔
شاہ فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے، ادہر دربار اکبری نے ان کو ''عضد الدولہ'' کا

خطاب دے کر بلند پایا بنا دیا۔ انہوں نے سابق نصاب درس میں کچھ جدید اضافے کیے، جس کو علما نے فوراً قبول کیا اور اب مدارس میں نئی قسم کی چھل پہل نظر آنے لگی۔

''مآثر الکرام'' میں میر غلام علی آزاد نے مندرجہ ذیل عبارت میں اس کا اعتراف کیا ہے:

'تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی ومیر صدر الدین ومیر غیاث الدین منصور ومرزا جان میر، بہ ہندوستان آوردو در حلقہ درس انداخت وجم غفیر از حاشیۂ عقل استفادہ کردند واز اں عہد معقولات را رواجی دیگر پیدا شد''۔

شاہ ولی اللہ صاحب المتوفی ۱۱۷۴ھ نے جو اس دور کے سب سے اخیر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے ''الجز اللطیف'' میں اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے۔

نحو میں کافیہ، شرح جامی۔ منطق میں شرح شمسیہ، شرح مطالع۔ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، کلام میں شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی، شرح مواقف۔ فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)۔ اصول فقہ میں حسامی اور کسی قدر توضیح وتلویح، بلاغت میں مختصر ومطول، ہیئات وحساب میں بعض رسائل مختصرہ، طب میں موجز القانون، حدیث میں مشکوۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری۔ تفسیر میں مدارک، بیضاوی۔

تصوف وسلوک میں عوارف ورسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی،

مقدمہ شرح لمحات، مقدمہ نقذ النصوص۔

اس قدر پڑھنے کے بعد شاہ صاحب عرب تشریف لے گئے اور وہاں کئی برس رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، جس کی ہندوستان آ کر ایسی سرگرمی سے اشاعت کی کہ باوجود کساد بازاری، اب تک اس کا اثر باقی ہے۔ ہندوستان میں صحاح ستہّ کے درس و تدریس کا رواج اسی وقت سے ہوا ہے، جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو اپنی محنتوں سے رواج دیا اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کی اشاعت پر صرف کر دیا۔ شاہ صاحب نے ایک نیا نصاب ِ درس بھی مرتب کیا تھا، مگر چونکہ اس زمانے میں علم کا مرکزِ ثقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا اور تمام درسگاہوں میں منطق اور حکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کام و زبان آشنا ہو رہے تھے، اس لیے اس کو مقبول عام ہونا نصیب نہ ہوا۔

دور چہارم

چوتھا دور بارہویں صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اس کے بانی ملاّ نظام الدین تھے، جنھوں نے اس کی بنیاد ایسے زبردست ہاتھوں سے رکھی کہ باوجود امتدادِ زمانہ آج تک اس میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی۔

ملاّ صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے ہم عصر تھے۔ اس دور میں جو کتابیں تھیں، ان کی تفصیل گزر چکی۔ ملاّ نظام الدین نے اس پر بہت اضافہ کیا اور بعد اضافہ اس نصاب کی مکمل صورت یہ ہوئی:

صرف میں میزان منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ۔

نحو میں نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

منطق میں صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر، سلّم العلوم۔

حکمت میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ۔

ریاضی میں خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک رسالہ قوشجیہ، شرح چمغنی باب اوّل۔

بلاغت میں مختصر المعانی، مطول تاما انا قلت۔

فقہ میں شرح وقایہ اولین، ہدایہ آخرین۔

اصول فقہ میں نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (مساوی کلامیہ)،

کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف۔

تفسیر میں جلالین، بیضاوی۔

حدیث میں مشکوۃ المصابیح۔

اس نصاب کی بڑی خصوصیات یہ ہے کہ طالب علموں میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو، تو گو اس کو معاً بعد ختمِ تعلیم کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہو جاتا، لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ محض محنت سے جس

فن میں چاہے، اچھی طرح کمال پیدا کرے۔ تحقیق کی قید اس لیے لگائی گئی کہ موجودہ طرز تعلیم بالکل ناقص ہے۔ ملاّ نظام الدین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب کو محض ذریعۂ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔ اس طرزِ تعلیم کا نتیجہ ملا کمال الدین، بحرالعلوم اور حمد اللہ جیسے جید علماء تھے۔

دور پنجم

یہ دور اسلامی تعلیم گاہوں کا اصلی دور ہے۔ اس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی علمی و تعلیمی مجلسیں بھی غیر منتظم و پراگندہ ہو رہی تھیں۔ اس دور میں جو نصاب تعلیم متعین ہوا وہ دراصل پچھلے درس نظامی کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور وہی آج تک عام اسلامی تعلیم گاہوں میں رائج و شائع ہے۔ اس نصاب میں حسب ذیل فنون اور کتابیں شامل ہیں۔

صرف: میزان منشعب، پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی، صرف میر۔ گزشتہ نصف صدی سے علم الصیغہ، فصول اکبری، شافیہ۔

نحو: نحو میر، مائۃ عامل، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

بلاغت: مختصر المعانی کامل، مطول تا ما انا قلت۔

ادب: نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، دیوانِ متنبّی، مقامات حریری، حماسہ۔

فقہ: شرح وقایہ اولین، ہدایہ آخرین (۱)۔

(۱) شرح وقایہ سے ابتداء نہیں ہوتی، بلکہ خلاصۂ کیدانی، منیۃ المصلی، قدوری، کنز الدقائق پہلے پڑھائی جاتی ہیں۔

اصول فقہ: نور الانوار، توضیح تلویح، مسلّم الثبوت (آخر الذکر کتاب اصول فقہ میں ہے، لیکن حصہ زیر درس درحقیقت علم کلام کا ٹکڑا ہے، اس لیے اس کو علم کلام میں داخل سمجھنا چاہیے۔

منطق: صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملاّ حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحییٰ بر میر زاہد، ملاّ جلال اور کہیں کہیں بحرالعلوم شرح سلّم، حاشیہ عبدالعلی بر میر زاہد رسالہ اور شرح سلّم ملاّ مبین بھی داخل نصاب ہے۔

حکمت: میبذی، صدرا، شمس بازغہ۔

کلام: شرح عقائد نسفی، خیالی، میر زاہد، امور عامہ۔

ریاضی: تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ، خلاصۃ الحساب، تصریح شرح تشریح شرح چغمنی۔

فرائض: شریفیہ (۱)۔

مناظرہ: رشیدیہ۔

تفسیر: جلالین، بیضاوی، تا سورۂ بقرۃ۔

اصول حدیث: شرح نخبۃ الفکر۔

(۱) پہلے ''سراجی'' پڑھائی جاتی ہے اور پھر شریفیہ۔

حدیث: بخاری، مسلم، مؤطا، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ(۱)۔

یہ یادرکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب میں جتنی کتابیں داخل ہیں وہ علی العموم ہر درسگاہ میں پڑھائی جاتی ہیں، بخلاف اس کے ادب وحدیث کی جو کتابیں مندرج ہیں، وہ ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتیں۔ جس کو ادب پڑھنے کا شوق ہوتا ہے، وہ کتب درسیہ کے علاوہ خارج اوقات میں ادب کی مذکورہ نصاب کتابوں کو بھی پڑھتا ہے، بشرطیکہ اس کو کوئی معلم ادب مل جائے، جو عموماً مدارس میں ناپید ہوتے ہیں۔ حدیث کے لیے کتب درسیہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہاں حدیث کے پڑھانے والے مل سکیں۔

اس بناء پر میرے خیال میں اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربیہ میں رائج ہے، عملاً حدیث وادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے۔

اس آخری نصاب ودرس کے نقائص

۱: منطق کی کتابیں ضرورت سے زیادہ ہو گئیں، شروع سے لیجئے تو پندرہ کتابیں اس ایک فن کی ہیں۔

---

(۱) حدیث کی کتابوں میں مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، شمائل ترمذی اور طحاوی بھی بعض مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

۲: منطق کی جو کتابیں داخل درس ہیں، ان میں بہت خلطِ مبحث ہے۔ ملاّ حسین، حمد اللہ، قاضی وغیرہ فن منطق میں ہیں، لیکن ان میں منطق کے مسائل سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں۔

۳: منطق کی پندرہ کتابیں اس نصاب میں ہیں، لیکن فن تفسیر جیسے ضروری فن کی صرف دو کتابیں لی گئیں: بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے زیر درس ہیں، جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے، لیکن اس کے اختصار کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید اور اس کے الفاظ وحروف عدداً برابر ہیں۔

۴: حدیث وتفسیر کو ادب وعربیت سے مدد پہنچتی ہے، لیکن اس کا حصہ بہت کم ہے۔ بلاغت میں صرف دو کتابیں داخل نصاب ہیں: مختصر ومطول۔ اس آخری کتاب کا صرف ایک ربع حصہ پڑھایا جاتا ہے، ادب کا حال اوپر لکھ چکا ہوں۔

۵: اس نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن وغیرہ ضروری علوم و فنون بالکل نہیں ہیں۔

ترتیب کتب وطریقۂ تعلیم

متداول تاریخوں میں طریقۂ تعلیم کی نسبت کچھ تفصیل نہ مل سکی، البتہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے رسالہ ''وصیت نامہ فارسی'' میں طریقۂ تعلیم کی نسبت ایک تحریر ملی، جو ان کا ذاتی تجربہ ہے، وہ اس طریقہ کو بہت نافع فرماتے ہیں۔ چونکہ ایک بلند پایا انسان کا بیان ہے، اس لیے اس کو یہاں بجنسہ نقل کر

دینا مناسب سمجھتا ہوں، تحریر فرماتے ہیں:

’’طریق تعلیم علم چنانچہ بہ تجربہ محقق شدآں است کہ نخست رسائل مختصرہ صرف ونحو درس گویند سہ سہ نسخہ از ہر یکے یا چہار چہار بقدر ذہن طالب۔ بعد ازاں کتابے از تاریخ یا حکمت عملی کہ بزبان عربی باشد آموزند۔ ودراں میاں برطریق تتبع کتب لغت وبرآوردن مشکل از جائے آں مطلع سازند۔ چوں قدرت بزبان عربی یافت مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصودی بخوانانند وہرگز آں را معطل نگزرانند کہ اصل علم حدیث است، وخواندن آن فیضہا دارد، مارا سماع جمیع آں مسلسل است۔ بعد از قرآن کریم درس گویند۔ بآں صفت کہ صرف قرآن خواند بغیر تفسیر وترجمہ گوید، وآنچہ مشکل باشد درنحو یا درشاں نزول متوقف شود وبحث نماید، بعد فراغ از درس، تفسیر جلالین رابقدر درس بخواند دریں طریق فیضہا است۔ بعد ازاں دریک وقت کتب حدیث بخواند مانند صحیحین وغیر آنہاں وکتب فقہیہ وعقائد وسلوک۔ دریک وقت کتب دانش مندی مثل شرح ملاّ جامی وقطبی وغیرآں الی ماشاءاللہ واگر میسر آید کہ مشکوۃ رایک روز بخواند وروز دیگر شرح طیبی آنچہ روز اول خواندہ است بخواند خیلے نافع است‘‘۔

تقسیم جماعات یامدارج امتیازی

جہاں تک تاریخ کی روشنی میں ہم گزشتہ مدارس پرنظر ڈال سکے۔ عام طور پر یہ نظر آیا کہ قدیم زمانہ میں درجہ وار تقسیم کا جو طریقہ اب ہے، کبھی نہ تھا،

البتہ آخر زمانہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام زیر درس کتابیں تین بڑے حصوں میں منقسم تھیں: مختصرات، متوسطات اور مطولات، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

میزاں سے لے کر قطبی تک مختصرات

شروع سلّم وزوائد ثلاثہ متوسطات

صدرا، شمس بازغہ اور بیضاوی وغیرہ مطولات۔

طلبہ کے مدارج امتیازی کا معیار بھی یہی کتابیں تھیں۔ ترقی کا طریقہ (تصریحاً نہیں معلوم، مگر) غالباً یہی تھا کہ نیچے درجے کی کتابیں ختم کر چکنے کے بعد طلبہ خود بخود اوپر کے درجوں میں شریک ہونے کے مستحق ہو جاتے تھے۔

القاب طلبہ

بلحاظ تعلیم فنون فارغ التحصیل طلبہ کے لیے تین لقب تھے۔ فاضل، عالم اور قابل۔ انہیں القاب کے ساتھ سالانہ جلسوں میں ان کو سندیں دی جاتی تھیں، جن کی تقسیم اس طرح تھی:

۱...... جو شخص منطق وحکمت میں ماہر اور دینیات میں قلیل العلم ہوتا تھا، اس کو ’’فاضل‘‘۔

۲...... جو شخص محض دینیات میں پوری دستگاہ رکھتا تھا، اس کو ’’عالم‘‘۔

۳...... اور جو شخص صرف فنون ادبیہ میں مہارت کامل رکھتا تھا، اس کو ’’قابل‘‘ کے القاب دیے جایا کرتے تھے۔

مخصوص علمی مقامات

پہلے مختلف علوم وفنون کے لیے مقامات مخصوص ہوتے تھے، جہاں سے بڑھ کر ان کی تعلیم کہیں بھی نہیں ہوتی تھی۔اس زمانہ میں طلبہ سفر وسیاحت کر کے مختلف مقامات سے مختلف علوم کی تحصیل کرتے تھے اور جو مقام جس فن کے لیے مشہور ہوتا اس کو وہیں جا کر حاصل کرتے تھے، مثلاً: صرف ونحو پنجاب میں، حدیث وتفسیر دہلی میں، منطق وحکمت رامپور میں، فقہ، اصول فقہ، کلام لکھنو میں''(۱)۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ

''یہ امر خاص طور پر اظہار کے قابل ہے کہ آج جس چیز کو لوگ ''درس نظامیہ'' کہتے ہیں اور اس نام کی وجہ سے نہایت سختی کے ساتھ اس پر اڑے ہوئے ہیں، اس کا بڑا حصہ درس نظامیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، مثلاً: حمد اللہ، ملا حسن آج

(۱) ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، امرتسر ۱۳۴۱ھ، ۹۴ تا ۱۱۰۔

درس میں داخل ہیں، یہ کتابیں ملا نظام الدین صاحب کے زمانے میں تصنیف بھی نہیں ہوئی تھیں۔قاضی مبارک بھی درس میں داخل نہ تھی۔غلام یحییٰ کا مطلق پتہ نہ تھا۔اس کے علاوہ متعدد کتابیں جو اس وقت درس میں داخل تھیں، اب اڑا دی گئیں۔مولوی عبدالاعلی (خلف اکبر مولانا بحر العلوم) نے اپنے زمانے کا جو سلسلۂ درس بتایا ہے، اس میں شرح حکمۃ العین داخل ہے، حالانکہ آج کل بالکل متروک ہے۔اس طرح انہوں نے فن موسیقی کو بھی داخل درس رکھا ہے، حالانکہ آج کل اس کا نام لینا بھی گناہ ہے۔

''درس نظامیہ'' کا اصول کیا تھا؟

درس نظامیہ میں اصول ذیل ملحوظ رکھے گئے:

۱......اختصار، یعنی: ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لے لی گئیں۔

۲......اختصار کے اصول پر اکثر کتابیں، ناتمام درس میں رکھی گئیں، یعنی: صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا، مثلاً: میر زاہد، ملا جلال، صدرا، شمس بازغہ، سلّم، تلویح، ان سب کتابوں کے کچھ کچھ حصے درس میں داخل ہیں۔

۳...... ہر فن میں وہی کتاب رکھی ہے جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے۔اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے۔

منطق جو پہلے بالکل سادہ تھی، یعنی: اس میں کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محبّ اللہ نے اس میں فلسفہ کے مسائل ملا دئے اور اس کا عام انداز بدل دیا۔ یہ کتاب ملا نظام الدین صاحب نے درس میں داخل کی۔

پھر ملا صاحب کے شاگردوں نے اس پر شرحیں لکھیں اور ان میں فلسفہ کا اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہ سب کتابیں درس میں داخل ہوتی گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج منطق کی بہت سی کتابیں پڑھ کر بھی منطق نہیں آتی، کیونکہ جس کو منطق سمجھتے ہیں وہ منطق نہیں، بلکہ فلسفہ ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج دو عالم جو باہم بحث کرتے ہیں تو ان کی تقریر منطقی قواعد سے بالکل الگ رہتی ہے۔ اسی طرح اصول فقہ کا فن فلسفہ سے بالکل الگ تھا، ملا محبّ اللہ نے اس میں بھی فلسفہ کا رنگ پیدا کیا اور اب اصول بھی گویا فلسفہ ہے'' (۱)۔

مولانا شبلی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

''۱...... تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ نفس فن حاصل کیا جائے۔

۲...... ہر فن حاصل کرنے کا یہ عمدہ طریقہ ہے کہ اس کے مسائل کو منفرداً اور بہ استقلال حاصل کیا جائے، تا کہ اس فن کی طرف کافی توجہ ہو سکے، بجائے اس کے اگر چند فنون کے مسائل کو مخلوط کر کے حاصل کیا جائے گا تو کسی فن کی اچھی طرح تکمیل نہ ہوگی۔

(۱) علامہ شبلی نعمانی: مقالات شبلی، اعظم گڑھ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء، جلد سوم، ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵۔

۳...... متعدد علوم وفنون کی تحصیل میں ''الاقدم فالاقدم'' کا خیال ضرور رہے، یعنی: یہ کہ جو علوم مقصود بالذات ہیں، ان کو حاصل کرنے میں زیادہ وقت صرف کیا جائے۔ جو مقصود بالعرض ہیں، ان میں کم۔ اسی طرح مقصود بالذات میں بھی بلحاظ اہمیت کے فرق مراتب کرنا چاہیے، یعنی: جو علوم زیادہ مہتم بالشان اور ضروری ہیں وہ زیادہ توجہ کے قابل ہیں۔

۴...... ہر علم کی تحصیل میں سب سے زیادہ یہ مقدم رکھنا چاہیے کہ اس فن کی جو غایت ہے، وہ حاصل ہو............ موجودہ نصاب میں بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ جو علوم مقصود بالعرض ہیں ان کو مقصود بالذات بنا دیا گیا ہے اور زمانہ تحصیل کا بڑا حصہ انہیں کے حاصل کرنے میں صرف کر دیا جاتا ہے'' (۱)۔

علامہ سعید احمد اکبرآبادی کی مفصل رائے درج ذیل ہے:

''ہندوستان پر انگریزوں کے اقتدار سے پہلے ملک میں جو طریقۂ تعلیم رائج تھا اور جس کے لیے جگہ جگہ مدارس کھلے ہوئے تھے، اس میں نہ قدیم وجدید کی کوئی تفریق تھی اور نہ مولوی اور غیر مولوی کا جھگڑا تھا۔ ملک کے تمام لوگ

(۱) علامہ شبلی نعمانی: مقالات شبلی، اعظم گڑھ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء، جلد سوم، ص ۱۲۹ و ۱۳۲۔

صرف دو ہی طبقوں میں منقسم تھے۔ایک تعلیم یافتہ اور دوسرے غیر تعلیم یافتہ ۔آج کل کی طرح یہ اندھیر نہیں تھا کہ تعلیم یافتہ ہونے پر بھی یہ بتانا پڑتا ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کے کس طبقہ اور کس گروہ سے،یعنی: قدیم سے یا جدید سے تعلق رکھتا ہے۔
جس طرح آج جدید تعلیم یافتہ کے معنی بہت وسیع ہیں، جس میں انجینئر، ماہر طبیعات، ڈاکٹر، وکیل ،غرض کہ سائنس اور آرٹ کے کسی شعبہ کے گریجویٹ سب تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اور ان میں کوئی تفریق نہیں ہوئی۔ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کے عہد حکومت میں علوم دینیہ اور علوم وفنون غیر دینیہ سب کے جاننے والوں کو علماء کہتے تھے،لیکن جس طرح مطلق تعلیم یافتہ ہونے کے بعد خاص خاص علوم وفنون میں خاص مہارت کے اعتبار سے اس علم کی طرف نسبت کر کے ہر ایک کا جدا جدا نام ہوتا ہے، مثلاً: فلسفہ کے ماہر کو فلسفی (فلاسفر)، منطق کے فاضل کو منطقی (لوجیشن)، سائنس کے کمال کو سائنسٹٹ کہتے ہیں، اسی طرح زمانۂ زیر بحث میں حدیث کے مبصر کو محدّث، تفسیر کے فاضل کو مفسّر، علم کلام کے ماہر کو متکلم اور تاریخ کے امام کو مؤرخ کہتے ہیں۔

پھر جس طرح آج چند علوم ایسے ہیں جن کا جاننا ہر تعلیم یافتہ کے لیے ضروری ہے اور وہ وہی مضمون ہیں جو سیکنڈری ایجوکیشن تک پڑھائے جاتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں چند علوم وفنون تھے، جن کے بغیر کوئی شخص تعلیم یافتہ ہونے کی سند حاصل کر نہیں سکتا تھا۔ان علوم وفنون میں تاریخ،

جغرافیہ، حساب، مادری زبان، ریاستی زبان، دینیات اور خطاطی شامل ہیں۔

غرض کہ انگریزوں کی حکومت سے پہلے ہمارے جو مدارس عربیہ تھے، وہ آج کل کی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے کم نہ تھے، ان مدارس میں تعلیم کا مقصد جس طرح دینی ہوتا تھا، علمی بھی ہوتا تھا اور دنیوی بھی ہوسکتا تھا۔جس طرح انگلینڈ کی پرانی یونیورسٹیوں میں غیر مذہبی علوم کے ساتھ مذہبی علوم کا بھی شعبہ ہوتا تھا، جس کے باعث جس شخص کو پادری یا بشپ کی حیثیت سے مذہبی زندگی بسر کرنا پڑتی تھی تو اسے بھی اسی یونیورسٹی سے سندِ تکمیل وفراغت حاصل کرنا ہوتی تھی۔

اس طرح ہمارے مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ وقت کے مروج علوم غیر دینیہ بھی پڑھائے جاتے تھے اور جس طرح آج خاص خاص علوم وفنون میں مہارت وکمال پیدا کرنے کے لیے یورپ وامریکہ کے دور دراز ملکوں میں خاص خاص ادارے اور یونیورسٹیاں ہیں، جس کو جس کسی علم یا فن میں کمال حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ وہاں کا سفر کرتا ہے، اسی طرح اسلامی عہد میں ایک ایک فن اور علم کا امام خود مستقل ایک ادارہ اور درسگاہ ہوتا تھا، اس علم کے مشتاق طلبہ دور دراز کے ملکوں سے سفر کی صعوبت ومشقت برداشت کر کے وہاں پہنچتے تھے اور علم وتحقیق کی تشنگی بجھاتے تھے۔

ان مدارس کے فارغ التحصیل طلباء میں جہاں بعض محدث، مفسر، فقیہ

اور مفتی ہوتے تھے، بعض مؤرخ، فلسفی، ماہر طبعیات، طبیب اور ماہر ریاضیات بھی ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض درس وتدریس اور فقہ وافتاء کی رونق بنتے تھے، تو انہی میں سے کچھ ہوتے تھے جو امارت و وزارت اور حکومت کے دوسرے شعبوں کی ذمہ داری اُٹھاتے تھے۔ پھر شاعر، ادیب اور مصنف بھی انہی میں سے اُٹھتے تھے اور مبلغ وخطیب اور کاتب بھی انہی میں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ تعلیم پاتے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مدارس عربیہ کا مقصدِ وجود صرف دینی نہیں، بلکہ علمی بھی ہوتا تھا اور حکومت کی ملازمت اور عہدے وغیرہ بھی انہیں مدارس میں تعلیم پانے کے بعد ہوتے تھے۔

اس موقع پر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ سر رادھا کرشن یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کا اقتباس ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارا مقصد اور بھی واضح ہو جائے گا:

’’پھر جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ہندوؤں میں علوم وفنون کی اشاعت اور ان کے درس وتعلیم کے لیے مدارس (جو اس زمانے میں کالج تھے) مختلف شہروں، مثلاً: لاہور، دہلی، رامپور، لکھنؤ، الٰہ آباد، جونپور، اجمیر، اور بیدرو وغیرہ میں کھولے۔ شیر شاہ جو بعد میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا تھا، اس نے جونپور ہی کے مدرسے میں تعلیم پائی تھی اور وہاں اس نے جو

مضامین پڑھے تھے، ان میں تاریخ، فلسفہ، عربی اور فارسی ادب بھی شامل ہیں۔ ان مدارس کا نصاب یورپ کی تعلیم گاہوں کے متوازی اور مساوی ہوتا تھا اور اس نصاب میں صرف ونحو، معانی و بلاغت، منطق، قانون، علم ہندسہ، فلسفۂ علم نجوم، جنرل سائنس مابعد الطبیعیات، دینیات، یہ سب علوم وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ علاوہ بریں شعر وشاعری تو ایسا مضمون تھا جس سے ہر ایک دلچسپی لیتا تھا‘‘۔

ان عام مدارس کے علاوہ ملک میں بعض خاص مدارس تھے، جہاں خاص خاص علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی اور وہ مدارس ان علوم کا مرکز سمجھے جاتے تھے، مثلاً: رامپور کا مدرسہ منطق اور طب کے لیے مشہور تھا۔ لکھنؤ کی شہرت دینی علوم وفنون کے لیے تھی اور لاہور علم نجوم اور ریاضیات میں نامور و مشہور تھا۔ ان مدارس میں ذریعۂ تعلیم عربی زبان تھی اور ان میں تعلیم کی خدمت جن لوگوں کے سپرد ہوتی تھی، ان میں بعض بڑے بڑے نامور علماء و ماہرین علوم وفنون ہوتے تھے۔

برطانوی راج کے قائم ہو جانے کے بعد مدارس عربیہ کے نظام میں یہ ہمہ گیری نہیں رہ سکی اور ان کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ اس کا اثر مسلمانوں کی اقتصادی حالت پر بھی پڑا، کیونکہ تعلیم نہ پا سکنے کی وجہ سے وہ حکومت کے صیغوں میں کوئی عہدہ نہیں لے سکتے تھے۔ وارن ہیسٹنگز نے جو ہندوستان کا

پہلا گورنر جنرل تھا، یہ صورت حال دیکھ کر کلکتہ میں ''کلکتہ مدرسہ'' کے نام سے ایک نیا مدرسہ قائم کیا، جس کا سنگ بنیاد ۱۷۸۰ء میں رکھا گیا تھا۔ اس کلکتہ مدرسہ کی غرض و تاسیس کیا تھی؟ اسے خود مذکورہ بالا یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کی زبان سے سنیے:

''اپنی حکومت کے قیام کے بعد اہل برطانیہ نے سوچا کہ اب یہاں کے لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ وارن ہیسٹنگز نے ایک شاندار کارنامہ یہ کیا کہ کلکتہ مدرسہ قائم کیا، جس کا مقصد خود وارن ہیسٹنگز کے لفظوں میں یہ تھا کہ مسلمان شرفاء کے بچے تعلیم یافتہ ہو کر حکومت کے ذمہ دار اور بیش قرار تنخواہوں والے عہدوں پر سرفراز ہو سکیں گے، چنانچہ مسلمانوں کے عہد حکومت کے مدارس میں جو جامع اور ہمہ گیر نصاب پڑھایا جاتا تھا، وہی نصاب کلکتہ میں رائج کیا گیا۔ یہ نصاب علوم دینیہ اور غیر علوم دینیہ پر مشتمل تھا''۔

قومی مدارس کا قیام

لیکن اس عہد میں مسلمانوں کے جو قومی مدارس عربیہ قائم ہوئے اور ان میں سبقت و تقدم کا سہرا دار العلوم دیوبند کے سر ہے، وہ اپنے نظام تعلیم کو پہلے زمانے کے مدارس کی طرح وسیع اور ہمہ گیر نہیں بنا سکے اور ادھر انگریزی سکولوں اور کالجوں کے قیام کی وجہ سے ایک تعلیم جدید کا

آغاز ہو گیا۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہونا تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ دو حصوں میں بٹ گیا اور یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کے حلیف نہیں، بلکہ حریف بن گئے۔ مدارس عربیہ کا نظام عمل صرف دینی اغراض تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اور حق یہ ہے کہ اس کے اسباب طبعی اور قدرتی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

ہندوستان میں برطانوی راج کے پاؤں جم جانے کے بعد بعض دور اندیش اور دردمند علماء کرام نے محسوس کیا کہ اس انقلاب کا سب سے بڑا اثر مسلمانوں کے دین اور مذہب پر پڑ سکتا ہے۔ اب نئی حکومت کے ماتحت نئی زبان اور نئے علوم کی ترویج و اشاعت کا سروسامان کیا جائے گا۔ اس بناء پر اگر اس وقت مسلمانوں کے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ ارتداد کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس خطرہ کے انسداد کے لیے ان علماء نے مدارس کا اجراء کیا اور پہلے دیوبند اور مراد آباد میں اور اس کے بعد دوسرے شہروں کے قصبوں میں مدارس کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا۔

جہاں تک مدارس عربیہ کے قیام و تاسیس کے اس مقصد کا تعلق ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مقصد باحسن وجوہ حاصل ہو گیا اور علماء کرام کی مساعی بارآور ہو کر رہیں، چنانچہ ان مدارس عربیہ کا ہی اثر ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں بحیثیت مجموعی جو دینداری، خدا پرستی، مذہب سے لگاؤ، اسلامی روایات و

کلچر کا احترام پایا جاتا ہے، وہ خود حجاز کے لوگوں میں نہیں ہے۔ غرض شام و مصر و فلسطین کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ لیکن ان مدارس کے قیام سے اصل مقصد چونکہ دین کا تحفظ تھا اور انقلابِ حکومت نے جو خطرات پیدا کر دیئے تھے، ان کے پیش نظر علماء کے نزدیک اس سے زیادہ ضروری کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی تھی کہ مسلمانوں کی دنیا تو خیر برباد ہی تھی، کسی طرح ان کا دین بچا رہے۔ اس بناء پر مدارس عربیہ سے جو دینی یا دنیوی فوائد پہلے حاصل کیے جاتے تھے، اب وہ بہت مضمحل و نا قابل اعتناء اور ناشائستہ التفات ہو گئے اور مدارس عربیہ کا قیام، ان کے نصاب و طریقۂ تعلیم، ہر چیز کا مقصد صرف دین اور اس کا تحفظ ہو گیا، چنانچہ دینیات کے علاوہ جو اور علوم پڑھائے جاتے تھے، ان کا نام ''علوم آلیہ'' رکھا گیا، یعنی: گویا یہ ایسے علوم ہیں جن کی بذات خود کوئی اہمیت نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کے پڑھنے پڑھانے اور درس و مطالعہ سے قرآن و حدیث میں مدد ملتی ہے، اس لیے ان کو بھی نصاب میں شامل رکھا گیا ہے۔ اس ذہنیت کا اثر بجز اس کے کیا ہوسکتا تھا کہ خود مدرسہ کے وجود میں جو پھیلاؤ تھا وہ سکڑ جائے۔ اس کے مقاصد میں جامعیت اور ہمہ گیری تھی، وہ ختم ہو جائے اور اس کے نصاب میں جو وسعت و پہنائی اور افادیت و سود مندی تھی، وہ محدود ہو کر رہ جائے'' (۱)۔

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادی: برہان، دہلی، جون ۱۹۵۴ء، صفحہ ۲ تا ۷۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سی فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے باوجود مدارس عربیہ نے ہندوستان میں دین و علم کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ بحیثیت مجموعی اپنی جگہ پر بہت شاندار اور قابل قدر ہیں اور ان کی عظمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے علمی مذہبی حالات کا موازنہ و مقابلہ اس زمانہ کے ممالک اسلامیہ سے کیا جائے، لیکن بہرحال اب جدید حالات اور قومی و بین الاقوامی انقلابات و تغیرات کا شدید تقاضہ ہے کہ مدارس عربیہ اپنی ہیئت و ترکیب اور اپنے نظام پر از سر نو دیدہ وری کے ساتھ غور کریں اور جہاں تبدیلی کی ضرورت ہو تبدیلی پیدا کریں۔

دینی تعلیم کا مقصد

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دینی تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ مدارس عربیہ میں تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ دین کے اصل سرچشموں سے براہ راست واقفیت پیدا کر کے دینی احکام و مسائل کا علم علیٰ وجہ البصیرت حاصل کیا جائے، تا کہ اس پر دو نتیجے مرتب ہوں۔ ایک یہ کہ جب احکام و مسائل کا علم علیٰ وجہ البصیرت ان کے مآخذ اور منابع کی روشنی میں ہوگا، تو اس سے خود صاحبِ علم کے عمل میں پختگی و مضبوطی اور استحکام و رسوخ پیدا ہوگا۔

اور دوسرا یہ کہ وہ دوسروں کو جن کی رسائی دین کے اصل سرچشموں

تک نہیں ہے اور اس بناء پر یا تو سرے سے ان میں عمل کا ہی فقدان ہے یا عمل ہے، تو بغیر علم کے، جس کو حدیث میں ''ضلال'' کہا گیا ہے۔ ان کو دینی احکام و مسائل بتائے جاسکیں۔ عدم علم کے باعث ان کے عقیدہ میں جو خامی اور کمزوری ہے، وہ دور کی جاسکے اور جن کے دماغ میں کسی وجہ سے کچھ شکوک وشبہات ہیں، ان کو دور کیا جاسکے۔ اس کو مختصر لفظوں میں اس طرح کہتے ہیں کہ دینی تعلیم کا مقصد مسلمانوں کی علمی اور عملی رہنمائی ہے۔ اگر چہ اس رہنمائی کا ابتدائی تعلق مسلمانوں سے ہے، لیکن چونکہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے، وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہے اور علماء اس امانت کے امین ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مامور ہیں کہ وہ اسلام کی آواز دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچائیں۔ اس بناء پر دینی تعلیم کا مقصد جہاں مسلمانوں کی رہنمائی ہے، وہاں دنیا کو دعوت الی الحق دینا بھی ہے۔

حصول مقصد کے طریقے

اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ ذکر مدارس عربیہ کا اور ان کے فارغ التحصیل طلباء کا ہے، اس لیے ان کی مناسبت سے ہم یہاں صرف انہی طریقوں کا ذکر کریں گے جو مدارس عربیہ کے دائرہ اختیار اور عمل میں آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے مقدم یہ امر ہے کہ علوم دینیہ کی تحصیل کیونکر کی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ دین کا اصل سرچشمہ صرف

دو ہی چیزیں ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ آنحضرت ﷺ نے جن چیزوں کی تبلیغ کی، ان کا ماخذ صرف یہی دو چیزیں ہیں۔ فقہ اگر چہ اپنی اصل کے اعتبار کے ساتھ ساتھ آیا، لیکن باقاعدہ مذاہب اربعہ کی شکل میں اس کی ترتیب وتدوین بعد میں ہوئی۔ اس بناء پر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علوم دینیہ میں کتاب وسنت کے علاوہ فقہ اور اس کے متعلقات بھی شامل ہیں اور ہونے چاہیں، لیکن ان تینوں میں جو طبعی ترتیب ہے، ان کے مطالعہ ودرس میں بھی وہی ترتیب قائم رکھنی چاہیئے اور ان تینوں میں جو فرق مراتب ہے، ذہنی اور فکری طور پر اس کو مدعا رکھنا چاہیئے۔ گویا ہمیں قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دین کا اصل ماخذ یہی دو چیزیں ہیں اور نہ صرف مذاہب اربعہ بلکہ ان کے علاوہ فقہ کے اور بھی بہت سے مذاہب و مسالک جو اب دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں یا جن کے ماننے والے خال خال تیونس، الجزائر، مغرب اقصیٰ، یا نجد وشام اور یمن وعمان کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں، ان سب کا استخراج واستنباط بھی انہیں سہ چشموں سے ہوا تھا اور اس بناء پر ان دونوں کی حیثیت جو ماخذ اور متبوع ہونے کی ہے وہ قائم رکھنی چاہیے۔

مدارس عربیہ میں عام نقص یہ ہے کہ جب طالب علم قرآن یا سنت کا مطالعہ شروع کرتا ہے، تو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے دماغ پر یہ خیال مسلط ہوتا ہے کہ وہ حنفی ہے یا شافعی ہے، مالکی ہے یا حنبلی ہے اور اس خیال کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن وسنت کے تمام نصوص اور عبادات کو اس ایک نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے کرتا چلا جاتا ہے۔ اس بناء پر اس کا نقطۂ نظر محدود اور اس کی قوت استخراج مسائل پابند اور اس کا طریقۂ افہام و تفہیم غیر وسیع اور جمود آشنا ہوتا ہے اور زیادہ افسوس ناک یہ ہے کہ قرآن و سنت میں دیدہ وری و بصیرت گوشی کی نوبت ہی کم آتی ہے۔ وہ مذاہب فقہ کی موشگافیوں اور ان کی نقطہ آفرینیوں میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے۔ قرآن وسنت سراپا نور ہیں، سرتا سر ہدایت ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے پر ان کی تعلیمات حاوی اور مشتمل ہیں۔ اس بناء پر ظاہر ہے کہ جہاں ان کا مطالعہ اصل کی حیثیت سے وسعت نظر اور غیر جانبداری کے ساتھ ہوگا، تو دین کے افہام و تفہیم کے لیے بھی نئے نئے میدان ہاتھ آئیں گے اور دین کی جامعیت، افادیت عام اور اس کی ہمہ گیری کا یقین واذعان پیدا کیا جاسکے گا۔ قرآن وسنت کی تعلیم و تدریس کے متعلق اگر بنیادی طور پر مذکورہ بالا اصول کو صحیح مان لیا جائے تو لامحالہ یہ جاننا پڑے گا کہ چونکہ قرآن وسنت کا سب ذخیرہ عربی زبان میں ہی ہے، اس بناء پر جب تک عربی زبان میں مہارت، اس کے مختلف اسالیبِ بیان سے مکمل واقفیت اور زبان کے نکات و رموز کا صحیح ذوق نہیں ہوگا، قرآن وسنت کا مطالعہ خاطر خواہ طریقہ پر نہیں ہوسکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی سے اردو میں ترجمہ کی صلاحیت واستعداد اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ زبان کے

سیکڑوں ہزاروں نکات واسرار ہیں، جو اس زبان میں مہارت اور مادری زبان کی طرح اس کا ذوق پیدا کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔ بعض اوقات ایک جملہ اپنی ترکیب کے لحاظ سے جملہ مثبتہ ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اس کے معنی نفی کے ہوتے ہیں۔ کبھی ایک جملہ دیکھنے میں موکدہ ہوتا ہے، اس میں مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، لیکن ایک صاحب ذوق بتائے گا کہ یہاں نہ تاکید مراد ہے، نہ مبالغہ مقصود ہے، بلکہ تاکید اور مبالغہ کا استعمال کسی ایک ایسے امر خارجی کی وجہ سے ہوا ہے جس کا نسبتِ رابطہ یا حکم کلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثالیں بہت سی پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن ہم یہاں ایک مثال اور وہ بھی قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں۔ اصول فقہ کی عام کتابوں میں قرآن کی ایک آیت: ''لکم دینکم ولی دین '' کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ یہ منسوخ التلاوۃ نہیں، بلکہ منسوخ الحکم ہے، حالانکہ سیاق صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس آیت کا مفہوم تخییر نہیں، بلکہ یہ بطور زجر و توبیخ ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے کہ فلاں کام نہ کرو، مگر بیٹا نہیں مانتا، تو باپ جھنجھلا کر اور بگڑ کر کہتا ہے کہ ''اچھا جو تمھارے جی میں آئے کرو۔ تم جانو تمہارا کام''۔ ظاہر ہے کہ باپ کے اس کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس نے بیٹے کو آزادی دے دی ہے اور اب اس کو اختیار ہے کہ باپ کی نصیحت کے خلاف جو چاہے کرے، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک فہمائش کا تعلق ہے، اس نے اپنا

فرض ادا کر دیا ہے۔ اب اگر اس پر بھی وہ نہیں مانتا، تو اس کے عواقب ونتائج کا ذمہ دار خود ہوگا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر مجرم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: ''ذُق انّك انت العزيز الكريم''.

اس بناء پر قرآن مجید کی آیت مذکورہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ منسوخ الحکم ہے صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اب غور کیجیے کہ ہمارے مدارس میں بھی عربی زبان کا ذوق پیدا کرنے کے لیے کیا کچھ کیا جاتا ہے؟ اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

مدارس عربیہ میں صرف ونحو کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے کہ گویا وہ خود اصل مقصود ہیں اور طالب علم کا مطالعہ بجائے فنی کے کتابی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کو کافیہ از بر ہوتا ہے۔ شرح جامی کی مباحث نوک زبان ہوتے ہیں، لیکن اول تو یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد فنی معلومات اور ان کی تمرین ومہارت کتنی ہوتی ہے اور پھر جہاں تک زبان کے ذوق کا تعلق ہے، وہ اس میں کتنا پیدا ہوتا ہے؟ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اصل مقصد زبان کی تحصیل ہے۔ صرف ونحو تو اس کے لیے صرف بمنزلہ آلہ وذریعہ کے ہیں، تو پھر کیا یہ افسوس ناک بات نہیں کہ وسیلہ وذریعہ پر ہی اس قدر وقت صرف کیا جاتا ہے کہ طالب علم اس الجھن میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اصل مقصد درمیان سے غائب ہو جاتا ہے۔

ہمارے درس نظامی میں جو صرف ونحو کی کتابیں شامل ہیں، وہ ایک

ایسے دور کی لکھی ہوئی ہیں جو مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا اور اس بناء پر ان میں غیر ضروری طبّاعی و ذہانت اور حد درجہ موشگافی ونکتہ آفرینی کا جو مظاہرہ کیا گیا ہے، ان کا تعلق صورت وظاہر سے زیادہ اور حقیقت ومعنی سے کم ہے، حالانکہ خود راقم الحروف کا اپنا تجربہ ہے کہ ایک متوسط درجے کی استعداد وذہانت رکھنے والے طالب علم کے لیے دو سال صرف ونحو کی تکمیل اور ان کے مسائل پر مبصرانہ نگاہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

ان کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مدارس عربیہ میں صرف ونحو کی تعلیم جس طرح دی جاتی ہے، اس سے قرآن فہمی کی استعداد کتنی پیدا ہوتی ہے؟ ان سب پر کتنا وقت خرچ ہوتا ہے؟ اس کے مقابلے میں جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کتنا ہوتا ہے اور جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی عملی افادیت کس قدر ہوتی ہے؟ بحث کو مرتب ومنظّم کرنے کے لیے مدارس عربیہ میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں، ہم ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱......علوم عربیہ

۲...... علوم دینیہ

۳......علوم غیر دینیہ

اب ہم فرداً فرداً ان میں سے ہر ایک پر نمبر وار گفتگو کریں گے'' (۱)۔

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادی: مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکریہ، برہان (ماہنامہ) دہلی، جولائی ۱۹۵۴ء، قسط نمبر ۲، صفحہ ۲ تا ۷۔

علوم عربیہ

’’کسی ایک علم کے نصاب درسی پر غور کرتے وقت اصولاً تین چیزیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۱......اس علم کی غرض وغایت کیا ہے؟

۲......اس علم کے لیے جو نصاب مقرر کیا گیا یا تجویز کیا جا رہا ہے، اس سے اس علم کی غرض وغایت کہاں تک حاصل ہو سکتی ہے؟

۳......اس علم کے مقررہ نصاب کی تعلیم کا جو طریقہ رائج ہے، اس سے علم کی غرض وغایت کے اصول میں کہاں تک مدد ملتی ہے یا مل سکتی ہے؟

اب ان امور سہ گانہ کے معیار پر ہمارے موجودہ مدارس کے نصاب علوم عربیہ کو جانچیے اور پرکھیے، تو حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی:

غرض وغایت

علوم عربیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ زبان عربی کا صحیح ذوق پیدا ہو، اس کا سمجھنا ایسا ہی آسان ہو جائے جیسا کہ کسی شخص کو اپنی مادری زبان کا ہوتا ہے۔ عام طور پر لکھتے ہیں کہ علوم عربیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ عربی میں بولنے اور لکھنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے، لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے، وہ بھی نا تمام، ادھورا اور نامکمل۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو کسی ایک زبان میں تحریر وتقریر کی اچھی استعداد رکھتے ہیں، لیکن وہ زبان کے نقطہ داں اور اس کے اسالیبِ بیان کی

باریکیوں کے محرم اسرار نہیں ہوتے۔ مدارس عربیہ میں علوم عربیہ کی تعلیم کا مقصد صرف ادبی یا لسانی نہیں ہوتا، بلکہ دینی بھی ہوتا ہے اور چونکہ دین کا اصل سرچشمہ اور منبع قرآن ہے اور وہ ظاہر ہے کہ فصاحت اور بلاغت کے مرتبہ اعجاز کی آخری کڑی ہونے کے باعث عربی زبان کا سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ شاہکار ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید سے حقیقی اور پائیدار و مستقل استفادہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان کا ذوق صحابۂ کرام جیسا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیری اکثر فرماتے تھے کہ جس طرح الفاظ میں ترادف اور معنی میں اشتراک نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کا دعوی کیا ہے، وہ سرے سے وضع لغوی کی اصل حقیقت و ماہیت سے ہی واقف نہیں ہیں۔ اس طرح ایک جملہ یا فقرہ اور عبارت کا اصل مطلب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ ایک جملہ کے لیے کئی کئی مطلب بیان کرنا، اس میں مختلف قسم کی تاویلیں کرنا ’’شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا‘‘ کا مصداق ہے۔

صرف ونحو

اب غور کیجیے، علوم عربیہ کی تعلیم کے لیے جو نصاب مقرر کیا گیا ہے، اس سے یہ غرض وغایت کہاں تک حاصل ہو سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں آغاز

صرف ونحو سے ہوتا ہے، لیکن شروع میں ہی مبتدی کے ذہن و دماغ پر اتنا دباؤ ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ گھبرا جاتا ہے اور غم شدہ و حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی زبان کو پڑھانے کا طبعی طریقہ یہ ہے کہ اس زبان کے صرف ونحو کی تعلیم سے قبل طالب علم کو کسی حد تک اس سے آشنا اور مانوس کیا جائے اور پھر ایک ہی قاعدہ کی مختلف مثالیں دے کر طالب علم کے ذہن میں استفسار و تجسس پیدا کیا جائے اور اس کے بعد اسی استفسار کے مطابق اس کو قواعد کی تعلیم دی جائے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو (Direct Method) یعنی: ''طریقہ راست'' کہتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ پہلے مبتدی کو بہت سے مفرد الفاظ مع ان کے معنی کے یاد کرا دیے جائیں۔ یہ الفاظ اسما، افعال اور حروف پر مشتمل ہونے چاہیں، اس کے بعد آسان آسان جملے ایک ہی قسم کے بنا کر اس کے سامنے پیش کیے جائیں، اب طالب علم کے ذہن میں خود سوال پیدا ہوگا کہ فلاں لفظ کی حالت ان تمام جملوں میں یکساں کیوں رہتی ہے؟ تو اب استاد کے لیے موقع ہوگا کہ بتائے کہ مثلاً: فلاں لفظ چونکہ فاعل واقع ہو رہا ہے، اس لیے وہ مرفوع ہے اور چونکہ ان سب جملوں میں مذکر غائب ہے، اس لیے اس کے لیے مختلف جملوں میں جتنے بھی فعل آئے ہیں، وہ سب اپنا ایک مخصوص وزن رکھتے ہیں، مثلاً: ''فعل'' کے وزن پر ہیں۔ اسی طرح ہونا یہ چاہیے کہ زبان عربی سے کسی قدر مانوس اور آشنا کرنے کے بعد صرف اور نحو کی

تعلیم ایک ساتھ دی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے طالب علم کے ذہن میں استفسار پیدا کر دیا اور اس کے بعد اس کا جواب بتا دیا۔ علاوہ بریں ابتدائی تعلیم زبانی ہونی چاہیے اور اس کی مدد کے لیے بلیک بورڈ کا استعمال کرنا چاہیے۔ بالکل شروع میں میزان منشعب کا درس دینا نہایت ہی غلط اور ناصواب طریقہ ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، ذہن پر غیر معمولی دباؤ پڑتا ہے اور اس کا حاصل معلوم! غور کیجیے، رباعی مجرد، رباعی مزید فیہ، خماسی مجرد اور خماسی مزید فیہ کے ابواب و صیغ سے ایک طالب علم کو کتنا واسطہ پڑتا ہے؟ یہ اوزان نادر ہیں، قلیل الاستعمال ہیں اور بہت کم لفظ ہیں جو ان ابواب میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود مدارس کے مبتدی طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ ان سب ابواب کو مع ان کے صیغوں کے برنوک زبان یاد کرے۔ قواعد زبان کے لیے ہوتے ہیں اور زبان سے بنائے جاتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں جو طریقہ رائج ہے اس نے قواعد کو اصل اور زبان کو ان کے تابع بنا دیا۔

علاوہ بریں ایک ہی مضمون کو بار بار مختلف کتابوں کے ذریعے پڑھانا اس قدر مفید نہیں جتنا کہ اس مضمون کو اس طرح پڑھانا ہے کہ مضمون طالب علم کے بالکل ذہن نشین ہو جائے اور اس کا دماغ اس کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کرے اور یہ صورت اس وقت پیدا ہو سکتی ہے، جبکہ قواعد کی تمرین و مشق طرح طرح کی

مثالوں کے ذریعے کرائی جائے۔ موجودہ نصاب اور اس کے طریقۂ تعلیم میں بڑا نقص یہ ہے کہ قواعد کے افہام اور تفہیم کے لیے جو کتابیں تجویز شدہ ہیں، ان کی عبارات چست اور رواں نہیں ہیں، ان میں اغلاق اور پیچیدگی ہے اور پھر لے دے کی جو مثالیں دی جاتی ہیں، وہ گنی چنی ہیں۔ مصر نے اس سلسلہ میں بڑے کامیاب تجربے کیے ہیں، ان سے استفادہ نہ کرنا اور اس پرانی لکیر کے فقیر بنے رہنا عہد حاضر کی عظیم الشان ترقیات و کامیاب تجربات کا مذاق اڑانا ہے۔

عربی ادب

صرف نحو کے بعد عربی ادب کی باری آتی ہے۔

اس سلسلہ میں نظم کی کتابیں، مثلاً: سبعہ معلقہ، متنبّی اور حماسہ معیاری کتابیں ضرور ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ سہل سے مشکل کی طرف کے اصول کے مطابق اس میں ترمیم اور اصلاح کی جائے۔ سبعہ معلقہ کا پہلا، دوسرا اور تیسرا قصیدہ بہ نسبت باقی قصیدوں کے زیادہ مشکل ہیں۔ اگر پڑھانے میں ان کی ترتیب بدل دی جائے تو شاید زیادہ فائدہ ہو۔ بہر حال جہاں تک نثر کی کتابوں کا تعلق ہے، ان کو یک قلم بدل دینے کی ضرورت ہے۔ کسی زبان کا ادبی ذوق مقامات حریری جیسی کتابوں سے نہیں پیدا ہوتا، جس میں صرف لفاظی، صنائع بدائع کی بھرمار اور نہایت پرتکلف عبارت آرائی ہے۔ اس کے علاوہ مضمون و معنی کے اعتبار سے یہ کتاب ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ ملت بیضاء کے نوجوان

اس کو پڑھیں۔ مکر و فریب، دجل و دسیسہ کاری، بہروپیے پن کے واقعات کے سوا اس میں اور کیا ہے؟ جس کو پڑھ کر طالب علم کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے۔ آج نہج البلاغہ رسالہ ابوالعلاء معری، کتاب الآداب، الجعفر بن شمس، الخلافۃ مجد الملک، النظرات، العبرات، رسائل جاحظ جیسی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، جو زبان وانشاء کی شاہکار بھی ہیں اور جن سے مختلف قسم کی علمی، ادبی، لسانی، تاریخی اور اخلاقی معلومات و فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر کسی کتاب کو تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کافی و وافی نہ سمجھا جائے، تو بہتر سے بہتر انتخاب بھی علامہ ابن خلدون کے چار ارکان ادب سے ہوسکتا ہے۔ عربی ادب کی تعلیم کے سلسلے میں ایک بڑا نقص مدارس عربیہ کے نصاب میں یہ ہے کہ صرف نثر اور نظم کی چند کتابیں پڑھانے پر اکتفاء کر لیا جاتا ہے، حالانکہ کسی زبان کے ادب سے متعارف ہونے کے لیے تاریخ ادبیات اور زبان کا عہد بعہد ارتقاء، اس کے مختلف اسالیبِ بیان ہر دور کے اسلوب کی خصوصیات، مختلف ادوار کے شاعروں کا اور خود ایک ہی دور کے دو متقابل شعراء کا تقابلی مطالعہ جس قوم کی زبان ہے، اس قوم کی تاریخ اس کے معتقدات، عادات و اطوار، رسم و رواج اور اس کے سماجی اور معاشرتی حالات اس زبان پر آس پاس کی زبانوں کے اثرات، تمدنی و تہذیبی جذب و انجذاب، ان سب چیزوں کا معلوم کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح تاریخ ادب کا علم ضروری ہے، اسی طرح عربی کی

فیلالوجی کا جاننا بھی ضروری ہے۔اس سے صرف عربی ادب سمجھنے میں مدد نہیں ملے گی، بلکہ خود قرآن مجید کے فہم اوراس کے مطالب ومعانی کے علیٰ وجہ البصیرت ادراک میں بھی بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔آج اگر کسی سے کہیے کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں، جو خالص عربی النسل نہیں ہیں، تو وہ شاید حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے گا، لیکن واقعہ یہی ہے کہ ایسے الفاظ موجود ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے ''المزھر'' میں اور پروفیسر ہٹی نے اپنی تاریخ عرب میں ان کی فہرست بھی دی ہے۔اب لامحالہ ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ الفاظ اس زمانے کے عربوں میں کس تقریب سے رائج ہوئے۔اصل زبان میں ان کے معنی کیا تھے اور عربی میں دخیل ہو کر ان سے کیا مراد لی جاتی تھی۔اس سے دوسری قوموں کے ساتھ عربی کی تمدنی اور تہذیبی تعلقات پر روشنی پڑے گی اور اس سے خود قرآن مجید سمجھنے میں مدد ملے گی۔حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا" الشعر دیوان العرب" لیکن ہمارے طلبہ عربی شعر کا مطالعہ اس طرح کرتے ہیں کہ چند شاعروں کے نام کے علاوہ انہیں اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

علم معانی وبیان

اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ کلام کے محاسن ومعائب مختلف اسالیب کے مدارج ومراتب اوراس کے وجوہ کا علم ہو۔اس فن کی تعلیم کے لیے متن میں تلخیص المفتاح اور شروح میں مختصر المعانی اور مطول کا درس دیا جاتا ہے۔جہاں

تک تلخیص اور مختصر المعانی کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ دونوں کتابیں مفید اور عمدہ ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کتابوں سے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اوراس کے مرتبۂ اعجاز کے سمجھنے اوران سے لطف اندوز ہونے میں کتنی مدد ملتی ہے؟ اصل یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت، معانی وبیان کے جو اصول وآداب ہیں، ان کو علم العروض کی طرح عربوں کے عام کلام کو سامنے رکھ کر واضح مرتب اور مدون کیا گیا ہے اور پھر ان اصول کی روشنی میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو پرکھا اور جانچا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کی مزعومہ تعریف کی روشنی میں قرآن مجید کے بعض الفاظ " الم اعھد" فصاحت سے خارج قرار پاتے ہیں، تو اب دوراز کار تاویل وتوجیہ کے دامن میں پناہ لینی پڑتی ہے، حالانکہ دراصل ہونا یہ چاہیے تھا کہ چونکہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین مثال اور عربی زبان کا سب سے بڑا شاہکار ہے، اس بناء پر فصاحت و بلاغت اور معانی وبیان کے اصول خود قرآن مجید سے مستنبط کیے جاتے۔گویا فصاحت و بلاغت کا معیار وکسوٹی کلام عرب کو بنانے کے بجائے خود قرآن کو بنانا چاہیے تھا۔اس کا فائدہ جہاں ادبی، علمی اور تنقیدی ہوتا، دینی اور روحانی بھی ہوتا۔
آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے:"النوم أخوالموت" بظاہر یہ تین لفظوں کا مرکب ایک چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن اس کی بلاغت کا یہ عالم ہے کہ حضرتنا الاستاذ الکشمیری فرماتے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کی کوئی اور

دلیل میرے سامنے نہ بھی ہوتی اور صرف آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہوتا، تو بے شبہ میں اس کو سن کر آپ کی نبوت پر ایمان لے آتا۔ قرآن مجید کی آیت آیت، ایک ایک فقرہ اور جملہ چمن زارِ فصاحت و بلاغت اور گل کدۂ اعجاز معانی ہے۔ پھر ہم میں کتنے ہیں جو اسے پڑھ کر سر دھنتے ہوں اور جن پر اس کی تلاوت کرتے وقت وجد و کیف کا ایک عالم طاری ہو جاتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے بعض صحابہ کرام کی نسبت روایت ملتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی سورتوں کو ختم کرنے میں بھی ان کو ہفتوں اور مہینے لگ جاتے تھے۔ تو کیا یہ روایت محض افسانے اور طلسم ہوش ربا قسم کی داستانیں ہیں؟ نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ان بزرگوں کا حال یہ ہوتا تھا:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

الفاظ کی سحر آفرینی اور اس کی غیر معمولی طاقت اور قوت ایک مسلّمہ حقیقت ہے، جو کام بعض اوقات بڑی بڑی فوجیں اور عظیم الشان لشکر نہیں کر سکتے وہ دو چار فقرے کر جاتے ہیں۔ جہاں تک عرب جیسی ضدی درشت مزاج اور آن کہنی قوم کے یک بیک پلٹ جانے اور سرتا سر منقلب ہو جانے کا تعلق ہے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات حقہ اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ اس میں خود قرآن مجید کے اعجاز، بیان و اسلوبِ ادا کو دخل

نہیں ہے۔ پس اگر علم معانی و بیان پڑھنے اور اس طرح کئی سال صرف کرنے کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ہم کو اس میں غیر معمولی حظ آئے اور اس کی حقیقی عظمت سے ہمارا دل و دماغ دونوں متاثر ہوں، تو ظاہر ہے کہ پھر اس پر پڑھانے کا بھی فائدہ کیا ہوا؟ اس سلسلہ میں مولانا حمید الدین فراہی کی کتاب اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں قرآن مجید کو کسوٹی بنا کر بلاغت کے اصول و قواعد پر بحث کی گئی ہے۔

ضرورت ہے کہ مدارس عربیہ اس طرف توجہ کریں۔ اس کے علاوہ امام رازی کی ''نہایۃ الایجاز''، علامہ باقلانی کی ''اعجاز القرآن'' اور جعفر بن قدامہ کی ''نقد النثر یہ''، تفسیر ''روح المعانی'' کی اور تفسیر ''کشاف'' کی جستہ جستہ ادبی اور بلاغت سے متعلق بحثیں، یہ سب اس لائق ہیں کہ علم المعانی و بیان کا طالب علم ان سے استفادہ کرے اور باقاعدہ ان مضامین کا ان کو درس دیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی قباحت اور دشواری یہ ہے کہ چونکہ مدارس میں تعلیم کا طریقہ بجائے فنی کے کتابی کا ہوتا ہے اور اس بناء پر استاد اور طالب علم دونوں کی توجہ کتاب کو سمجھنے اور اس کی چیستانوں کے حل کرنے پر مرکوز رہتی ہے، اس لیے طالب علم کو فن سے متعلق نہ وسیع معلومات حاصل ہوتی ہیں اور نہ اس کو اس میں بصیرت پیدا ہوتی ہے، مثلاً: ایک سال پورا اسے مختصر المعانی اور دوسرا ایک سال مطول کی نذر ہو جاتا ہے۔ اب

ظاہر ہے کہ صرف دو سال، مگر حاصل صرف یہ نکلا کہ طالب علم نے سوائے کتاب (مختصر پوری اور مطول آدھی) پڑھی۔ اس کے برخلاف اگر متن پڑھانے کے بعد معانی و بیان کی مباحث پر لیکچروں کا انتظام کیا جائے، جیسا کہ کالجوں کی اونچی کلاسوں میں ہوتا ہے تو طالب علم کو فن پر عبور بھی حاصل ہوگا اور اس کی معلومات بھی وسیع ہوں گی۔

تنقید

تنقید آج کی دنیا کا نہایت ترقی یافتہ فن ہے، لیکن اس فن میں عربوں کے جو کارنامے ہیں، انہوں نے کسی کلام کی حسن و قبح کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے جو اصول وضوابط مدون کیے ہیں، وہ آج بھی مغربی اصول تنقید کے ساتھ دم فخر ومباہات مارنے کے لیے کافی ہیں۔ کسی کلام وکلمہ کے حسن و قبح کا کوئی مخفی اور ظاہر اونچا اور اعلیٰ پہلو ایسا نہیں ہے جس پر عربوں نے داد تحقیق نہ دی ہو اور جس پر کمال ژرف بینی سے بحث نہ کی ہو۔ عربی ادب کی ضخیم مجلدات میں جا بجا یہ بحثیں بکھری پڑی ہیں۔ ان کے علاوہ ابن رشیق، ابو منصور ثعالبی اور ابن قدامہ وغیرہم نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جو خوش قسمتی سے آج کل ملتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ عربی ادب کی تعلیم کے سلسلہ میں اس فن تنقید کا مدارس عربیہ میں کہیں گزر نہیں ہے۔

جدید عربی ادب

اگر آپ زبان اور اس کے ادب کے فارغ التحصیل ہیں، اس کے فاضل کہلاتے ہیں، لیکن خود آپ کے زمانے کا جو اس زبان کا ادب ہے، آپ نہ تو اس سے واقف ہیں، نہ اس زبان میں اہل زبان کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہیں اور نہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں، تو یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ کسی تاریخی عمارت کو دیکھنے جائیں اور صرف اس کے عہد قدیم کے در و دیوار دیکھ کر واپس چلے آئیں اور اس میں عہد بعہد جو ترقیات ہوئی ہیں، ان کی طرف کوئی اعتناء نہ کریں۔ مصر اور بعض اور ممالک عرب میں حال ہی میں جو ادبی شعر اور نثر میں عظیم الشان ترقی ہوئی ہے، ضروری ہے کہ عربی ادب کا ایک طالب علم ان سے واقف ہو، تاکہ اس طرح ان ممالک کے ساتھ کلچرل تعلقات کے قائم رکھنے اور ان کو ترقی دینے میں بھی مدد ملے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ آج قرآن مجید کی زبان عربی موجودہ دنیا کی اعلیٰ ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش کس طرح چل رہی ہے۔ بین الاقوامی معاملات میں اس زبان کا کیا عمل دخل اور نفوذ واثر ہے اور اس نے اپنے ادب کے ذریعے دوسری قوموں کے خیالات وافکار پر کیا اثرات کیے ہیں۔ جدید عربی زبان وادب کا مطالعہ نہ صرف علمی اور ادبی حیثیت سے ضروری ہے، بلکہ سیاسی اور سماجی حیثیت سے بھی ضروری ہے، چنانچہ شاید آپ کو معلوم ہے کہ آج امریکہ، کنیڈا اور یورپ کے چھوٹے بڑے ملک عہد حاضر کے عربی ادب سے خاص طور پر دلچسپی لے رہے ہیں اور اس موضوع پر ریسرچ کرنے کے لیے طلباء کو گراں قدر وظائف دے کر ادھر اُدھر بھیج رہے ہیں'' (۱)۔

(۱) سعید احمد، برہان، دہلی اگست ۱۹۵۴ء، ص۲ تا ۱۰، قسط نمبر ۳۔

مدارس عربیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ

''حدیث: قرآن مجید کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے اور احکام ومسائل کے استنباط کی یہ دوسری اصل ہے۔ اس بناء پر علوم دینیہ میں اس کی اہمیت اس حد تک ہے کہ دینی تعلیم کا کوئی تصور اس کے بغیر مکمل ہو نہیں سکتا۔ اس کی تعلیم کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حدیث ہے کیا؟

چونکہ حدیث سے مراد یہاں وہ تمام روایات ہیں، جو آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے متعلق ہم تک پہنچی ہیں، جن کو اصطلاحاً ''آثار'' کہتے ہیں، اس بناء پر حدیث بنفسہ ایک اصل شریعت بھی ہے اور تاریخ بھی۔ وہ ایک مستقل حکم بھی ہے اور احکام قرآنیہ کی توضیح وتشریح بھی اور چونکہ اسلام ایک عالم گیر اور آخری دین الٰہی ہے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے، ہر زمانہ اور ہر مکان کے واسطے، ہر گروہ اور ہر قوم کے لیے اس میں یکساں آسان اور یسیر العمل احکام موجود ہیں، اس بناء پر حدیث کو ان تمام احکام کا منبع ہونا چاہیے۔ انسانی نظر وفکر اور انسانی مزاج وطبیعت خواہ تہذیب وترقی کی کسی منزل میں ہو اور انسان کی حیات اجتماعی وتمدنی سے متعلق افکار ونظریات میں خواہ کیسا ہی انقلاب وتغیر ہو، لیکن اسلام دین قیم ہے، تو بے شبہ اس کا ایک نظریہ ایسا ہونا چاہیے جو دنیا کے تمام افکار ونظریات کے بالمقابل ایک بنیان مرصوص کی طرح قائم رہے اور

ظاہر ہے کہ یہ نظریہ قرآن میں مل سکتا ہے یا حدیث میں، اور چونکہ قرآن کی حیثیت ایک متن کی ہے، اس بناء پر انسان کی حیات اجتماعی سے متعلق اسلام کے افکار ونظریات کا سراغ وضاحت اور عملی تمثیلات کے ساتھ حدیث میں ہی مل سکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہے بھی:

حدیث کی یہ حیثیت ذہن نشین کرنے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کی تعلیم کی غرض وغایت کیا ہونی چاہیے، یعنی: یہ کہ ایک ہمہ گیر اور جامع نقطۂ نظر کے ساتھ اسلامی احکام ومسائل کے اصل سرچشمہ تک ہماری رسائی ہو سکے۔ علاوہ بریں ہم کو یہ حقیقت بھی نہ بھولنی چاہیے کہ حدیث جہاں تشریحی حیثیت رکھتی ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ تاریخ تشریح اور طریق تشریح بھی ہے، یعنی: اس سے جہاں خاص مسائل کے متعلق احکام مستنبط ہوتے ہیں، جو کتب فقہ میں مدون ومرتب ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر آئندہ زمانے میں کبھی کسی وقت کچھ ایسے مسائل پیش آئیں، جو دور نبوت میں یا عہد صحابہ میں پیش نہیں آئے تھے، تو ان کے لیے از روئے قرآن وحدیث کیا احکام ہوں گے۔ اس بناء پر محدثین نے تحقیق مناط، تخریج مناط اور تنقیح مناط کی بحثیں کی ہیں اور استنباط احکام ومسائل کے جو اصول کتبِ اصول فقہ میں مذکور ومدوّن ہیں، ان کی بنیاد جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، حدیث کے اس پہلو سے ہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث کا مطالعہ اگر اس نقطۂ نظر کے ساتھ کیا جائے، تو کوئی

شبہ نہیں کہ وہ قرآن کے ساتھ مل کر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایک ایسا جامع ہمہ گیر اور مکمل قانون و نظام بن جاتی ہے کہ کوئی شعبۂ حیات اس کی رہنمائی سے محروم نہیں رہ جاتا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مدارس عربیہ میں حدیث کی تعلیم جس انداز پر ہوتی ہے، وہ اس مقصد کو پورا نہیں کرتی، کیونکہ اس میں درج ذیل نقائص ہیں:

۱......سب سے پہلا نقص جس کی طرف شروع میں بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، یہ ہے کہ بحیثیت اصل احکام کے نہیں پڑھایا جاتا، بلکہ اس کو فقہ کے تابع کر کے پڑھایا جاتا ہے۔ استاذ جس مسلک فقہ کا پابند ہے، وہ حدیث کی تاویل و توجیہ اُسی کے مطابق کرے گا۔

۲......حدیث میں صرف عبادات یا ایمان و عقائد کے ابواب پر تمام زور، تبحر و کمال خرچ کر دیا جاتا ہے اور اس کا حاصل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ استاد جس مسلک فقہ کا پابند ہے، اس کو دوسرے مسالک پر ارجح و افضل ثابت کرے۔ عام طور پر مدارس میں صحاح ستہ ایک سال میں پڑھائی جاتی ہیں، مگر اس طرح کہ سال کا ایک بڑا حصہ چند ابواب میں ختم ہو جاتا ہے اور باقی دنوں میں ''قراءت علی الشیخ'' یا ''قراءۃ الشیخ'' کی صورت میں تمام کتابیں ختم کر دی جاتی ہیں، پھر مدارس میں حدیث کے امتحان کے جو پرچے ہوتے ہیں، ان کو دیکھئے تو وہی چند لگے بندھے سوالات ہیں جو گھوم پھر کے آگے پیچھے آتے رہتے

ہیں۔ اس صورت حال کا سب سے عظیم نقصان یہ ہے کہ ایک عالم قرآن و حدیث کو اپنے تہذیب یافتہ اور ترقی پذیر دور میں جس قدر وسیع النظر، دقیقہ رس اور نکتہ شناس ہونا چاہیے، وہ نہیں ہوتا اور بزم علوم و فنون میں بیٹھ کر وہ اسلام کی نمائندگی کرنے میں جھجھک محسوس کرتا ہے۔

۳......حدیث کے درس میں زیادہ زور کلامی مباحث پر صرف کیا جاتا ہے یا عبادات سے متعلق فقہی مسائل پر، مثلاً: یہ کہ ایمان میں تشکیک ہوتی ہے یا نہیں۔ وہ زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیے اور آمین بالجہر کہنی چاہیے یا نہیں؟ لیکن اجتماعی زندگی سے متعلق سینکڑوں ہزاروں نہایت اہم نفسیاتی اور اخلاقی نکتے ہیں، جو نبی صادق و مصدوق کی زبان حق ترجمان سے ادا ہوئے ہیں، ان کی طرف کوئی دھیان تو کیا دیا جاتا، ان کی طرف ذہن کا انتقال بھی نہیں ہوتا۔ علوم و فنون جدیدہ اور عصر حاضر کے افکار انسانی سوسائٹی کے نظام حیات کی اہم بنیاد قرار پا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے دنیا کا نقشہ ہی بدلتا چلا جا رہا ہے، لیکن ہمارے علماء کو چونکہ انسانی فکر و شعور کے اس انقلاب عظیم اور اس کے محرکات کی خبر ہی نہیں ہے، اس بناء پر نہ یہ مسائل ان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور نہ ان کو قرآن و حدیث میں ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، مثلاً: کارل مارکس نے سالہائے دراز کی محنت کے بعد اقتصادیات میں ایک نیا مکتبۂ خیال ایجاد کیا،

جس کو(DynamicEconomay)’’متحرک اقتصادیات‘‘ کہتے ہیں۔

اس فلسفہ کا جو بنیادی پس منظر ہے،یعنی: یہ کہ سرمایہ کی تقسیم مساویانہ ہونی چاہیے اور محنت اور سرمایہ کے معاوضہ میں توازن ہونا چاہیے، ورنہ اگر ایسا نہیں ہوگا،تو طبقاتیت پیدا ہوگی اور اس کی وجہ سے دنیا کا امن و امان اور انسانی زندگی کا سکون تباہ و برباد ہوجائے گا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خود اسلام بھی تسلیم کرتا ہے۔ کارل مارکس نے جس حقیقت کو سینکڑوں صفحات میں بیان کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے’’کاد الفقر أن یکون کفرا‘‘ فرما کر تین چار لفظوں میں زیادہ جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

فقر کیا ہے، کفر سے کیا مراد ہے اور فقر کفر پر کس طرح منتج ہوتا ہے، یہ تین سوالات ہیں۔ اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اقتصادیات و معاشیات کی مروجہ زبان میں ان کا جواب دیا جائے، تو ایک بہت ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، جو بلاشبہ کارل مارکس کی ’’کیپٹال‘‘ سے زیادہ ٹھوس، واقعی اور نفس الامری حقائق پر مشتمل ہوگی۔ بہرحال گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اسلام واقعی تمام ادیان کا ایک صالح ترین نظام حیات ہے، تو حدیث کے ایک طالب علم کو اپنے زمانے کے ان تمام معاملات و مسائل کا جو اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مسائل کا جو حل ہے، ان کا علم اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ اس حل کی فوقیت دوسرے افکار پر ثابت کر سکے اور علمی طور پر

اس حل کی صداقت کا دوسروں کو یقین دلا سکے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ حدیث کے درس کا ایک جامع اور ہمہ گیر فائدہ ہوسکتا ہے۔

۴...... ہر حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں: ایک سند اور ایک متن۔ دونوں اپنی جگہ بہت اہم ہیں، لیکن مدارس میں درس حدیث کا جو طریقہ مروج ہے، اس میں صرف متن سے اعتناء کیا جاتا ہے اور سند کو شائستہ التفات نہیں سمجھا جاتا، یہاں تک کہ ہمارے فارغ التحصیل طلبہ راویوں کے نام کے علاوہ ان کے حالات سے بالکل واقف نہیں ہوتے۔ اصول حدیث کی ایک دو کتابوں میں نقد و جرح کے جو اصول وہ پڑھتے ہیں، ان کے استعمال کی نوبت شاذ و نادر ہی ہوتی ہوگی۔

علاوہ بریں آنحضرت ﷺ افصح العرب والعجم تھے اور ’’أُتیتُ جوامع الکلم‘‘ آپ کا نشان امتیاز تھا۔ اسی بناء پر آپ کے ارشادات بھی فصاحت و بلاغت کے جواہر ریزے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ خود دلیل نبوت ہیں، لیکن درس میں احادیث کے اس وصف لفظی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ ہم نے حضرت الاستاذ مولانا السید انور شاہ کو دیکھا ہے، کبھی کبھی حدیث کے ایک ٹکڑے کی بلاغت پر گھنٹوں تقریر فرماتے تھے اور اس وقت روئے انور پر عجب وجد و کیف کا عالم ہوتا تھا۔ بہرحال ضرورت ہے کہ

۱: درس حدیث کی مدت بجائے ایک سال کے دو سال کی جائے۔

۲:اصول حدیث پر کسی ایک کتاب کے پڑھانے کی بجائے لیکچروں کا انتظام کیا جائے جو اس موضوع کی بہت سی کتابوں کا خلاصہ ہو۔

۳: درس حدیث کے نصاب میں مشکوۃ کے بعد صحیح بخاری اور موطا امام مالک لفظاً لفظاً پوری پڑھائی جائیں، یعنی: شروع سے آخر تک ان کا درس یکساں زور اور قوت کے ساتھ ہو۔

تفسیر

علوم دینیہ میں سب سے اہم اور مقدم ''علم تفسیر'' ہے...........اب غور کیجئے کہ مدارس عربیہ میں جو تفسیر کا نصاب پڑھایا جاتا ہے، اس سے ایک طالب علم کو ان مضامین قرآن پر کتنا عبور حاصل ہوتا ہے، اس کا کتنا وقت فضول اور لایعنی بحثوں میں صرف ہو جاتا ہے اور خود قرآن کے جو اصل مباحث ہیں، ان کا کتنا حصہ اس کو معلوم ہوتا ہے؟

مدارس عربیہ میں سب سے زیادہ زور قرآن مجید کی تعلیم پر دینا چاہیے تھا، لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ سب سے زیادہ تغافل اس سے برتا جاتا ہے۔ منطق اور فلسفہ کی کتابیں چار پانچ سال تک چلتی رہتی ہیں، لیکن تفسیر کا نصاب جلالین اور بیضاوی کے ایک پارہ پر دو سال میں ختم ہو جاتا ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ یہ سب نقص کتابی تعلیم دینے کا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ایک مرتبہ جلالین کامل پڑھانے کے بعد قرآن مجید کے

مختلف مضامین وحقائق پر لیکچروں کا جس کو علمائے متقدین کی اصطلاح میں ''املاء'' کہتے ہیں، ان کا انتظام کیا جائے۔ استاد ابحاث متعلقہ پر بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد اپنے نوٹ تیار کرے اور ان کی روشنی میں درس دے اور ساتھ ہی وہ طلبہ کو بتائے کہ کس مضمون کے لیے ان کو خود کون کون سی کتابیں زیر مطالعہ رکھنی چاہیں''(۱)۔

فقہ

''علوم دینیہ میں قرآن وحدیث کے بعد تیسرا نمبر فقہ کا ہے۔ فقہ اس مجموعہ احکام کا نام ہے، جو قرآن وحدیث یا اجماع و قیاس سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اگر فقہ کی تعلیم کا مقصد صرف ان احکام کا معلوم کر لینا ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ابتداء سے لے کر انتہاء تک جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ سب اس مقصد کی تحصیل میں مدد ومعاون ہوتی ہیں، لیکن اگر فقہ کی تعلیم کا مقصد ان احکام کے وجوہ استنباط اور ان کے دلائل کا علم حاصل کرنا بھی ہے، تو ظاہر ہے یہ مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہوتا۔ احناف پر عام اعتراض ہے کہ وہ قیاس کو روایت کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور ہماری کتب درسیہ میں اکثر وبیشتر جو استدلال کیا جاتا ہے، اس سے اس استدلال کی تردید تو کیا ہوتی، اور کچھ تقویت ہی ہوتی

---

(۱) مولانا سعید احمد: مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر، برہان، دہلی ستمبر ۱۹۵۴ء، ص ۵تا۱۲، سے اقتباس۔

ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ ''ہدایہ'' کتب فقہ میں نہایت عظیم الشان اور بلند پایہ کتاب ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اس کا استاد بجائے فقط مدرس ہونے کے وسیع النظر اور صاحب ذوق عالم ہو، جو مسائل و احکام کے سرچشمہ استنباط پر گفتگو کر کے مسئلہ کی اصل بنیاد کو استوار کر سکے۔

علاوہ بریں فقہ کی تعلیم کا ایک مقصد ''تفقہ'' پیدا کرنا بھی ہونا چاہیے، تا کہ وہ زندگی کے نو بنو مسائل و معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کر سکے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ امور ذیل کی رعایت کی جائے:

۱......طالب علم کسی ایک امام کے مسلک فقہ سے واقفیت پر ہی قناعت نہ کرے، بلکہ اس کو کم از کم آئمہ اربعہ کے مسالک سے مع ان کے دلائل کے واقفیت ہونی چاہیے۔

۲......طالب علم کو فقہ کا مطالعہ بحیثیت ایک مقلد کے نہیں، بلکہ بحیثیت ایک طالبِ تحقیق کے کرنا چاہیے اور اس وقت اس کے دماغ کو ہر قسم کی عصبیت سے آزاد ہونا چاہیے۔علاوہ بریں مدارس میں عام طور پر عبادات کے حصے پر فقہ کی تعلیم ختم ہو جاتی ہے۔عبادات کے ساتھ معاملات کا بھی درس ہونا ضروری ہے اور بعض ابواب مثلاً: کتاب العتق، یا کتاب الحدود آج کل ان کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر ان ابواب کو مختصر کر دیا جائے جس سے طالب علم کو ان مسائل کا

بھی علم ہو جائے تو مناسب ہوگا۔

اصول فقہ

علوم دینیہ میں اگرچہ اس کا نمبر چوتھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نہایت اہم علم ہے۔اس سے واقفیت اور اس میں کمال و مہارت پر ہی ایک عالم دین کی مذہبی رہنمائی اور معاملات و مسائل کے کشود کار کا دار و مدار ہے۔ اس علم کی تدریس کے لیے جو کتابیں درس نظامی میں شامل ہیں، ان کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ ایک عالم دین میں اجتہادی صلاحیت اور شریعت سے متعلق ایک وسیع نقطۂ نظر پیدا کرنے کے لیے صرف اس فن کا پڑھا دینا کافی نہیں ہے۔احکام کی دلیلیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک ''لمّی'' اور ایک ''اِنی''۔اصول فقہ کی بحث ''دلیل اِنی'' تک محدود رہتی ہے، حالانکہ استنباط احکام شریعت محمدیہ کے اسرار و حکم کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اگر تمام نہیں، تو اس کے ابواب متعلقہ کا درس ضروری ہے۔

علاوہ بریں ہمارے مدارس میں صرف فقہ حنفی کے اصول پڑھائے جاتے ہیں، لیکن ایک عالم دین میں مزید بصیرت اور استخراج و استنباط احکام کی مزید صلاحیت پیدا کرنے کی غرض سے ضرورت ہے کہ دوسرے آئمہ کے اصول فقہ سے واقف ہو۔اس سلسلہ میں امام شافعی کی ''کتاب الام'' کے شروع

میں ایک رسالہ ''الرسالہ فی اصول الفقہ للشافعی'' چھپا ہوا ہے اور اس کے علاوہ ایک اور کتاب ''منہج الاصول'' بڑے کام کی ہے۔

علم الکلام

یہ علم بھی دینی نصاب درس کا ایک اہم جزو ہے، لیکن اب جدید علوم و فنون اور فلسفہ کی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے یہ قدیم علم کلام اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ یہ علم معتزلہ کا رد کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا، لیکن اس علم کی درسی کتابوں پر اگر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ پہنچتا ہے۔ معتزلہ کے جواب میں عام طور پر جو روش اختیار کی جاتی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آخر میں معاملہ نقلی دلائل پر ہی آکر ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ مسائل وہی ہیں جن پر حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، امام غزالی، علامہ ابن رشد، شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ نے کلام کیا ہے اور زیادہ قوت اور یقین انگیزی کے ساتھ کیا ہے اور ان حضرات کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ رسالہ مابعد میں فلسفہ اور سائنس کی غیر معمولی ترقی فلسفۂ یونان کی جس عمارت کو منہدم کرنے والی تھی، ان حضرات نے وہ کام خود اپنے زمانے میں کر دکھایا۔ جب فلسفۂ یونان کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے، تو ظاہر ہے معتزلی افکار کے لیے سہارا ہی کیا رہ جاتا ہے، مثلاً: اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی؟ خیر وشر کی حقیقت کیا ہے؟ ذات باری کی صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات؟

وجود کی کیا حقیقت ہے؟ وجود واجب سے کیا مراد ہے؟ علم کسے کہتے ہیں؟ اعراض جو قائم بالغیر ہوتے ہیں، کیا وہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتے؟ اور کیا اس بناء پر ان کا وزن نہیں ہوسکتا؟ بعث وحشر کی کیا حقیقت ہے؟ کیا روح کا اعادہ بدن اول میں ہوگا یا مثل بدن اول میں؟ جزا اور سزا کی کیا حقیقت ہے؟ ایمان کا عمل سے کیا تعلق ہے؟ عمل ایمان کا شرط ہے یا شطر؟ یہ اور اس طرح کے سینکڑوں مسائل ومباحث ہیں جن میں یہ فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں نہایت عمدہ مؤثر اور یقین افروز گفتگو ہوسکتی ہے اور اس سے قرآن مجید کی تائید ہی ہوگی، نہ کہ تردید۔ اس بناء پر علم کلام کے نصاب میں آج کل جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کو یک قلم نکال دینے کی ضرورت ہے اور ان کی جگہ امام غزالی کے رسائل مثلاً: ''المنقذ من الضلال''، ''المغبون بہ علی غیر اھلہ'' حافظ ابن تیمیہ کا رسالہ ''القیاس الشرعی'' یا ''تفسیر کبیر امام رازی'' کے خاص خاص ٹکڑے ان کا انتخاب کر کے ان کو علم کلام کے درس میں شامل کرنا چاہیے۔ یہ انتظام اس وقت تک کرنا ہوگا جب تک جدید علم کلام مرتب نہ ہو، جس کی بڑی ضرورت ہے اور جس کے لیے مواد کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس جدید علم کلام میں طریق بھی جداگانہ ہوگا اور دلائل و براہین بھی نئے، اسلوب بیان بھی اور ہوگا اور مسائل بھی بعض نئے ہوں گے جن کی پہلے زمانے میں اگرچہ کوئی اہمیت نہ تھی، لیکن آج کل ان کی بڑی اہمیت ہے اور جن کو طے کیے بغیر آج کوئی نظام زندگی بھی استوار و

پائیدار نہیں ہوسکتا، مثلاً: آج وجود باری پر زیادہ طویل اور مفصل گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سائنس کے بڑے بڑے علماء خود اس کے اقرار واعتراف پر مجبور ہوگئے ہیں۔ آج ایک دین کے لیے سب سے بڑا مرحلہ یہ ثابت کرنا ہے کہ اس کی روحانی اقدارِ حیات کا انسان کی مادی زندگی کے نظم وترتیب سے کیا تعلق ہے اور وہ اقدار بجائے خود بہت اہم ہونے کے باوجود انسان کی مادی زندگی اوراس کے مختلف پہلوؤں پر کیا اثرات ڈالتے ہیں۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ان مسائل پر جذباتی نہیں، بلکہ علمی انداز میں گفتگو کی جائے، تاکہ جس طرح ہر انسان خدا کا وجود تسلیم کرنے پر فطرتاً مجبور ہوگیا ہے، اسی طرح اس خدا کے بخشے ہوئے نظام زندگی کو بھی ماننے پر مجبور ہوجائے''(۱)۔

---

(۱) مولانا سعید احمد اکبرآبادی: مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکریہ، برہان، دہلی دسمبر ۱۹۵۴ء (نظرات) (ص: ۲ تا ۹)۔

مدارس عربیہ کے لیے لمحۂ فکریہ

علوم غیر دینیہ

''ہمارے قدیم درس نظامی میں علوم وفنون دینیہ وعربیہ کے ساتھ کچھ ایسے علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں، جو نہ دینی ہیں اور نہ عربی اور یہ علوم صرف پڑھائے ہی نہیں جاتے، بلکہ ان کی تعلیم پر کافی وقت اور محنت صرف کی جاتی ہے اور پھر مدارس عربیہ سے جو حضرات فارغ التحصیل ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کا طغرائے امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے منطقی ہیں یا فلسفی، ہیئت کے امام ہیں یا ریاضیات میں ان کی بڑی دسترس ہے۔ ان علوم وفنون کا درس نظامی میں شامل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اسلاف کرام جنہوں نے یہ نصاب بنایا تھا، وہ اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے کہ علمائے دین کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے ممد ومعاون علوم وفنون سے واقف ہوں، بلکہ ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقت کے مروجہ علوم و فنون سے بھی باخبر ہوں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلاف کرام کے اس اعتقاد وخیال کی بنیاد امور ذیل پر تھی:

۱......قرآن مجید میں اور حدیث میں متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے کہ علم حاصل کرنا چاہیے۔ جو علم غیر نافع یا کفر ہے، اس سے آنحضرت ﷺ نے پناہ مانگی ہے، لیکن وہ علوم وفنون جو دماغ میں انجلاء پیدا کریں، جن سے انسانی

تجربہ میں پختگی اور استحکام پیدا ہو، جو انسانی افکار و خیالات میں انقلاب آفرینی کریں اور جن سے تہذیب وتمدن کو فائدہ پہنچے، ان علوم کا حاصل کرنا اسلام میں نہ صرف یہ کہ مباح اور جائز ہے، بلکہ اس اعتبار سے اس کو فرض کفایہ کہا جاسکتا ہے کہ ان علوم وفنون میں سربراہی اور دستگاہ کو قومی ترقی اور سیاسی نہضت و رفعت میں بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔

۲......بعض علوم وفنون کا مذہب سے براہ راست تو کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن بالواسطہ ان کے اثرات بہت گہرے اور دور رس ہوتے ہیں اور انسان کا مذہبی شعور بھی ان اثرات کی زد سے محفوظ نہیں رہتا، مثلاً: فلسفہ اور اس کی مختلف شاخیں، ان علوم وفنون کا حاصل کرنا علمی افادات سے قطع نظر دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی حفاظت وضیافت کے پیش نظر بھی ضروری ہوگا، تا کہ اسلامی عقائد وافکار پر جس طرف اور جہت سے حملوں کا اندیشہ ہو، ان کے خلاف مورچہ بندی کر دی جائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو ضلالتِ فکر وعمل سے بچایا جاسکے۔

۳......بعض علوم وفنون ایسے بھی ہیں جن کا مذہب سے اگرچہ کوئی تعلق نہیں، لیکن قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق، مثلاً: عروج وزوال اقوام کے اسباب، نفسیات، خیر وشر، انسانی فکر وشعور کا تاریخی ارتقاء، بقائے اصلح اصول حکمت وسلطنت، اصول معیشت اور ان کے علاوہ دوسری اسلامی تعلیمات، ان

کے سمجھنے میں یا ان سے متعلق یقین واعتقاد کی پختگی میں مدد ملتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ علمی اور دینی دونوں قسم کے نقطۂ نظر سے ان کا حاصل کرنا بھی بحیثیت مجموعی ضروری ہوگا۔ اس قسم کے علوم میں تاریخ، اقتصادیات، سائنس، علم الالسنہ، علم آثار قدیمہ اور ان سے متعلقہ علوم وفنون شامل ہیں۔ بہرحال سطور بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مدارس عربیہ کا کام دینی علوم کے ساتھ بعض دینی علوم وفنون کی تعلیم بھی ہونا چاہیے۔ اس اصول کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد اب ہم کو موجودہ علوم وفنون غیر دینی جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، ان کی علمی حیثیت اور ان کی تدریس کے لیے جو کتابیں تجویز شدہ ہیں، ان پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے۔ یہ ظاہر ہے کہ منطق، فلسفہ، ہیئت، یہ سب علوم عقلی ہیں اور عقل وشعور انسانی یونانیوں کے عہد سے لے کر اب تک ترقی، تجربہ اور فکر کی جو منزلیں طے کر چکی ہے، اس کے پیش نظر فلسفۂ یونان، ہیئت اور اس عہد کے دوسرے علوم صرف ایک تقویم پارینہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان علوم کا جاننا ان علوم کی تاریخ کے طالب علم کے لیے تو اس لیے اب بھی ضروری ہے کہ ان علوم کے بغیر وہ ان علوم کے تاریخی ارتقاء کی مختلف کڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ومنظم نہیں کر سکتا، لیکن صرف اسی پر قناعت کر لینا اور اب ان علوم میں جو ترقی ہوئی ہے، اس سے بے خبر رہنا، نہ دین کے لیے کچھ مفید ہے اور نہ علمی حیثیت سے اس کی کوئی قدر وقیمت اور اہمیت ہے۔ آج انہی علوم میں سے ہر علم کو مختلف حصوں

میں تقسیم کر کے ہر حصے کو ایک مستقل علم بنا دیا گیا ہے اور پھر ہر حصے کے لیے معلومات وتحقیقات کا اتنا ذخیرہ مہیا ہو گیا ہے کہ علم وحکمتِ یونان کی پوری کائنات سمندر کے سامنے ایک جوئے پایاب کی حیثیت رکھتی ہے، مثلاً: قدیم منطق میں قیاس اور استقراء دونوں کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی کتاب میں بیان کیا گیا ہے اور جدید منطق میں دونوں کو فن کی دو مستقل شاخیں قرار دے کر الگ الگ ہر ایک سے متعلق بہت مفصل اور مبسوط بحث کی گئی ہے۔ یہی حال تمثیل کا ہے۔ ہمارے ہاں منطق کی اونچی کتابوں میں علم اور وجود دونوں کی حقیقت سے ایک ہی کتاب میں بحث کی گئی ہے، لیکن ان میں سے اب ہر ایک ایک مستقل علم ہے، یعنی: علم العلم اور علم الوجود۔ جن کو (Ontimology) اور (Ontology) کہتے ہیں، پھر فلسفہ کا عالم تو اور ہی دگرگوں ہے۔ ہمارے یہاں حکمت نظری اور حکمت عملی دونوں کو ان کے ماتحت جو اقسام داخل ہیں، سب کو گڈمڈ ایک ہی جگہ ذکر کر دیتے ہیں۔

علاوہ بریں موجودہ فلسفہ کو یونانی فلسفہ پر اس وجہ سے مزید برتری حاصل ہے کہ یونانی فلاسفہ زیادہ تر عالم خیال میں پرواز کرتے تھے اور اس بناء پر بعض اوقات غلط یا کم از کم غیر واضح نتائج تک ان کی رسائی ہوتی تھی، لیکن چونکہ موجودہ فلسفہ کو سائنس کے ساتھ ربط باہمی ہے اور یورپ کے بہت سے فلاسفر سائنس دان بھی ہیں، اس لیے یہ فلسفہ حقائق کا بالکل صحیح ترجمان نہیں، تو حقائق

سے زیادہ قریب آ گیا ہے اور اس بناء پر ذہن کو انجلا اور فکر وخیال کو پختگی بخشتا ہے، پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آج دنیا کا عظیم الشان فکری و ذہنی انقلاب جہاں صنعت وحرفت اور سائنس کا مرہون احسان ہے، اس میں بہت بڑا دخل فلسفۂ جدید کو بھی ہے اور خاص طور پر اس نے اخلاقیات کی دنیا میں تو وہ بحران عظیم پیدا کیا ہے کہ حسن وقبح کا معیار اور اشیاء کے اقدار کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

منطق اور فلسفہ کو صرف بطور ایک مثال کے بیان کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس عربیہ میں ان دونوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک طالب علم کو عمر کا بڑا وقت ان پر خرچ کرنا ہوتا ہے، ورنہ تاریخ جغرافیہ، اقتصادیات، سیاسیات، ریاضیات وغیرہ وغیرہ کتنے علوم وفنون ہیں، جو آج اوج کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ اس بناء پر ظاہر ہے کہ درس نظامی میں غیر دینی علوم کو شامل کرنے سے ہمارے بزرگوں کا جو مقصد تھا، وہ ہرگز اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا، جب تک ہم ماضی کے ان نقوش کو چھوڑ کر عہد حاضر کی علمی اور فکری ترقیات سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

انگریزی زبان کی اہمیت

علوم جدیدہ پر گفتگو کرتے وقت ذہن خود بخود انگریزی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ جس طرح ایک زمانے میں یورپ اور ایشیاء دونوں جگہ عربی علمی زبان تھی، اس طرح اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آج دنیا

کی سب سے بڑی زبان انگریزی ہے۔اس زبان کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اور تو اور آج خالص اسلامیات کا طالب علم بھی اپنی ریسرچ اس وقت تک مکمل نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ انگریزی زبان سے استفادہ نہ کرے۔ اسلامی فلسفہ، اسلامی تاریخ،عربی زبان کی تاریخ،عربی ادب،اسلامی فقہ،علم الکلام،اصول حدیث، علم طب، کیمیا،علم المرایا والمناظر،اسلامی فن تعمیر،تصوف،اسماء الرجال، یہ اور ان کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم وفنون،ان سب پر محققین یورپ نے جو داد تحقیق دی ہے اور عمریں صرف کر کے ان کے متعلق جو عظیم سرمایہ مہیا کر دیا ہے اور جس میں برابر اضافہ ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔اسلامیات کا کوئی ریسرچ اسکالر ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،اگر چہ یہ سرمایہ فرانسیسی،جرمنی،اطالوی،پرتگالی اور انگریزی ان سب زبانوں میں بکھرا ہوا ہے،لیکن انگریزی ان سب میں زیادہ وسیع اور عالم گیر ہے۔

فرانسیسی اور جرمنی میں اسلامیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں،ان میں سے متعدد کتابوں کے تراجم خود انگریزی میں ہو چکے ہیں۔انگریزوں کے ساتھ عناد کے باعث بعض مدارس میں انگریزی کے ساتھ نفرت یا کم از کم استکراہ کا برتاؤ کرنا طبعی بات تھی،لیکن بہر حال اب وہ دور ختم ہو گیا ہے اور اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ انگریزی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے۔ پھر یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ انگریزی زبان آج بین الاقوامی خط و کتابت اور بین الاقوامی تحریر و تقریر کی زبان

ہے اور اس بناء پر کسی قوم کے لیے اپنے نظام فکر،اپنے مذہب اور اپنے کلچر کی بین الاقوامی اشاعت اس وقت تک ناممکن ہے،جب تک کہ وہ انگریزی زبان کو اشاعت کا ذریعہ نہ بنائے۔یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے برادران وطن کی کتنی سوسائٹیاں ہیں، جو بنیادی طور پر مذہبی اور روحانی ہیں اور وہ اپنے مشن کی اشاعت انگریزی ہی کے ذریعے کر رہی ہیں۔علماء حق کے انگریزی زبان سے نابلد اور ناواقف ہونے کا آج نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کے متعلق جو کچھ ہو رہا ہے،وہ ان حضرات کے ذریعے ہو رہا ہے جن کو طبقۂ علماء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔کون کہہ سکتا ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا اتنا بڑا میدان دوسروں کے حوالے کر دینا اور خود اس میں دخل نہ دینا کسی درجہ میں بھی قابل برداشت ہوسکتا ہے۔کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ عہد حاضر کے علوم میں تو سائنس سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور ہے بھی بڑے کام کی چیز اور اس سے خدا کے وجود اور اس کی الوہیت کا یقین بھی کامل ہو جاتا ہے،تو کیا اس مضمون کو بھی مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔جواب یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ کسی کالج یا یونیورسٹی میں بھی دنیا بھر کے تمام مضامین پڑھانے کا انتظام نہیں ہوتا۔ ہر ایک درس گاہ اپنے اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر ان سے متعلق مضامین کی ہی تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔مدارس عربیہ کا مقصد ایسے علماء پیدا کرنا ہے جو علوم دینیہ اور عربیہ کے ساتھ وقت کی علمی اسپرٹ اور فکری رجحانات سے بھی باخبر ہوں،نہ کہ انجینئر،ماہرین صنعت و حرفت

اور ٹیکنیشن ہوں۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ سائنس کی تعلیم مدارس عربیہ کے ذیل میں نہیں آتی۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر ممکن ہے کسی صاحب کے دماغ میں یہ خیال گزرے کہ اس تحریر کے مطابق تو ایک طالب علم کو ہر مضمون کے لیے کافی وقت دینا چاہیے، تاکہ ایک ہی وقت میں وہ بڑا مفسر ہو اور محدث بھی۔ ادیب بھی اور فلسفی بھی، چناں بھی، چنیں بھی۔ تو گزارش یہ ہے کہ ان سطور کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ کس فن کی تعلیم کس طرح ہونی چاہیے۔

ورنہ یہ ظاہر ہے کہ ہر طالب علم ہر مضمون کو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا اور یہ مدار تو مدارس دنیا کے کسی جامعہ میں بھی نہیں ہوتا، اس لیے ہم آئندہ قسط میں نصاب کا ایک خاکہ پیش کریں گے، جس کو مدارس عربیہ اپنی اپنی ضرورتوں اور گنجائش کے کے مطابق ترمیم کے بعد قبول کر سکتے ہیں''(۱)۔

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایم اے: مدارس کے لیے ایک لمحۂ فکریہ، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۵۵، ص۲ تا ۶، قسط نمبر ۵۔

مدارس عربیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ

''ذیل میں ایک نصاب پیش کیا جاتا ہے، جو مغربی بنگال کے مدارس عربیہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگر اس نصاب سے اصولاً اتفاق ہو تو اپنے مقامی حالات اور مالی استطاعت و وسعت کے مطابق تھوڑی بہت ترمیم اور ردوبدل کے ساتھ ہر مدرسہ اس کو اپنا سکتا ہے۔

نصاب

۱...... مدارس عربیہ میں مدت تعلیم سولہ سال ہوگی اور یہ مدت تین حصوں میں تقسیم ہوگی:

(الف):	جونیئر مدرسہ	مدت تعلیم چھ سال
(ب):	ہائی مدرسہ	مدت تعلیم چار سال
(ج):	مدرسہ کالج	مدت تعلیم چھ سال

۲...... جونیئر مدرسہ کے ابتدائی چار سالوں میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی اور مادری زبان اور تاریخ اور جغرافیہ کا نصاب بیسک ایجوکیشن سکیم کے مطابق ہوگا۔

الف: دینیات	ب: مادری زبان	ج: حساب
د: تاریخ جغرافیہ	ہ: ورزش جسمانی	و: عربی
		(صرف سال چہارم میں)

۳......جونیئر مدرسہ کے سال پنجم و ششم میں حسب ذیل سات مضامین کی تعلیم دی جائے گی۔ ہر مضمون کا ایک پرچہ ہوگا اور چھٹے سال کے اختتام پر امتحان ہوگا۔

پہلا پرچہ: دینیات۔ دوسرا پرچہ: عربی ادب۔ تیسرا پرچہ: مادری زبان۔ چوتھا پرچہ: ہندی، اردو یا ہندی اور مادری زبان، بحیثیت ثانوی زبان کے۔ پانچواں پرچہ: ریاضی۔ چھٹا پرچہ: تاریخ وجغرافیہ۔ ساتواں پرچہ: انگریزی۔

۴......ہائی مدرسہ کے سال ہفتم و ہشتم میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی۔ ہر مضمون کا ایک پرچہ ہوگا اور مادری زبان کے دو پرچے ہوں گے۔

پہلا پرچہ: دینیات۔ دوسرا پرچہ: عربی ادب۔ تیسرا پرچہ: مادری زبان، (نظم ونثر)۔ چوتھا پرچہ: مادری زبان (صرف ونحو، املاء وانشاء)۔ پانچواں پرچہ: ریاضی۔ چھٹا پرچہ: انگریزی۔ ساتواں پرچہ: مندرجہ ذیل مضامین میں سے کوئی ایک: (الف: انگریزی)، (ب: دینیات)، (ج: فارسی)۔

۵......ہائی مدرسہ کے سال نہم ودہم میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی۔ ہر مضمون کا ایک پرچہ ہوگا اور مادری زبان کے دو پرچے ہوں گے اور دسویں سال کے اختتام پر ایک پبلک امتحان ہوگا۔

لازمی مضامین: پرچہ اول: دینیات۔ پرچہ دوم: عربی ادب۔ پرچہ سوم: انگریزی۔ پرچہ چہارم: مادری زبان (نظم ونثر)۔ پرچہ پنجم: مادری زبان (صرف

ونحو وغیرہ)۔ پرچہ ششم: ریاضی۔

پرچہ ۷، ۸، اور ۹ انتخابی مضامین پر مشتمل ہوں گے۔ مندرجہ ذیل انتخابی مضامین میں سے کسی تین مضمونوں کا لینا ضروری ہوگا:

الف: دینیات وعربی ادب

ب منطق — ج: فارسی

د: ریاضی — ہ: تاریخ وجغرافیہ

و: انگریزی — ز: سائنس

ض: بلدیات

۶......مدرسہ کالج میں تین جماعتوں کی تعلیم ہوگی:

۱: عالم — ۲: فاضل — ۳: کامل۔

ہر جماعت میں تعلیم دو سال ہوگی اور ہر سال کے اختتام پر پبلک امتحان ہوگا۔

۱......عالم: اس میں مندرجہ ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

۱: دینیات — ۲: عربی ادب — ۳: منطق وفلسفہ — ۴: فارسی یا انگریزی — ۵: مادری زبان۔

اور عالم کے امتحان میں دس پرچے ہوں گے:

دینیات، پہلا پرچہ: تفسیر وعقائد

دوسرا پرچہ: حدیث واصول حدیث وتاریخ اسلام

تیسرا پرچہ: فقہ، اصول فقہ، فرائض۔

(ب): عربی ادب، چوتھا پرچہ: نظم، بلاغت

پانچواں پرچہ: نثر قواعد

چھٹا پرچہ: ترجمتین وانشاء

(ج): منطق وفلسفہ، ساتواں پرچہ: منطق وحکمت

(د): فارسی یا انگریزی، آٹھواں پرچہ: فارسی یا انگریزی نظم ونثر

نواں پرچہ: فارسی یا انگریزی گرامر ترجمہ وانشاء

(ہ): مادری زبان، دسواں پرچہ: مادی زبان۔

(ے) فاضل میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

۱: دینیات، ۲: عربی ادب، ۳: منطق وفلسفہ، ۴: فارسی یا انگریزی، ۵: مادری زبان، اور فاضل میں دس پرچے ہوں گے۔

(الف): دینیات، پہلا پرچہ: تفسیر، اصول تفسیر، عقائد۔ دوسرا پرچہ: حدیث، اصول حدیث وتاریخ اسلام۔ تیسرا پرچہ: فقہ، اصول فقہ

(ب): عربی ادب، چوتھا پرچہ: نظم، عروض والقوافی۔ پانچواں پرچہ: نثر، بلاغت۔ چھٹا پرچہ: ترجمتین وانشاء۔

(ج): منطق وفلسفہ، ساتواں پرچہ: منطق وفلسفہ

(د): فارسی یا انگریزی، آٹھواں پرچہ: نظم ونثر۔ نواں پرچہ: گرامر و انشاء وترجمہ

(ہ): مادری زبان، دسواں پرچہ: مادری زبان۔

۸...... کامل کے تین شعبے ہوں گے: کامل دینیات، کامل ادب، کامل تاریخ، اور کامل کے ہر شعبے میں آٹھ پرچے ہوں گے۔

(الف): کامل دینیات

پرچہ اول: تاریخ القرآن، تاریخ علم التفسیر

پرچہ دوم: اصول تفسیر وعلم بلاغت قرآن

پرچہ سوم: حدیث

پرچہ چہارم: حدیث

پرچہ پنجم: حدیث

چھٹا پرچہ: اصول حدیث وتاریخ حدیث یا مقالہ تحقیقیہ

ساتواں پرچہ: فقہ، اصول فقہ، تاریخ الفقہ

آٹھواں پرچہ: علم العقائد واسرار الشریعہ

(ب): کامل ادب

پہلا پرچہ: نظم قدیم

دوسرا پرچہ: نثر قدیم

تیسرا پرچہ: نظم ونثر جدید

چوتھا پرچہ: علم نقد والعروض والقوافی

پانچواں پرچہ: علوم البلاغۃ

چھٹا پرچہ: تاریخ ادب عربی

ساتوں پرچہ: علم الالسنہ

آٹھواں پرچہ: انشاء ومقالہ نگاری

(نوٹ) پانچواں اور آٹھواں پرچہ کی جگہ ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا حق ہوگا۔

(ج): کامل تاریخ

پہلا پرچہ: عرب قبل از اسلام ودور نبوت، دوسرا پرچہ: خلافتِ راشدہ وعہد بنی امیہ، تیسرا پرچہ: عہد بنی عباس وبنو فاطمہ، چوتھا پرچہ: تاریخ مغرب و اندلس وصقلیہ، پانچواں پرچہ: تاریخ ہند وایران وترکی، چھٹا پرچہ: تاریخ چین وجزائر شرق، ساتواں پرچہ: تاریخ سیاسیات و اقتصادیات اسلامی، آٹھواں پرچہ: فلسفۂ تاریخ وتاریخ تمدن اسلامی۔

نوٹ: ساتویں اور آٹھویں پرچے کی جگہ تحقیقی مقالہ بھی لیا جا سکتا ہے''(۱)۔

---

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادی: مدارس عربیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ، برہان، دہلی، فروری ۱۹۵۵ء، ص۷۰تا۷۴۔

اصلاح نصاب کی چند تجاویز

مدارس دینیہ کے لیے اصلاح نصاب ایک اہم مسئلہ ہے۔ بعض جید علماء کی طرف سے اس سلسلے میں کوششیں بھی ہورہی ہیں۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ درس نظامی اپنے دور کے حالات کے عین مطابق تھا اور اپنے زمانے کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کررہا تھا، مگر دور حاضر کے بدلے ہوئے حالات میں سیاسی وسماجی نظام، اقتصادی ومعاشی احوال، تجارتی وصنعتی کوائف، قومی اور بین الاقوامی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب بپا ہو چکا ہے۔ ہزاروں نئے مسئلے سامنے آگئے ہیں۔ مدارس عربیہ اسلامیہ کے نصاب میں ایک ایسی جماعت نہایت ضروری ہے کہ وہ حسب سابق دین ودنیا کی تفریق سے بالا ہوکر اپنے زمانے کی تمام ضروریات کا کفیل ہو اور نئے پیدا شدہ مسائل حل کرسکتا ہو۔

اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ قرآن مجید اور علوم قرآنی کو تدریجاً از اول تا آخر نصاب کا ضروری حصہ قرار دیا جائے۔ قرآن مجید کی تاریخ اور تدوین کی واقفیت بھی نہایت ضروری ہے۔ دورۂ حدیث سے قبل اصول حدیث کے ساتھ تاریخ وتدوین حدیث کی تعلیم دی جائے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ سیاسی اور ثقافتی دونوں حیثیتوں سے کرایا جائے۔ قدیم عربی ادب کے ساتھ جدید عربی ادب کی اتنی تعلیم ضرور دی جائے، جس سے طلبہ اس قابل ہوسکیں کہ انہیں تحریر وتقریر میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

سائنس، واقفیت عامہ، ریاضی اور طبعی جغرافیہ کے اہم عنوانات پر مشتمل کتب (خواہ مختصر اور ابتدائی نوعیت کی ہوں) نصاب میں شامل کی جائیں۔ سہولت کے پیش نظر کچھ مضامین لازمی اور کچھ اختیاری کے طور پر پڑھائے جاسکتے ہیں۔ چونکہ موجودہ درس نظامی کے متعلق ممتاز ارباب تدریس نے بھی فیصلہ دے دیا ہے کہ موجودہ مسائل کے حل کرنے میں یہ ناکافی ہے، اس لیے اس میں تخفیف، تیسیر اور اصلاح کی ضرورت ہے، تاکہ یہ نصاب دور جدید کے تقاضوں پر پورا اتر سکے۔ میری رائے بھی انہی کے حق میں ہے۔

مدارس عربیہ کی سند ایم، اے کے برابر

بعض حلقوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ مدارس عربیہ کی سند کو ایم، اے کے برابر تسلیم کیا جائے، یہ مطالبہ انصاف پر مبنی نہیں ہے، اس لیے کہ جامعات کے فارغ التحصیل حضرات کو ایم، اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے سولہ سال لگانے پڑتے ہیں، جب کہ بعض دینی مدارس کی سندات چند گھنٹوں میں حاصل کی جاسکتی ہیں (۱)۔

---

(۱) اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں معلمین اسلامیات اور معلمین قراءت کے انٹرویو کی خاطر محکمہ تعلیم کی طرف سے ہزارہ سلیکشن بورڈ کا ممبر نامزد ہوا۔ اس دوران بعض امیدواروں نے چند گھنٹوں میں فارغ التحصیل ہونے کی سند کے حصول کا طریق کار بھی بتایا۔ جب بعض عربی مدارس کی سندیں چند گھنٹوں میں، اور چند روپوں میں حاصل کی جاسکتی ہوں، تو ایسی صورت میں ایم، اے تو کجا اس سند کو پرائمری کی سند کے برابر بھی تسلیم کرنا انتہائی ناانصافی ہوگا۔

اور اگر یہ بات نہ ہو تو بھی کسی دینی مدرسہ میں ۱۶ سال کا نصاب رائج نہیں ہے اگر وہ اس سند کو ایم، اے کے برابر تسلیم کرانا ہی چاہتے ہیں تو پھر پہلے انہیں ان مدارس میں ۱۶ سال کا نصاب رائج کرنا چاہیے تاکہ ایک جیسا وقت لگانے پر ایک سطح کی ڈگری انہیں بھی مل سکے۔

''إن أريد إلا الإصلاح ما استطعتُ وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب''. (هود: ۸۸)

مولانا قاضی محمد حسن خانپوری!!(۱)

۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء............۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء

قاضی محمد حسن عرف غلام حسن بن محمد گل بن ہدایت اللہ، تحصیل ہری پور (ہزارہ) کے ایک گاؤں ''تلوکر'' میں ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم ہزارہ کے مختلف علماء سے حاصل کی۔ تکمیل مولانا قاضی عبدالصمد صاحب(۲) قاضی القضا خانپوری (ہری پور ہزارہ) کی خدمت میں رہ کر کی۔

فراغت کے بعد آپ کے استاذ جن کی اولاد نرینہ نہ تھی، اپنی منجھلی لڑکی مبارک بانو کا نکاح آپ سے کر دیا اور ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں آپ کو جانشین بنا دیا۔ اس طرح قاضی عبدالصمد صاحب سے منصب قضاء آپ کی طرف منتقل

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے قاضی محمد عبداللہ ایڈوکیٹ مانسہرہ سے لیا گیا۔

(۲) قاضی عبدالصمد قریشی (۱۱۹۰ء......۱۲۶۸ء) بن محمد ارشد بن میاں محمد منیر خانپور میں پیدا ہوئے۔ تمام تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر زندگی بھر منصب قضاء پر فائز رہے۔ شاہ اسماعیل شہید سے ملاقات بھی ہوئی۔ (قاضی یوسف حسین: اتمام الخشوع، ص:۲) خاندان مغلیہ کے وقت سے قاضی چلے آرہے تھے۔ تین گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، صرف تین لڑکیاں تھیں۔ بروز جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ کو خانپور میں وصال ہوا اور عیدگاہ کے باہر جو قبرستان ہے، اس میں دفن کئے گئے۔

ہوا۔ آپ کی عمر بھی تدریس میں گزری۔ اکثر ۴۰،۵۰ کے قریب طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل رہتے تھے۔ راجہ جہانداد خان چیف آف گکھڑز و راجہ فیروز خاں آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ سب سے پہلے خانپور میں جمعہ آپ ہی نے جاری کیا۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء کو خانپور میں انتقال ہوا۔ آپ کے بارے میں مولانا عبدالحئ الحسنی یوں لکھتے ہیں:

" الشيخ العالم الصالح القاضي محمد حسن بن محمد گل بن هداية الله الخانپوري أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث،ولدسنة ثمان و ثلاثين ومائتين وألف أومما يقرب ذلك. وقرء العلم على صهره القاضي عبدالصمد القرشي الخانپوري و أدرك الشيخ إسماعيل بن عبدالغني العمري الدهلوي في صباه. أخذ عنه أبنائه : عبدالاحد، ومحمد، ويوسف حسين وخلق آخرون ،تو في لثالث خلون من رمضان سنةإحدى وثلاث مائة وألف"(١).

اولاد

اولاد میں آپ کے تین عالم و فاضل فرزند: قاضی عبدالاحد، قاضی محمد اور

(۱) عبدالحئ الحسنی: نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۲۱، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔ تاریخ وصال درست نہیں لکھی گئی، البتہ سال وفات درست ہے۔ آپ کی تاریخ وصال ۳ شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ ہے۔

قاضی یوسف حسین کے علاوہ ایک عالمہ فاضلہ دختر فاطمہ جان یادگار رہے(۱)۔

---

(۱) فاطمہ جان خان پور میں پیدا ہوئیں اکثر درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ درس حدیث اپنے بھائیوں سے لیا۔مولانا سید عبدالواحد بن سید عبداللہ غزنوی امرتسری کے نکاح میں آئیں، جن سے ایک دختر مریم جان تولد ہوئیں۔وہ سید عبدالاعلیٰ نبیرہ سید عبداللہ غزنوی کے نکاح میں آئیں۔متعدد دینی مدارس میں معلمۂ دینیات بھی رہیں۔۱۹۶۸ء کے لگ بھگ لاہور میں انتقال ہوا۔

السیدہ فاطمہ جان نے بمرض دق ۱۳۰۲ھ میں خانپور میں انتقال کیا اور آبائی قبرستان میں دفن کی گئیں۔ان کے بارے میں مولانا عبدالحیٔ لکھتے ہیں:

فاطمة الخانپورية:

''السيدة الفاضلة فاطمة بنت القاضي محمد حسن بن محمد گل الخانپوري الهزاروي. كانت من الصالحات القانتات.ولدت بخانپور،وقرأت العلم على والدها وعلى إخوتهاالفاضلين: القاضي عبد الأحد والقاضي محمد ،مشاركةلأخيها القاضي يوسف حسين. توفيت سنة إثنتين وثلاث مائة وألف''.

(نزہۃ الخواطر، ج:۸،ص:۳۶۹،مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)

مولانا قاضی طلا محمد پشاوری

۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء............۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء

آپ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کو قاضی محمد حسن ''خان علماء'' بن قاضی محمد اکبر بن محمد غوث بن اخوند ترکمان بن تاج خان کے گھر ''امازئی'' علاقہ ''یوسف زئی'' پشاور میں پیدا ہوئے۔آپ کے مورث اعلیٰ اخوند ترکی بن تاج خان محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں جنوب مشرقی قندہار کے مقام ''غوڑہ مرغہ'' سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام ''امازئی'' آکر آباد ہوئے چونکہ یہ ایک علمی گھرانہ تھا، اس لیے علاقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کی تکمیل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے دہلی میں کی(۱)۔زاں بعد مولانا عبداللہ بن محمد اعظم غزنوی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے استفادہ کیا۔کچھ عرصہ ''دیوان انشاء'' کلکتہ میں متولی رہے۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''آپ نے اپنی تمام عمر علم وادب کی خدمت میں گزاری۔علم حدیث، فقہ، منطق اورادب کی کتابوں کو بمعہ حواشی

---

(۱) مولانا امام خاں نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور ۱۳۹۱ھ،ص:۱۱۶، مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی، ساہیوال، ومولانا امام خاں نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء،ص۴۰، جید برقی پریس، بلی ماراں دہلی۔

مفیدہ کے چھپواتے، جو کہ اس وقت ایک نہایت ہی اہم دینی خدمت تھی۔ آپ کی تعریف وتوصیف آقا عبدالحیٔ حبیبی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''کہ در علوم عربیہ وادب عربی و فارسی و در حسن خط وانشاء وشعر ہر دو زبان آیتی بود''۔

..........بقول صاحب: ''تعلیمات برنوائے مبارک آپ کی یادگار آٹھ کتابیں ہیں:

۱......دیوان فارسی، ۲......دیوان عربی، ۳......جواہر النظر، ۴......صلاۃ التقریر فی ترجمۃ التحریر، ۵......نفخۃ المسک، ۶......تسلیۃ الحقوق فی تحطۃ الفضول، ۷......صلاۃ الکئیب لمن لا یحضرہ الحبیب، ۸۔قصیدہ بائیہ۔

غالبًا آپ کی وفات ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ میں واقع ہوئی (۱)۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۱، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ص: ۱۶۲، ۱۶۳۔ (قادری صاحب موصوف نے تاریخ ولادت ۱۲۱۴ھ اور وفات ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ دونوں غلط لکھی ہیں)۔

وصال

غالباً آپ کی وصال ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء کو مکہ مکرمہ میں ہوا اور ''معلیٰ'' میں دفن کیے گئے۔

آپ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''قاضی طلا محمد خان پشاوری جو بڑے ادیب اور فاضل بے مثل نہایت عالی شان بزرگ احمد شاہ ابدالی کی اولاد میں تھے............مرحوم قاضی طلا محمد خان نے میاں صاحب (نذیر حسین محدث دہلوی) کی مدح میں کئی قصیدے عربی اور فارسی میں نہایت ہی سیر لکھے ہیں۔ پہلا قصیدہ ۳۲ شعروں پر مشتمل ہے۔ دوسرا قصیدہ عربی ۱۱۲ شعروں کا ہے۔ تیسرا قصیدہ فارسی ۱۶۹ اشعار کا ہے۔ چوتھا قصیدہ فارسی ۴۰۸ شعروں کا ہے'' (۱)۔

مزید کہا گیا ہے کہ

" الشيخ العالم الكبير القاضي طلا محمد بن القاضي محمد حسن بن محمد أكبر خان العلوم الأفغاني البشاوري(۲)، أحد العلماء المشهورين في بلاد الهند، لم يكن مثله في زمانه في

(۱) فضل حسین مظفر پوری بہاری: الحیاۃ بعد الممات، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، ص: ۲۴۱ تا ۲۵۰، ۲۵۸، ۲۵۹، و ۲۵۳ (میں آپ کے چند قصائد شائع کئے گئے ہیں)۔

(۲) آپ کا لقب ''خان علماء'' تھا۔

معرفة الفنون الأدبية وكان جده قاضي القضاة بأفغانستان، وكذلك صنوه عبدالكريم وابن أخيه عبدالقادر، وكان طلا محمد متوليا بديوان الإنشاء في "كلكته" وولده محمد أسلم كان واليا من تلقاء الإنكليز في بعض المتصرفيات. وبالجملة فإنه كان من بيت العلم والمشيخة، تأدب على ذويه وتفقه، ثم أخذ الحديث عن السيد نذير حسين الدهلوي المحدث المشهور، ولازم الشيخ الصالح عبدالله بن محمد أعظم الغزنوي واستفاد عنه. له: إنشاء الطرب في أشواق العرب" مجموع لطيف.وله قصائدغراء في نصر السنة و مدح أهلها، منها قوله:

راحت سليمي فقلبي اليوم في قلق   ومهجتي من لهيب ا لوجد في حرق
علياء في نسب غيداء في طرب   لمياء في شنب كحلاء في الحدق
إذا بدت في أنا س قال قائلهم   سبحان من خلق الإنسان من علق
فبارك اللّٰه في حسن إذا طرحت   على المناكب فوديها ذوي الحلق
كأنها الصبح في نور فودتها   سرادق ا لليل قد سيطت على الفلق
البين ارقّني والوجد أحرقني   والقلب فى دهق والعين في أرق

وله من أخرى:

قاسى بمَحمل سلمى وارتقى شجني   وأسقم الهجر في اشواقها بدني

أضنى الهوى بنيتي في العشق يأسفاً   لولا على من الأثواب لم ترني
فما بجفني لم تنظر إلى أحد   وما لقلبي لم يرغب إلى سكني
قد زاد همي وعيل الصبر اجمعه   إذ طافني طيفها وافتر عن وسني
فلا أنيس إليه منتهى جذلي   ولاصديق إليه مشتكى حزني

وله من أخرى:

قفا برياض الشعب خير المنازل   بدمع غزير في الصبا بات سائل
لنبك ربوعا شتت البين أهلها   واقفرها بالقطر تسكاب وابل
منازل حسن لامحا اللّٰه رسمها   وعمرها عودا بتلك القبائل
ألمّا على آثار ليلى وربعها   ودار حموها بالرماح الذوابل
فداه لها نفسى وقلبي ومهجتي   وخالص أموالي وسربي ونائلي
أيا سمرات الحي من أرض حاجر   سقتكن وسمّى الحيا بالهواطل
عهدت بكن الحي في خير منزل   فياطيبه أكرم به من منازل

وله من أخرى في مدح شيخه نذير حسين

آئمته أيد اللّٰه الكريم بهم   دين النبى نبي الجن والبشر
لولاهمٌ ماعرفنا الدين من سفه   وما أصبنا الهدى صفوا بلاكدر
فرحمة اللّٰه والرضوان يتبعها   عليهم مابكى ورق على سمر
قوم هم أيدوا الإسلام واتبعوا   وحي السماء عن الجبار فادكر

فازوا من الله بالغفران وارتفعوا   في الخلد واتكأ وافيه على السرر
هم في رياض النقى كالغيث في مطل   هم في السماء العلى كالأنجم الزهر
ففي موتهم نافس وطب وانل   وقر عينا بلاحقد ولاوغر
إن رمت فوزا فخذ واروحديث نبي   عن معدن الرشد لاتترك ولاتذر
محدث العصر داماء العلوم ومهد   ي الخلائق في بدو وفي حضر
أعني نذير حسين السيد السند   العلامة المرتضى من سادة الغرر
وكيف لا وهو من أولاد سيدنا   المبعوث شافع يوم البؤس والضرر
عون المغيث وشيخي في الحديث به   تغييت منكرات البدع في العصر
ومستقيم على درس الكتاب كتا   ب الله جل عن الأوهام والفكر
وبعده بأحاديث النبي بها   له الهيام هيام الواله الضجر

وله من هذه القصيدة:

يارب يا سيدي يا منتهى أملي   مالي سواك لكشف الضر والضرر
ياربنا ارحم على فقري ومسكنتي   هب لي ذنوبي وباعدني عن السقر
يارب أكرم على عبد سهى وأسى   في الذنب منغمس في الإثم منغمر
فكم سهى في مشيب العمر واجبه   وكم أسى في شباب غيرمعتكر
أنت الغني فلايخشى احتياجك في   شيئ وأنت الغني عني وعن وزري
لاتنكرن بنا الدنيا بعونك يا   منجي الغريق عن الداماء ذي الخطر

يا خالق الخلق مالي من الوذ به   بغير فضلك عندالتحادث الغير
ياسيدي ياإله العرش ياأملي   ويا غيائي وياكهفي ومدخري
سبحان ربك رب العز عزوجل   عما يقول أولوالأهواء والنكر

وله من أخرى:

يا خالقي عبدك الخاطئ الحزين لقد   أتاك منكسرا فاجبر لمنكسر
مستغفرا من ذنوب لاعداد لها   بعفوك الجم يارحمن لاتذر
فلاتدعني مليك العرش مطرحا   بين النوائب والأسدام والغير
حسبي لدى الموبقات الصم أنت فلا   نرجو سواك لنيل السؤل والوطر
عليك يا ذا لعطايا جرى معتمدي   في كل خطب أتى بالضير والضرر
فاغفر وأكرم عبيدا ماله عمل   من الصوالح يارحمن في العمر
لكنه تائب مما جناه فقد   أتاك مستغفرا يخشى من السقر
فإن رحمت على من جاء مفتقرا   فأنت أهل به يا رب فاغتفر
وإن تعذب فإني أهل ذاك وذا   عدل قويم بلالوم ولانكر
ثم الصلاة على خير الخليقة من   كفاه معجزة إن شق في القمر
وإله الطيبين الطهر قاطبة   وصحبه المكر مين السادة الغرر
ماهبت الريح واهتز النبات بها   وما تغنت حمام الإيك في السحر

توفي إلى رحمة الله سبحانه سنة عشروثلاث مائة وألف

بمكة المباركة، فدفن بالمعلاة". (۱)

اسی طرح یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''قاضی طلا محمد خاں المتوفی ۱۳۱۰ھ فی المکۃ المعظمۃ، یہ بزرگ علاوہ فاضل، فقیہ اور محدث ہونے کے بہت بڑے فصیح و بلیغ شاعر عربی و فارسی کے تھے۔ آپ کے بعض قصائد کا انتخاب باب ہفتم شعرائے علام کے قصائد ''شیخ کی مدح میں'' درج ہو چکا ہے اور اس باب میں آپ کا ترجمہ بھی لکھا گیا ہے''(۲)۔

اسی طرح ''المکتوب اللطیف'' میں آپ کے عربی اور فارسی قصائد نہایت سیر نقل کئے گئے ہیں (۳)۔

اور مولوی حکیم میں میر شاہجان صاحب کامل نے ان کی تاریخ طباعت

(۱) علامہ حکیم عبدالحئ الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۰ھ/ ۱۹۷۰ء، عدد: ۱۸۶، ص: ۱۹۹ تا ۲۰۲۔

(۲) فضل حسین مظفر پوری بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، مطبوعہ مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، ص: ۳۵۳۔

(۳) مولانا شمس الحق: المکتوب اللطیف إلی المحدث الشریف، مطبوعہ مطبع انصاریہ دہلی ۱۳۱۴ھ، ص: ۱۷ تا ۴۱۔

آخری شعر میں یوں لکھی:

اگر پرسند از تو سال طبع ایں قصائد را

بگو کامل کہ عز و جاہ تالیف طلا خانے (۱)

ایک اور مقام پر آپ کا نام آیا ہے (۲)۔

(۱) مولانا شمس الحق: المکتوب اللطیف إلی المحدث الشریف، مطبوعہ مطبع انصاریہ دہلی ۱۳۱۴ھ، ص: ۴۱۔

(۲) محمد ابراہیم میر، مولانا، سیالکوٹی: تاریخ اہل حدیث، لاہور ۱۹۵۳ء، ص: ۴۳۳، پر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں نام آیا ہے۔

دوسرا باب
محدثین

جناب مولانا فضل قادر صاحب ترنگ زئی پشاوری (۱)

۱۸۳۶ء..................۱۹۰۶ء

آپ ۱۸۳۶ء کو ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے (۲)۔ آپ نے ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ فراغت کے بارے میں باوجود تحقیق کے علم نہیں ہو سکا کہ کس عالم اور کس مدرسے سے ہوئی؟ فراغت کے بعد اپنے گاؤں میں تدریس کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی شہرت ہوگئی اور کافی تعداد میں طلبہ مختلف جگہوں سے آکر علم حاصل کرنے لگے۔ آپ کی آواز پست تھی، اس لیے ''خفہ ملاّ'' کے نام سے مشہور تھے۔

جناب مولانا عبدالغفور صاحب (صاحب سوات) کے علماء آپ کے پاس آئے اور اپنے مخالفین پر آپ سے کفر کا فتویٰ لگانے کو کہا۔ آپ نے جب ایسا نہ کیا تو الٹا آپ پر ''وہابیت'' کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ فتویٰ کفر کے فتوے سے بھی

---

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ میاں عطاء اللہ کاکا خیل کے مقالہ ''پاکستان میں علم حدیث'' کا رہین منت ہے۔ اکثر مواد اس سے اور کچھ تذکرہ علماء ومشائخ سرحد سے لیا گیا ہے۔

(۲) آپ کی تاریخ ولادت تذکرہ علماء میں ۱۸۴۶ء اور وفات ۱۹۰۶ء بعمر ۷۰ سال =

سخت ثابت ہوا اور نو سال تک آپ خانہ نشین رہے۔اس عرصہ میں آپ کے دو فرزند: ابوبکر (عمر ۱۲ سال) اور عبداللہ (عمر ۱۱ سال انتقال) کر گئے، تو ان میں سے کسی کو قبرستان میں دفن نہ کر سکے۔ایک کو اپنے مکان کے کسی کونے میں دفن کیا، جواب تک نا معلوم ہے اور دوسرے کو ''جالا بیلہ'' کے لوگ لے گئے اور رات کے وقت لے جا کر اپنے قبرستان میں دفن کیا۔اس دوران میں آپ پر کئی قاتلانہ حملے کیے گئے اور ایک موقع پر مخالفین گھر میں گھس آئے اور آپ کو مار مار کر گرا دیا اور پھر گرانے کے بعد پیشاب بھی کیا۔

ایک عرصہ کی ان تکالیف کے بعد حاجی ترنگ زئی کے بڑے بھائی امیر محمد باچا اور ایک اور بزرگ ''صاحب حق'' نے جا کر اخون عبدالغفور (سوات) سے درخواست کی کہ یہ مخالفین کی فتنہ پردازی ہے اور مولانا پر صریح بہتان ہے، تو تسلی ہو جانے پر وہابیت کا فتوی واپس لیا گیا اور آپ کی نو سالہ مشکلات کا خاتمہ ہوا اور پھر تا حیات تدریس میں لگے رہے۔آپ جامع معقول ومنقول عالم تھے۔ تمام علوم وفنون کی کتب زیر درس رہتی تھیں۔آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں جناب مولانا سیف الرحمٰن صاحب ساکن متھرا تحصیل چارسدہ پشاور، تلمیذ

= لکھی گئی ہے۔۷۰ سال کے لحاظ سے ۱۸۳۶ء بنتی ہے، نہ کہ ۱۸۴۶ء۔میاں عطاء اللہ کاکاخیل لکھتے ہیں کہ مولانا ۱۹۰۶ء کو جون کے مہینے میں نوے برس کی عمر میں بمقام ترنگزئی وفات پا گئے۔مؤخر الذکر روایت کے مطابق تاریخ ولادت ۱۸۱۶ء بنتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وصدر مدرس فتح پوری دہلی، مولانا پوردل صاحب قندہاری صدر مدرس فتح پوری دہلی (جو مولانا سیف الرحمٰن صاحب کے بعد صدارتِ تدریس پر فائز ہوئے)، مولانا سید مجدد صاحب قاضی القضاۃ سمت شرقی افغانستان، مولانا درگئی صاحب، مولانا گل محمد صاحب غزنوی ثم ترنگزوی، مولانا حاجی فضل واحد صاحب المعروف ''حاجی ترنگزئی'' اور علامہ سید حبیب شاہ پشاور شامل ہیں۔''تتمہ اخون یوسف'' پر آپ نے حواشی لکھے، جو صاحبِ حق صاحب رجڑ لے گئے۔آپ کے پوتوں میں محمد شفیع اور محمد قاسم موجود تھے۔جب علماء یاغستان وسرحد اکٹھے ہو جاتے تو آپ مولانا نجم الدین ہڈے صاحب کی طرف سے وکالت کرتے تھے۔

حضرت مولانا احمد صاحب ہزاروی

.... م ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء

آپ سکند پور، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا عبداللہ بن شاہ ولی تھا۔ درسِ نظامی کی اکثر کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ مسجد چھتہ میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۷ شوال دوشنبہ ۱۲۹۸ھ کو مکان مدرسہ میں جو پہلا جلسۂ دستار بندی ہوا اس میں مولانا عزیز الرحمٰن دیوبندی کے ساتھ دیگر حضرات کے علاوہ آپ کی بھی دستار بندی ہوئی (۱)۔

آپ کے بارے میں وحید العصر ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی یوں لکھتے ہیں:

" وهذه العبارات قد أوقفني عليها الفاضل الجليل والعالم النبيل المولوي أبو الطيبات أحمد بن المولوي عبدالله، السكندر فوري الهزاروي، حين حضر عندي لتكميل بقية كتبه، كشرح ملخص

(۱) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب: فتاوی دارالعلوم دیوبند، کامل مبوب دیوبند، مطبوعہ ۱۳۶۶ھ، مقدمہ طبع ثانی، ص:۱۵۔

چغمني وغيره ذالك و أقام في مجالس درسي مدة وحصل عندي ماحصل برهة وهو الذي أصّر علي لتاليف رسالة في ما هنالك(۱)''۔

آپ کے بارے میں ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی یوں رقم طراز ہیں:

''دیوبند کے ابتدائی تلامیذ سے ہیں۔ کچھ عرصہ وہاں درس بھی دیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس کے شاگرد تھے ...... پرانے ہندوستان کی علمی مجالس میں ''مولوی احمد فاضل سکندر پوری'' کے نام سے مشہور تھے''(۲)۔

اور مولانا حکیم عبدالحئی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل القاضي أحمد بن فلان الحنفي الهزاروي أحد العلماء الصالحين. ولد ونشأ ب "هزاره" وقرء أكثر الكتب الدرسية على والده، ثم سافر إلى ديوبند وأخذ عن أساتذتها في المدرسة العالية، ثم رجع إلى بلاده وولي القضاء، وحصل له القبول العظيم في بلاده وهو اليوم مشتغل بالقضاء والتدريس"(۳).

(۱) مولانا ابوالحسنات عبدالحئی: ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ، مطبع مصطفائی، ص:۳۶، ۳۷۔

(۲) ڈاکٹر شیر بہادر پنّی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء لاہور، باراول، ص:۲۶۷۔

(۳) مولانا حکیم عبدالحئی الحسنی، نزہۃ الخواطر، ج:۸، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ص:۳۸۔

وصال

عمر بھر تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء بروز اتوار آپ کا وصال ہوا اور سکندر پور کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

ایک اور مقام پر ہزارہ کے ممتاز علماء میں آپ کا نام آیا ہے(۱)۔

(۱) مولانا فیض احمد: سوانح پیر مہر علی شاہ، ص:۲۱۸۔

مولانا محمد ایوب محدث پشاوری

۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء............۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء

آپ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء کو ”زخی چار باغ“، ضلع پشاور میں مولوی لطیف اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے ”بے سوڈ“ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر علاقہ کے ممتاز علماء مولانا سعید احمد المعروف بہ کافور ڈھیری، مولانا صاحبزادہ اتمان زئی سے تکمیل کی۔ دورۂ حدیث کی تکمیل مولانا صاحب ڈاگئی، یار حسین ضلع مردان سے کی(۱)۔

فراغت کے بعد حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، تو وہاں شیخ عباس بن جعفر بن الصدیق الحنفی المدرس الخطیب بالمسجد الحرام سے بھی اجازۂ حدیث حاصل کی۔

تدریسی خدمات

حج سے واپسی پر مدرسہ تعلیم القرآن مسجد جٹاں پشاور میں کریم بخش سیٹھی کی وساطت سے صدارتِ تدریس پر فائز ہوئے اور ۳۴ سال کے قریب اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ج:۱، ص:۱۷۲۔

''۱۲۹۰ھ سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک حضور ﷺ کی حدیث شریف کی اس علاقہ میں اشاعت وترویج آپ ہی کی کوششوں کی مرہون منت ہے۔ صوبہ سرحد، وزیرستان، قندہار، بخارا، غزنی، ہرات، سوات، باجوڑ اور تمام علاقوں سے سینکڑوں طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوئے اور فارغ التحصیل ہوکر لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے (۱)۔

تصنیفی خدمات

تدریس کے ساتھ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

شرح نخبۃ الفکر اور شرح تہذیب پر حواشی، رسالہ هـــــــداية الـمسـلـمين لزيارة سيد المرسلين، مواهب المنان في مناقب أبي حنيـفة الـنـعمان، دار الحكمة في ظهر الجمعة، حديقة النصيحة فـي الـخـلة والعزلة، عيون الأدله لروية الأهله، حلية الأولياء وجلوة الأصفياء، تحفة الفصول في الاستغاثة بالرسول(۲).

---

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ج:۱، ص:۱۷۳، ۱۷۴۔

(۲) اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی امیر شاہ قادری نے کیا ہے۔ کتاب کا صحیح نام "تـحـفة العلماء الفحول في الاستعانة بالرسول" ہے۔ استغاثہ غلط لکھا گیا ہے۔

اس طرح مختلف مسائل پر آپ کے کئی رسالے لکھے ہوئے ہیں اور آپ کی تمام تحریریں عربی میں ہیں'' (۱)۔

مولانا حکیم عبدالحیٔ الحسنی آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

" مولانا أيوب البشاوري

الشيخ العالم الفقيه أيوب بن لطيف الله الحنفي البشاوري أحد كبار العلماء. له مصنفات بالعربية، منها: تحرير الفوئد في تقسيم العقائد، والعقود الدرية في الرد على الموجودية، أسفار المسئلة في أسرار البسملة، وتعليم الغبي في إمامة الصبي، وبذل الهمة في نفع الميت، وضياء النبراس في حكم شرح الرأ س ورحمة الأحد في سنة اللحد، والدرة المضية في ضيافة التعزية، والدر المصون في حكم النفع بالمرهون، وتبيين المسئلة في تحسين المشورة، ومصباح الضياء في حقيقة الربو، والدر النضيد في مصلى العيد، و تحقيق الإجابة في الدعوات المستجابة، ومختصر الكلام في سدّ ذرائع الحرام، وعمدةالنصر في تاخير العصر''(۲).

---

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، بار اول، ج:۱، ص:۱۷۵۔ (اس اقتباس میں آپ کی سات کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے)۔

(۲) مولانا عبدالحیٔ الحسنی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، بار اول، ج:۸، ص:۸۷، عدد:۸۶۔ اس اقتباس میں آپ کی ۱۵ کتابوں کا تذکرہ ہے، دونوں کو =

آپ کی دو اور کتابوں (ثبت الأسانيد في رواية المسانيد اور القضاء الشرعي في القضاء العمري) اور شرح ''خیالی'' کا علم ہوا ہے(۱)۔

وصال

۷ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ھ بروز بدھ عشاء کی نماز پڑھتے ہوئے ۸۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی گاؤں ''زخی چار باغ'' میں دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند: محمد نعمان اور مولوی حکیم عبداللہ جان تھے(۲)۔

= ملانے سے ۲۲ کتابیں بنتی ہیں۔

نیز صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تاریخ وفات اور مزید حالات سے لاعلمی کا اظہار حاشیہ میں کیا ہے۔

(۱) روایت مولانا حسن جان المدنی، ایم اے، شیخ الحدیث دارالعلوم عربیہ ٹل، کوہاٹ۔

(۲) مولوی حکیم عبداللہ جان کے ایک فرزند مولوی حکیم عبدالباری ''اتمان زئی'' میں مطب کرتے ہیں۔ (امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء، ج:۱، ص:۱۷۵)۔

ملّا صدیق پشاوری

............م ۱۹۱۹ھ

آپ کی ولادت و وفات کی تاریخوں کا علم نہیں ہوسکا۔ اعلیٰ تعلیم آپ نے میاں حکیم محدث دہلوی سے حاصل کی۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''ملّا صدیق مدظلہ............! عالم، فاضل، فقیہ اور محدث ہونے کے علاوہ یہ بزرگ بہت بڑے اصولی ہیں۔ نورالانوار، توضیح تلویح، مسلّم الثبوت، اشباہ ونظائر، مصفی امام غزالی محصول امام رازی، حسامی وغیرہ اصول کی کتابوں کے نہ صرف مضامین ہی پر وسیع نظر رکھتے ہیں بلکہ کتب اصول کی معتد بہ حصہ کی عبارتیں ازبر ہیں اور ''مغتنم الاصول فی علم الاصول'' اور ''مسلم الاصول'' کے تو حافظ ہیں''(۱)۔

آپ علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے(۲)۔

---

(۱) فضل حسین مظفر پوری بہاری: الحیاۃ بعد الممات، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، بار اول، ص: ۳۵۳ و ۳۵۴۔

(۲) مولانا امام خان نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور، مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی، ساہیوال، ۱۳۹۱ھ، بار اول، ص: ۱۱۶۔ (ممتاز تلامذہ میں نام آیا ہے۔ آپ کے ساتھ پشاور کے دو اور علماء حافظ رمضان اور قاضی طلا محمد کے بھی نام آئے ہیں)۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''حضرت میاں صاحب کا فیضان حدیث سرحد تک پہنچا(۱)۔حافظ محمد رمضان محدث، مولانا طلا محمد خاں اور مولوی محمد صدیق (مرحومین ،ساکنین پشاور)اس کے ثبوت میں پیش کیے جاسکتے ہیں''(۲)۔

وصال

۱۹۱۹ھ میں آپ کا وصال ہوا(۳)۔

(۱) میاں صاحب سے مراد میاں نذیر حسین محدث دہلوی ہیں۔

(۲) امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء، ص:۴۰۔

(۳) روایت مولانا قاضی محمد عبداللہ ایڈووکیٹ خانپوری۔

گل محمد مولانا ترنگ زئی، پشاوری

۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء......۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء

آپ ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء کو سلطان محمد کے گھر پیدا ہوئے۔قومیت کے لحاظ سے ''غلزئی'' تھے۔

ابتدائی تعلیم

مولانا صاحب چکیسر (سوات) ہند مولانا صاحب اور مولانا فضل قادر عرف ''نخہ ملاّ'' صاحب ساکن ترنگ زئی سے اکثر درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء کو مولانا محمود حسن شیخ الہند سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔

سند کے الفاظ یوں ہیں:

"أما بعد! فإن الأخ الأ مجد المولوي گل محمد قد دخل هذه المدرسة العالية في شهر شوال المكرم سنة ألف وثلاث مائة وعشر، فأقام زهاء سنة أو أكثر، وقرء في أصول الفقه التوضيح والتلويح وكتب حديث المعروفة با لصحاح الستة: الجامع الصحيح للإمام البخاري والصحيح للإمام المسلم و جامع الترمذي وسنن أبي داود والنسائي و ابن ماجه، فكتبناله هذه الورقة سنداً والوصية له: أن يتقي الله في

السرو العلانية ويشتغل بدرس العلوم الدينية و يتبع السنة السنية ويجتنب عن البدع القبيحة وأن لاينسانا عن الدعاء. وآخردعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين. حرر في تاسع عشر من محرم الحرام سنة ألف و ثلث مائة وإثنا عشر ،فقط محمود حسن"(۱).

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ لطیفیہ علی گڑھ میں چار سال تک منطق، ریاضی اور کتب حدیث زیر درس رہیں۔ واپسی پر ترنگ زئی (پشاور) استاذ مکرم مولانا فضل قادر کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے اپنی لڑکی کا عقد آپ سے کر دیا۔ ترنگ زئی میں عمر تدریس میں گزری۔ آغاز میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ آخر میں کئی سال تک درس حدیث وتفسیر ہی کا معمول رہا۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبدالرحمٰن جج ہائی کورٹ کابل شہید، مولانا فضل ربانی صاحب متھروی، مولانا محمد ابراہیم کاموی رکن جمعیۃ العلماء کابل، مولانا محمد اسحاق جلال آبادی، مولانا میر سید باجوڑی، مولانا امیر الدین باجوڑی اور طیب دین بنوی شامل ہیں۔

وصال: ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں آپ کا وصال ہوا اور ترنگ زئی میں تدفین عمل میں آئی۔ اولاد میں ایک فرزند مولانا عبدالحق فاضل دیوبند بقید حیات ہیں۔ آپ کا تذکرہ اور بھی کئی مقامات پر آیا ہے(۲)۔

(۱) آپ کا تذکرہ آپ کے فرزند مولانا عبدالحق صاحب سے بوساطت علامہ شمس الحق افغانی لیا گیا ہے۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۲،ص:۱۳۴(مولانا فضل ربانی کے اساتذۂ حدیث میں ذکر آیا ہے)۔

مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری(۱)

۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء......۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء

آپ ۱۴ جمادی الاخری ۱۲۶۸ھ/۴ اپریل ۱۸۵۲ء کو جناب محمد حسن کے گھر خانپور، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی ومتوسط تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر پنجاب میں پڑھتے رہے۔ زاں بعد مولانا سید عبداللہ غزنوی سے امرتسر میں استفادہ کیا۔ درس حدیث کی تکمیل علامہ سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے کی(۲)۔

علم طب کی تحصیل حکیم نورالدین بھیروی سے کی، جب کہ وہ جموں وکشمیر میں رہتے تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ خانپور میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر راولپنڈی محلّہ تالاب پختہ میں اپنا مکان بنایا اور وہیں مطب کے ساتھ تدریس کرتے رہے۔

مرزائیوں کے ساتھ کئی کامیاب مناظرے ومباحثے کیے۔ زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری۔ ۱۹۱۸۔۱۹۱۹ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۵ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ/۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو راولپنڈی میں انتقال ہوا اور

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا قاضی محمد عبداللہ صاحب ایڈوکیٹ مانسہرہ سے لیا گیا۔

(۲) فضل حسین مظفر پوری: الحیاۃ بعد الممات، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، عدد: ۲۵۰، ص: ۳۵۳، ۳۵۴ (علامہ سید نذیر حسین محدث کے ممتاز ترین تلامذہ میں آپ کا نام آیا ہے)۔

وہیں تدفین عمل میں آئی۔قاضی یوسف حسین صابر نے تاریخ وصال نظماً لکھی:

سنو صابر یہ کیا نغمے ہیں غل میں — عنادل چہچہاتی شاخ گل میں
لگی ہے بھیڑ کیا جنت کے پل میں — ہوا شور و فغاں بانگ دہل میں
کہ سال وصل بحر الہند بولو — گیا عبدالاحد باغ و نزل میں
۱۳۲۷ھ

اولاد

پہلی بیوی سے صرف ایک لڑکی صاحب اولاد ہوئیں۔دوسری شادی ’’کالومیرا‘‘نزد حویلیاں کے امیر حمزہ کی دختر سے ہوئی،لیکن ان سے بھی آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

علامہ عبدالحئ الحسنی لکھنوی آپ کا یوں تعارف کرواتے ہیں:

" الشيخ العالم الصالح عبدالأحد بن القاضي محمد حسن الخانپوري، أحد العلماء البارعين في الفقه والحديث. ولد عشاء ليلة الإثنين لأربع عشرة خلون عن جمادى الآخرة،سنة ثمان وستين ومائتين وألف، ونشأ في معهد العلم وقرء على أبيه، ثم أخذالحديث عن السيد نذيرحسين الدهلوي المحدث وصحب الشيخ الكبير عبد الله الغزنوي و استفاده منه"(۱).

(۱) علامہ عبدالحئ الحسنی: نزہۃ الخواطر،مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء،ج:۸، ص:۲۱۱۔تاریخ وفات سے لاعلمی کا اظہار بھی حاشیہ میں کیا گیا ہے۔

آپ علمائے اہل حدیث میں سے تھے(۱)۔

تصنیفی خدمات

۱......البیان والإغاثة:صفحات ۳۶،یہ کتابیں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے اشتہار کے جواب میں لکھا گیا(۲)

اور اس کے آخر میں پیر صاحب سے ۱۰ علمی سوالات بھی کیے گئے(۳)۔

۲......إقامة البرهان على بطلان التبيان:آپ کی کتاب’’البیان والاغاثۃ‘‘ کا جواب چھ ماہ میں حضرت گولڑی نے’’التبیان‘‘میں دیا۔اس جواب کا جواب ہے یہ کتاب۔اس کے دو حصے ہیں:پہلا حصہ بڑے سائز کے ۱۹۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔مطبوعہ شریف پریس راولپنڈی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ھ۔دوسرا حصہ ۱۹۱ تا ۴۰۰ تک ہے،اس کا نام”إزالة اللبس و الاشتباه عن حقيقةمذهب پير مهر علي شاه“ہے۔

۳......صمصام الموحدین: یہ بھی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب سے

(۱) امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند،دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء،ص:۱۹۰ (حافظ حکیم عبیدالرحمٰن عمرپوری کے اساتذہ میں)۔

(۲) آپ مرزائیوں کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے’’زیرہ‘‘ ضلع فیروزپور گئے ہوئے تھے،تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ پیر عبدالعلی مستالوی کے ایک اشتہار کے =

متعلق ہے۔ بڑا سائز صفحات ۲۳۸، مطبوعہ شانتی مشین ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء۔

۴...... التحقيقات الحقه الخانفورية لدفع التمويهات المزخرفة الگولڑوية: صفحات ۱۶، مطبوعہ مطبع شوکت اسلام بنگلور۔

۵......استفتاء مسائل عشرہ: صفحات: ۲۰، مطبوعہ ۸ جون ۱۹۱۵ء

۶......سوط الله العزيز الحكيم الباري على متن الحافظ عبد الكريم الأرى

= متعلق جوانہوں نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے فتوی جواز فرار عن الطاعون بغرض تبدیلی آب وہوا کے جواب میں شائع کیا، بجائے ان کا جواب دینے کے گولڑہ شریف سے جو اشتہار شائع ہوا، اس میں آپ قاضی عبدالاحد کو بھی مورد الزام ٹھہرایا گیا کہ یہ اشتہار عبدالعلی مستالوی کا نہیں، بلکہ ان کا لکھا ہوا ہے کہ اول الذکر میں اتنی قابلیت نہیں۔ یہ سب فتنہ پردازی اور رخنہ اندازی قاضی عبدالاحد خانپوری کی ہے۔

اس اشتہار کو دیکھنے کے بعد قاضی صاحب نے ۱۴، اگست ۱۹۰۷ء کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو ایک رجسٹرڈ خط لکھا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ''میرا اس معاملہ (اشتہار) سے کوئی تعلق نہیں اور نہ عبدالعلی مستالوی کے ساتھ آپ کے سابقہ جھگڑے سے واقف ہوں۔ میں ابھی زیرہ سے واپس آیا ہوں اور میں حیران ہوں کہ یہ الزام مجھ پر کیوں عائد کیا گیا ہے۔ آپ اس کی تردید کریں، ورنہ میں مجبوراً قلم اٹھاؤں گا اور پھر آپ کو شکایت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ جب گولڑہ شریف سے کوئی تردید نہ ہوئی، تو عرصۂ انتظار کے بعد آپ میدان میں نکل آئے اور کئی کتابیں لکھ ڈالیں۔

(۳) حضرت پیر صاحب نے چھ ماہ میں ان سوالات کا جواب ''التبیان'' میں دیا۔

مطبوعہ آفتاب برقی پریس امرتسر ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء۔ بڑے سائز کے ۱۶۸ صفحات۔ یہ پیر عبدالکریم اللاری ساکن راولپنڈی کے رد میں ہے۔

اسی طرح پیر عبدالکریم کے رد میں ۱۶ صفحات کا ایک رسالہ: ''صرصر العاتية على عباد الجبت والطاغية'' بھی شائع ہوا۔

۷......السيف المسلول في نحر شاتم الرسول: مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں بڑے سائز کے ۴۴ صفحات۔

۸......اظہار مخادعۃ مسیلمۃ قادیانی: بجواب اشتہار پولس ثانی۔ یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتہار موسومہ ''الصلح خیر'' مطبوعہ ۵ مارچ ۱۹۰۱ کے جواب میں لکھی گئی۔ بڑے سائز کے ۲۲ صفحات۔

۹......إغاثة الملهوف المسجون في مصائد القادياني المجنون: در جواب رسالہ عجب خاں مرزائی، تحصیلدار ساکن زیدہ، مطبوعہ ماہ رجب ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء، صفحات ۸۰۔

۱۰......انتصار الصديق من الملحد الزنديق، صفحات ۱۶

۱۱......سنان الموحدين لدفع مطاعن الملحدين: انجمن خدام اسلام جموں کی طرف سے شائع کی گئی۔ صفحات ۳۴، مطبوعہ سٹیم پریس، لاہور۔

۱۲......النقض المتين على كلام المبين: مولانا ثناءاللہ امرتسری کے

رسالہ ''الکلام المبین'' کے جواب میں لکھی گئی۔صفحات ۸۰، مطبع صدیقی لاہور۔

۱۳...... القول الفاصل الفارق بين الكاذب في دعوى أهل الحديث والصادق: بڑا سائز، صفحات: ۲۸۰، مطبوعہ ساڈھورا، ۱۳۲۲ھ/۱۹۱۴ء۔

۱۴...... كتاب التوحيد والسنة في رد أهل الإلحاد والبدعة: صفحات ۴۸۰، مطبوعہ سرحد برقی پریس راولپنڈی، ۲۵ مارچ ۱۹۱۹ھ، مولانا ثناءاللہ امرتسری کے جواب میں۔

۱۵......الفيصلة الحجازية السلطانية بين أهل السنة و بين الجهنية الثنائية: حج کے موقعہ پر سلطان ابن سعود سے مکالمہ، صفحات: ۲۹۔

۱۶......الفؤس المصطفوية على رؤس الچهوهروية: یہ آپ کی آخری تصنیف ہے جو حضرت عبدالرحمٰن چھوہروی کے ۳۰ پاروں کے رد میں لکھی گئی ہے۔اس کا نام اور تہذیب آپ کے چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین کی طرف سے ہے (قلمی)۔

ایک اور کتاب میں آپ کا ذکر آیا ہے(۱)۔

(۱) مولانا فیض احمد: مہر منیر سوانح حیات حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، لاہور ۱۹۷۳، بار اول، ص: ۲۳۸، وص: ۲۵۶۔

آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''عقائد اور بالخصوص تصوف کے معاملے(۱) میں حکیم عبدالاحد خانپوری سے ان کا(۲) اختلاف ہو گیا، چنانچہ جوابی تحریروں کا سلسلہ شروع ہوا، جو بڑھتے بڑھتے افسوس ناک رخ اختیار کر گیا۔ چند تماش بینوں کی شوخئ نفس کے باعث یہ خالص مذہبی معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔نتیجہ تو بہر کیف ناگوار تلخی کے سوا کچھ نہ نکلا، تاہم اپنے اپنے دور کے دو بے مثال عالموں کی ٹکر میں علمی کمالات کا اظہار جانبین سے تحریری شکل میں ہوا اور ضخیم کتابیں وجود میں آ گئیں۔ اب کسی کے پاس وقت ہو تو ان کا مطالعہ کرے اور علمی استدلال کی جولانیاں دیکھے۔

حکیم عبدالاحد خانپوری رحمۃ اللہ علیہ عامل بالحدیث تھے۔طبّ کے علاوہ حدیث اور تفسیر پر گہری نظر رکھتے تھے۔محمد ایوب شاہ افغانستان کے شاہی طبیب تھے اور انہی کے ساتھ نظر بند ہو کر پنڈی آئے۔ چند دن بعد نظر بندی ختم ہو گئی اور انہوں نے جامع اہل حدیث کے ایک بوسیدہ حجرہ میں مطب کھول لیا۔ اسی شکستہ جو میں انہوں نے ایک طرف معرکہ آراء معالجات کے باعث شہرت

(۱) اختلاف کی صحیح وجہ وہ ہے جو پہلے ذکر کی گئی۔مصنف کو چونکہ تفصیلی علم نہ تھا، اس لئے اسی طرح لکھ دیا۔

(۲) ''ان کا'' سے مراد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ہیں۔

پائی تو دوسری طرف علمی کمالات کی دھاک بٹھائی۔ ۱۹۲۷ھ میں حج سے واپسی پر انتقال ہوا(۱)۔ ان کی رحلت کی خبر گولڑہ شریف پہنچی تو اس وقت حضرت پیر صاحب چائے پی رہے تھے۔ پیالی ہاتھ سے رکھ دی، آنکھ بھر آئی، کسی معتقد نے کہا: اچھا ہوا ہمارا مخالف چل بسا۔ حضرت نے اسے جھڑکا اور کہا: مقام گریہ ہے۔ علم کا وہ آفتاب آج غروب ہوا ہے جس کی جگہ لینے والا مشکل ہی سے پیدا ہوگا''۔

اللہ اللہ! کس اخلاق کے لوگ تھے۔ معاصرانہ چشمک کو وقتی وآنی معاملہ سے زیادہ نہ سمجھتے اور ایک دوسرے کے مقام سے واقف تھے''(۲)۔

(۱) آپ کا انتقال ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ہوا تھا۔ ۱۹۲۷ء سالِ وفات درست نہیں۔

(۲) عزیز ملک: راول دیس، راولپنڈی، جنوری ۱۹۷۰ء، بک سینٹر حیدر روڈ، راولپنڈی، ص: ۶۲، ۶۳۔

مولانا قاضی محمد صاحب خانپوری!(۱)

۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء............۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء

آپ ۴ شعبان ۱۲۷۰ھ/۳ مئی ۱۸۵۳ھ کو مولانا قاضی محمد حسن صاحب کے گھر خانپور، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں سید عبدالجبار غزنوی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی سے تعلیم حاصل کی۔ معقولات کی کتابیں مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی سے پڑھیں۔

دورۂ حدیث کی تکمیل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ھ میں ان سے سند حاصل کی(۲)۔ علم طب کی تحصیل مع برادر بزرگ قاضی عبدالاحد جموں وکشمیر جا کر حکیم نورالدین بھیروی (سرگودھا) سے کی۔ تکمیل کے بعد وطن آئے تو درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کافی لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ۱۸۹۵ھ میں مولوی عبدالمجید صاحب کی مسجد واقع صدر پشاور میں خطابت کے ساتھ حدیث کی تدریس جاری رہی۔ پٹھان طلبہ کو پشتو کے بجائے فارسی زبان میں پڑھاتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں واپس خانپور آئے

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند قاضی محمد عبداللہ صاحب ایم، اے ایل ایل بی سے لیا گیا ہے۔

(۲) فضل حسین مظفر پوری: الحیاۃ بعد الممات، (سوانحی تذکرہ مولانا سید نذیر حسین محدث) مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶/ ۱۹۰۸ء، عدد: ۲۴۹، ص: ۳۴۹، پر ان کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اور دوبارہ مسند درس کو زینت دی۔

کچھ عرصہ بعد جامع اہل حدیث راولپنڈی کے خطیب مقرر ہوئے۔ درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ نے کئی ایک کامیاب مناظرے بھی کیے۔

انتقال

آخر میں خانپور آگئے اور پھر وہیں ۶ جمادی الآخرۃ ۱۳۴۸ھ/۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو انتقال کیا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔ چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین نے تاریخ وصال نظماً لکھی، اس کا آخری شعر یوں ہے:

خلد منزل ہوا گرامی قدر (۱۳۴۸ھ)   خلد منزل ہے عالم یکتا (۱۳۴۸ھ)

اور "وجوه يومئذ ناعمة" سے بھی تاریخ وصال نکالی۔

اولاد

۱: قاضی محمد عبداللہ، ایم۔اے (عربی)، ایل ایل بی ایڈووکیٹ مانسہرہ۔
۲: قاضی عبدالرحمٰن۔ ۳: قاضی محمد اسماعیل۔ ۴: قاضی محمد یعقوب۔ ۵: قاضی محمد اسحاق۔ ۶: قاضی محمد یوسف اور تین دختران ہیں۔

علامہ سید عبدالحئ الحسنی آپ کا تعارف یوں کراتے ہیں:

"الشيخ العالم الصالح محمد بن القاضي محمد حسن

الخانپوري أبو عبدالله. كان من العلماء المبرزين في الفقه و الحديث والعربية. ولد يوم الأربعاء في العشرة الأولى من رمضان سنة سبعين ومائتين وألف(۱). وقرء العلم عن والده وعلى غيره من العلماء، ثم أخذ الحديث عن السيد نذير حسين الدهلوي المحدث واستفاض من الشيخ عبدالله الغزنوي فيوضاً كثيرة، وكان تلو أخيه القاضي عبدالأحد في القراء ة والسماعة إلا أنه صحب السيد نذير حسين المذكور أكثر منه بِسَفَتين، كما في "تذكرة النبلاء"(۲).

(۱) عبدالحئ: نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۹۹، اس اقتباس میں آپ کی تاریخ ولادت نہیں دی گئی۔ راقم نے صاحب تذکرہ کے فرزند سے مواد لیا جو ان کے ہاں محفوظ اور مکتوب تھا۔

(۲) مولانا عبدالحئ الحسنی کے فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جن کے اہتمام سے "نزہۃ الخواطر" کی جلد ۸ حیدرآباد دکن سے طبع ہوئی، انہوں نے حاشیہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہمیں ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

مولانا سیّد ریحان گل پشاوری

م ۲۰ شوال ۱۳۵۱ھ/ جنوری ۱۹۳۳ء

آپ پشاور میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا علم نہ ہوسکا۔ آپ کی تعلیم کی تفصیلات کا پورا علم نہیں ہوسکا۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''علامہ سید ریحان گل صاحب قریشی بانی جامع مسجد قریشی بجوڑی گیٹ متبحر عالم تھے اور جنہیں علوم معقولات ومنقولات میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ آپ احادیث، تفاسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے درس میں یک صد کے قریب طلبہ اطراف واکناف سے آکر علوم ظاہری وباطنی سے فیض یاب ہوتے تھے''(۱)۔

وصال

آخر عمر تک تدریس کرنے کے بعد ۲۰ شوال ۱۳۵۱ھ/ جنوری ۱۹۳۳ء کو وصال ہوا اور پشاور ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا نقیب احمد اوچوی نے آپ کے وصال پر عربی زبان میں ایک مرثیہ لکھا ہے:(۲)

سقى غيث غفران الإله بفضله ... ضريح فريد ماجد فى الأقائم

ومن شغله التدريس يوما لأهله ... ففيضانه في الناس نوة الخضائم

(۱) محمد زکریا، ایم اے: جامعہ اشرفیہ مسجد مہابت خان، روزنامہ مشرق پشاور، ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء، ص: ۷۔

(۲) مولانا نقیب احمد: حاشیہ گلستان سعدی، وصدائے اسلام ماہنامہ پشاور جنوری، فروری ۱۹۷۴ء، ص: ۵، ۶، ۷۔

اور آخری اشعار یوں ہیں:

فيا أيها الأحباب أدعوا تضرعاً ... لـغـفـر ان بحر العلم زين الأقالم

عـلـيـه سلام الله ماهبت الصبا ... وروح وريـحـان وشـم النسائم

ويـغـفـره الـرب الـرحيم بلطفه ... جـزاءاً يوفي من لدن خير دائم

اولاد

اولاد میں ایک فرزند مولوی عبدالودود اور ایک دختر چھوڑیں۔

مولانا قاضی یوسف حسین ہزاروی (۱)

۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء.........۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء

آپ بروز جمعہ ۲۸ جمادی الاخری ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء کو مولانا قاضی محمد حسن کے گھر ''خانپور'' ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے (۲)۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بھائیوں قاضی عبدالاحد اور قاضی محمد سے حاصل کی۔ سنن نسائی کا درس مولانا عبدالکریم عظیم آبادی سے علاقہ غیر میں لیا (۳)۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ۲۲ دن کے پاپیادہ سفر کے بعد دہلی پہنچے اور مولانا میاں نذیر حسین محدث سے ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۴)۔

علامہ حسین بن محسن انصاری سے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں دوسری سند

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا کچھ مواد آپ کے بھتیجے قاضی عبداللہ ایڈووکیٹ مانسہرہ سے بھی لیا گیا ہے۔

(۲) تاریخ ولادت آپ کے والد کے ایک عالم دوست غلام حسین نے فارسی اشعار میں یوں کہی ہے:

شد تولد بروز آدینہ	بست و ہشتم جمادی الاخری
پنج و ہشتاد و یکہزار و دوصد	سالہا بد ز ہجرت کبری
گل شگفتہ حسین ز باغ حسن	یوسفش نام کرد یا بشری

(۳) علاقہ غیر میں جہاں مجاہدین کا قیام تھا، وہاں جا کر ان سے حدیث کی کتاب ''سنن نسائی'' پڑھی۔

(۴) قاضی عبداللہ: تذکرہ قضاۃ خانپور (قلمی) و فضل حسین مظفر پوری: الحیاۃ بعد الممات، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، ص: ۳۵۳، عدد: ۳۴۸۔

حاصل کی۔ علامہ ابراہیم بن سلیمان المغربی مہاجر مکی سے ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں سند الاجازۃ لی اور علامہ بدرالدین شامی سے بغداد میں سند الاجازۃ حاصل کی۔ زیادہ عرصہ دہلی میں گزرا، پھر ''گنوّر'' ضلع بردوان یوپی چلے گئے، جہاں بہت سوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

حج: ۱۳ جولائی ۱۹۰۳ء کو گنوّر سے سوئے حرمین قصد کیا۔ بغداد سے ہوتے ہوئے ۱۴ دسمبر ۱۹۰۳ء کو حرم مکہ میں داخل ہوئے اور فروری ۱۹۰۳ء کو حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ حج سے فراغت کے بعد امام ابن تیمیہ کی کتاب ''منہاج السنۃ'' کی چاروں جلدیں نقل کر لیں۔

تدریس

۷ جولائی ۱۹۰۴ء کو واپس بغداد میں پہنچے اور جامع بغداد میں ۷ سال تک تدریس کی۔ آپ بہترین خطاط تھے۔ ذریعہ معاش کتابت ہی تھا (۱)۔ ۱۹۱۷ء کو واپس وطن آئے اور درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا (۲)۔

آپ علاقہ کے بہت بڑے حسابدان تھے گھڑی پر اسلامی وقت رکھتے تھے نیز آپ ''ربع المجیب'' کے مطابق سورج سے وقت درست کر لیتے تھے۔

(۱) ایک قرآن مجید، صحیح بخاری اور اعلام الموقعین کی کتابت آپ نے کی، جو دہلی سے شائع ہوئیں۔ (روایت قاضی عبداللہ ایڈووکیٹ)۔

(۲) اسی عرصۂ قیام میں دیگر شائقین علوم کے علاوہ راجہ منوچہر پسر راجہ جہانداد، م ۱۳۷۸ھ نے بھی ترجمۂ قرآن آپ سے پڑھا۔

وصال: ۶ صفر ۱۳۵۲ھ/یکم جون ۱۹۳۳ھ کو خانپور میں آپ کا وصال ہوا۔ اولاد زندہ نہیں رہی۔

شاعرانہ ذوق: آپ تینوں زبانوں: اردو فارسی اور عربی کے قادر الکلام اور پختہ شاعر بھی تھے۔ کہا گیا ہے کہ آپ علامہ اکبر الٰہ آبادی کے ساتھ دہلی کے مشاعروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ جو نظمیں ان مشاعروں میں پڑھی گئیں، وہ ادبی رسالوں میں شائع بھی ہوئیں۔ صابرؔ تخلص کیا کرتے ہیں۔

اردو نمونۂ کلام

جوہر شمشیر قاتل ہنس کے یوں گویا ہوا گر نہ زخم دل ترا اچھا ہوا اچھا ہوا
ورطۂ بحر جنوں میں کہہ رہا ہے مجھ سے قیس ایک زخم دل ہی سچا آشنا پیدا ہوا
جذبۂ عشق حقیقی نے دیا دل سے مٹا داغ جو عشق مجازی سے تھا کچھ ابھرا ہوا
یہ ہمارا ظرف ہے جو دیکھ کر نور صفات کہتے ہیں سبحانہ ہم عبد وہ مولا ہوا
کیا بھرے منصور سا ناداں بھلا عرفاں کا دم تھا اگر بھاری تو پھر کیوں دار پر ہلکا ہوا
کوئی میراں کا پجاری کوئی کلواپیر کا جان و دل سے شیخ سدو کا کوئی چیلا ہوا
پھر بھلا توحید کیوں گریاں نہو لیل و نہار جان کر خود پیر جب مخلوق کا بندہ ہوا
الغرض قرآن و سنّت دونوں ہیں کحل ہدیٰ جس نے یہ سرمہ نہ پایا عاقبت اندھا ہوا
حضرت احمد پہ قرباں ان کی سنّت پر فدا جو ہوا نا جی وہی کامل ہوا اعلیٰ ہوا
جو گریزاں ہو حدیثِ مصطفیٰ سے جان لو دعویٰ عشق رسالت میں وہی جھوٹا ہوا

محو ہے صابر ہمیشہ نشہ وحیین میں صحوادراک ملامت سے وہ بے پرواہ ہوا(۱)

فارسی نمونۂ کلام: اپنے استاذ سید نذیر حسین کی تعریف میں لکھتے ہیں (۲):

زغرب تا مشارق وراست صیت بلند دل منور او کردہ شرک را مقہور
ہر آنچہ درحق اہل عباست در قرآن ہمانست درحق ایں شیخ عالمین مسطور
امام اہل قرآن وحدیث وفقہ وکلام خطا چو شرق زمغرب زفکرت او دور
بہ نحو صرف و معانی زمخشری راشیخ خلیل نزد بحار لغات او عصفور
جو عتبہ بوس در اوست بوعلی سینا بز مرۂ علماء ش چرا کنم مذکور
اگر بدے نووی زندہ در زمانہ او زحب شیخ بدے زخم سینہ اش ناسور

اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ و ابن قیم دوراں برادران من اند وحیات شاں باقی
من حقیر کہ یوسف حسین نامندش تو گوئی کہ ہمیں بس زکہتراں باقی

اپنے بڑے بھائی قاضی عبدالاحد کی مدح میں بہ صفت توشیخ لکھتے ہیں کہ

ش: شاہ شاہان صاحب بذل جزیل ی: یا غفور المذنبین نامت جمیل
خ: خیر خواھم مر برادر راز تو ی: یسرکن بروے عیاں نعم الوکیل
ع: عالم علامہ حبر جلیل ب: بارع تکلامۂ وفاضل نبیل
د: دارس بنیاد دین احمدی ا: از زبان در فشانش شد ظلیل

(۱) ماہنامہ ''پروانہ'' بابت ماہ مئی ۱۸۹۹ء، ۸، جلد: ۳، ص: ۸ (ص ۷ پر فارسی نظم ۲۸ شعروں کی شائع ہوئی)۔
(۲) اس طویل فارسی نظم کے کل ۴۰ شعر ہیں، جن میں سے صرف ۶ بطور نمونۂ کلام لکھے گئے ہیں۔

ل:لاجرم پیشانیش رخشندہ بیں   ا:آب شہر خانپورش درجبیں

ح:حاضران مجلس درسش نجوم   د:در تجلی سبع سیارہ زدیں

ص:صابرا از خرمن برکات او   ا: اولین نوبت مبارک خوشہ چیں

ح:حاکم ازلی کہ روز رستخیز   ب: برمن مسکین کند فضل متین(۱)

نمونۂ کلام عربی: اسی صنعت توشیح میں اپنے دوسرے بڑے بھائی قاضی محمد کی مدح میں بزبان عربی لکھتے ہیں:

ق: قد أجاب الناس كلهم على   ١: أن الهدى هدى النبيّ المجتبى

ض: ضابط اخيار من خضعت له   ى: ياواع اعناق الورى ممن أبى

ا: اسس البنيان من سنن النبيّ   ل: لم يأل جهدا راغبا في المصطفى

ق: قارع اذان صم العالمين   ض: ضارب أعناق أفهام العدى

ا: أم تقولون الحديد أردته   ت: تكذبون على صمصام الهدى

ا : أم زعمتم أنه فظ فقه   ل: للسان ولاتمل نحو الهوى

ب: بالملام عليه واحذر ربكا   ر: ربنا الخلاق عالم مانوى

ق :قل فيا صابر لست بكاذب   ط: طعم الهدى ذق راضيا أي ذا الجوى (٢)

مولانا سید داؤد غزنوی کے والد مولانا عبد الجبار بن عارف باللہ سید

---

(۱) نظم کے مصرعوں کے اوائل حروف بالترتیب ملا کر پڑھے جائیں، تو ''شیخی عبد الاحد صاحب'' بنتا ہے۔اس کو ''صنعت توشیح'' کہتے ہیں۔

(۲) اس میں حروف ملانے سے ''قاضی القضاۃ البرقسط'' بنتا ہے۔

عبد اللہ غزنوی کا مرثیہ لکھا(۱)۔اس کے چند اشعار اس طرح ہیں:

عبيد جبارن بشر وأرق في ظلل   من الغمام وقد جاء تك طيبات

نعم الإمام الكريم بن الكريم مضى   واستقبلته من الرحمن جنات

وكيف لا، وإمام المرسلين له   جد له منه هشات وبشات

وقد غدت أرض أمرت سر كمقبرة   لا حي فيها ولالأحزان تارات

ياويح يوسف حسين المستريح مضى   وأنت لم تسترح منك البريات

تصنیفی خدمات:

۱.....**تقویم دار العلوم دہلی، مطبوعہ ۱۹۰۷ء دہلی، صفحات:۱۶**

۲.....**ترویح الموحدین (ایک رسالہ کے جواب میں ہے) صفحات:۳۲**

۳.....**اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع، صفحات: ۲۵، مطبوعہ مطبع کرزن دہلی ۱۹۰۷ء**

۴.....**اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع، صفحات: ۴۰، مطبوعہ مطبع کرزن دہلی ۱۹۰۷ء**

۵.....**زبدۃ المقادیر (اس میں شرعی اوزان کی تحقیق کی گئی ہے)(۲)۔**

۶.....**دعوۃ الحق (عربی) (اس میں باب الایمان، باب الطہارۃ اور باب الصلوۃ سوالا وجوابا لکھے گئے ہیں۔۱۹۱۴ء میں کرزن پریس دہلی سے شائع**

---

(۱) اس مرثیہ کے کل ۱۴ اشعر ہیں، یہاں صرف ۵ دیئے گئے ہیں۔

(۲) علامہ عبد العزیز میمن نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ ''ان کی علمیت زبدۃ المقادیر سے ظاہر ہوتی ہے''۔(روایت عبد اللہ قاضی ایڈووکیٹ)

ہوئی)۔

۷......أيد الحوب بأكل ما بقى من الكسب الحرام بعد التوب، **مطبوعہ ۱۳۳۲ھ، صفحات:۸**

۸...... جواب فتوی (مولوی حبیب اللہ) اس میں حرمت سود کا بیان ہے۔ صفحات:۸۔

۹......العقیدۃ الواسطیۃ للإمام ابن تیمیہ، اردو ترجمہ۔ (غیر مطبوعہ)

۱۰...... القول الحق في أن رفع الأيدى للدعاء بعد المكتوبة ليس بحق. **(غیر مطبوعہ)**

۱۱......عقائد اہل حدیث (غیر مطبوعہ)

۱۲......حلال وحرام شرعی (غیر مطبوعہ)

۱۳...... كتاب ذم الموسوسين، **لابن قدامۃ المقدسی حنبلی کا اردو ترجمہ ''وسواس کا ستیاناس'' (غیر مطبوعہ)**

۱۴...... عقيدة السلف وأصحاب الحديث، **لشیخ الاسلام الصابونی، م ۴۴۹ھ، کا اردو ترجمہ (غیر مطبوعہ)**

۱۵......تفسیر کبیر کا عربی سے اردو ترجمہ، بلکہ پہلے چھ پاروں کی تلخیص ہے۔ صفحات: ۳۲۸، مطبوعہ کرزن پریس دہلی۔

۱۶......الجوائز والصلات في أسانيد الكتب والأثبات، **تمام**

کتب احادیث وتفسیر کی سندیں لکھی گئی ہیں۔ (قلمی) صفحات: ۱۷(۱)۔

مولانا حکیم عبدالحئ لکھتے ہیں:۔

"الشيخ العالم يوسف حسين بن القاضي محمد حسن الهزاروي الخانپوري أحد العلماء المبرزين في النحو والعربية، ولد صحوة الجمعة لليلتين بقيتا من جمادى الآخرة سنة خمس وثمانين ومأتين وألف، بقرية خانپور من أعمال هزاره، وقرء العلم على أبيه وصنويه القاضي عبد الله وعبدالأحد والقاضي ابى عبدالله محمد، ثم رحل إلى أفغانستان سنة إحدى وثلاث مائة وألف. أدرك بها الشيخ المجاهد عبدالكريم بن ولايت علي العظيم آبادي، فقرء عليه سنن النسائي وغيره، وصحبه سنة وستة أشهر، ثم رجع إلى بلاده وأقام بوطنه نحو سنتين، ثم سافر إلى دهلي جناح الشوق راجلا، فوصل إليها في إثنين وعشرين يوماً في شهر الله المحرم سنة ستة وثلاث مائة وألف، ولازم دروس السيد المحدث نذير حسين الدهلوي، وقرء عليه الحديث، وأخذ عن شيخنا حسين بن محسن الأنصاري أيضاً وعن الشيخ إسحاق بن عبدالرحمن بن عبدالله بن

---

(۱) آپ کی تمام تصانیف آپ کے بھتیجے قاضی محمد عبداللہ ایم اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ مانسہرہ کے پاس محفوظ ہیں۔

عبدالوهاب النجدي وعن الشيخ إبراهيم بن سليمان المهاجر المكي وكلهم أجازوه عند وروده مدة دهلي.

وله مصنفات، منها: إتمام الخشوع بوضع اليمين على الشمال بعد الركوع بالعربية وأخرى بالهندية. وله: زبدة المقادير: رسالة في معرفة الأوقات. وله قصائد بالعربية ومن شعره:

سلی یا سلیمیٰ كل ذي المجد عن ذكري ... أذو شرف مثلي عهدت بذا القطر
أخو الهمة العلياء أصيل مكرم ... ولي عهود المكرما ت مع الفخر
شديد على أهل الضلالة غائظ ... وبين أصاحيب الهداية ذوالبر
صبور على البأساء والضر التوى ... وليس على رزء المذلة ذا صبر
وآباء نا من أشرف القوم سادة ... كرام أولي المجد الموثل الذكر

وله رحمه الله:

غاب عقلي بسورة الغفلات ... وتلا العطب عائد السكرات
ياصباحا من محنة ياصباحا ... صبحتي بنكبتي زلاتي
وبِعاد الحبيب أمسي بيأس ... كيف أصبحت كيف أمست هناتي
عوقتني عن موطني وقبيلي ... أن هذا لأعظم النائبات
هوت الريح في مكان سحيق ... بی فأين المحيص عن سوآتي

أبعدتني عن كل ما أهواه ... عن عهود الحمى وعن أمهاتي (۱)

آپ کے اور قصائد بھی شائع ہوئے۔(۲)

میرے سیلاب اشک چشم سے آب آب طوفان تھا
بگولا گردش قسمت سے مری خس بنداں تھا
کبھی فرہاد اور شیریں کبھی مجنوں کبھی لیلیٰ
کبھی وامق کبھی نل عشق کا طفل دبستان تھا
مگر مقصود تک کوئی نہ پہنچا منتہی ہوکر
جسے دیکھا وہی ابجد کا آخر تک سبق خواں تھا

---

(۱) مولانا حکیم عبدالحئ الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج: ۸، عدد: ۵۵۶، ص: ۵۲۶، ۵۲۷۔ (مصنف کے فرزند مولانا ابوالحسن الندوی نے حاشیہ میں اعتراف کیا ہے کہ ہمیں ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا)۔

(۲) فضل حسین مظفرپوری بہاری: الحیاۃ بعد الممات، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، باراول (میں علامہ سید نذیر حسین محدث کے متعلق آپ کے کئی قصائد ان کے اس سوانحی تذکرہ میں ص: ۲۵۸و۲۵۹ پر شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۵۳و۳۵۴ پر ان کے ممتاز تلامذہ میں ۳۴۸ ویں نمبر پر یہ عبارت ہے: ''مولوی ابواسماعیل یوسف حسین خانپوری، قابل، فاضل اور ادیب ہیں'')۔ ''پروانہ'' دہلی نومبر ۱۸۹۸ء، ص: ۱۱ پر ولی اللہ انصاری گنوری کا ۱۶ اشعروں میں بزبان فارسی مرثیہ شائع ہوا۔ اسی طرح اس کے ص ۱۲ پر فارسی نظم اور ص: ۱۳ پر ۲۶ ا اشعار کی عربی نظم شائع ہوئی۔

مگر کالج سے ابراہیم کے پائی سند جس نے
یہی اک دل جلا پروانۂ شمع شبستان تھا
مآل عاشقی وعابدی واحد ہے گر دیکھو
جو عاشق حق کا تھا واں آکے یاں وہ عبد یزداں تھا
جسے معشوق ٹھرایا خدا ٹھہرادیا اس کو
اسی کے دور کرنے کو نزول پاک قرآن تھا
حقیقت میں وہی صادق ہیں جو عاشق خدا کے ہیں
جسے دیکھا رہین ماسوا مرہون شیطان تھا
اٹھایا خضر کا انبار احساں کیوں سکندر نے
جو رکھتا کچھ بھی ہمت دل میں اس کے آب حیوان تھا
اولو العزمی خلیل اللہ کی دیکھو کہ آتش میں
نہ امداد ملک مانی نہ مرنے سے حراساں تھا
جو ہوتی ایسی پامردی تو کچھ خطرہ نہ تھا تجھ کو
کہ ہمرنگ ابراہیم ایک تو بھی نوع انسان تھا
اس امت میں مقدس ایسے ایک شیخ المشائخ تھے
کہ جن کا نام عبدالقادر محبوب سبحان تھا
کمالات نفوس ان کے نہیں محتاج لکھنے کے

یہی بس ہے لقب ان کا مسلم پیر پیراں تھا
محبت کے مزے نے پانی پانی کردیا مجھ کو
کہ میں تھا اور مرے سر پر سحاب سنگ طفلاں تھا۔(۱)

....

وہ کس کا دیکھتے ہیں جلوہ عاشق دور ساغر میں
جو جی اٹھتے ہیں مرمر کر ستم کی ایک ٹھوکر میں
ارادت گاہ عالم ہوں جو پہنچوں صحن محشر میں
سقر سے بھاگے مالک ایک ہی اللہ اکبر میں

....

صبا مت چھیڑ اس کافر کی گیسوئے معنبر کو
کہ پھنس جائے گا اک عالم بھٹک کر دام اژدر میں
بے ہوشی کا باعث ہے کہ سنبھل اس کو ہم باندھیں
بھلا کچھ بھی تو ہو فرق افعی وزلف معنبر میں
یہ اس کے ترکش شہلا کے تیر نیمکش دیکھو
جگر میں پھر پھرا کر کیا رفو کرتے ہیں دم بھر میں
نہ ٹھیرے رائے کی انداز سب منظور ہیں باقی

---

(۱) ''پروانہ'' دہلی، بابت جون ۱۸۹۹ء، ج:۳،ص:۵۔

میں کافر ہوں اگر ہوں رخنہ گر حکم پیمبر میں

نگاہیں ترچھی ترچھی اور ادائیں ٹیڑھی ٹیڑھی ہیں

ہے قامت میں قیامت برق ہے چشم وسونگر میں

نظر قدموں پہ ہے میری قدم زنجیر کے قیدی

ہلالی پشت سے جاتا ہوں کوئے مہر انور میں

مژہ کی ناوک اندازی کے ڈھب سب سے نرالے ہیں

کہ خود جا کر لپٹ جاتے ہیں سینے تیر کے پر میں

زمیں وآسمان ہر چند چکراتے نظر آئیں

مگر دراصل میرے پاؤں ہی رہتے ہیں چکر میں

ہمارے آتشیں دم سے جگر تڑپے جہنم کا

سمندر ایک قطرہ ہے ہمارے دیدۂ تر میں

ادھر ہیں حضرت شوکت مثیل حضرت غالب

ادھر ان کے مصاحب حضرت صابر ہیں ٹکر میں(۱)

....

عاشق کا تھا یہ سر حجر آستاں نہ تھا   عاشق کا تھا یہ دور جگر آسمان نہ تھا

سدرہ کے تھے وہ جلوے جو دیکھے حبیب نے   بکتا ہے یا وہ گو خلل لامکاں نہ تھا

(۱) ''پروانہ'' دہلی، جنوری ۱۸۹۹ء، ج:۳، ص:۲۰۔

سدرہ نہ تھا وہ سدّ راہ عقل کل تھا کیا   کچھ منتہی میں اس کا مفسر بیاں نہ تھا

اک مد آہ بدرقۂ راہ عرش تھی   کچھ زادرہ کا نفس پہ بارگراں نہ تھا

معراج طور دونوں برابر ہیں قدر میں   کیا سن ترانیوں کا یہاں پر بیاں نہ تھا

کیا کیا سناویں کیا نہ سناویں شہود کی   گہوارۂ عدم میں بھی کوئی نہاں نہ تھا

بادخزاں جو آئی تھی فصل معاد کی   دیکھا تو اپنی جا پہ کوئی آستاں نہ تھا

اٹھتے ہی بلبلوں کے نرے خار رہ گئے   اک سحر عندلیب کا تھا گلستاں نہ تھا

مضمون میرے ہیں کہ وہ نہ سوجھے قتیل کو   افسوس پہلے جو ہر شوکت عیاں نہ تھا

کہتے تھے ریختہ میں ہندی اٹھائیں فیض   مجبور تھا کہ صابر از اہل لساں نہ تھا(۱)

یہ صنعت توشیح

ش: شرق سے غرب تک انوار ہیں کن کے ان کے

ی خ: خال دل خازن اسرار ہیں کن کے ان کے

ن: نام مشہور ہے ہر علم میں اب تک جن کا

ا د: آج دیکھا تو وہ اوتار ہیں کن کے ان کے

ب: بے تکلف یہ فصاحت کے مسلسل لو لو

دا: ان دنوں زینت اسفار ہیں کن کے ان کے

د: دل تو حاسد کا بھی شاہد ہے کہ معجز ہیں مگر

(۱) ''پروانہ'' دہلی، بابت ستمبر ۱۸۹۸ء، نمبر:۱۲، ج:۲، ص:۱۲۔

ری: یہ قیامت کے سے آثار ہیں کن کے ان کے

س: سادہ وضعی پہ یہ انواع محاسن کی بہا

اح: حاش یہ قدس کے اطوار ہیں کن کے ان کے

م: منتقل صلب سے مہدی نہو عیسی موجود

د ح: حاش للہ یہ افخار ہیں کن کے ان کے

س: سر وحدت کا تو لاہوت تھا مدت سے وطن

ن ص: صدقے شوکت کے ہوں یہ وار ہیں کن کے ان کے

ا: اللہ اللہ کہ رفرف کے مقدس ارواح

ح ب: باصد اشواق دل افکار ہیں کن کے ان کے

م: مجد کن کا ہے حسب کن کا ادب کن کا تاج

ج د: دود مان قلزم زخار ہیں کن کے ان کے

د: دولت حبّ سنن بغض بدع نور حیا

ال: لطف یہ سارے سزاوار ہیں کن کے ان کے

و: واقف سر الست آمد وآورد سے فوق

ق ت: تاج زیب درشہوار ہیں کن کے ان کے

ش: شیخ توحید ومحدث متحمل خوش خو

وک: گہرا دل سے پرستار ہیں کن کے ان کے

ت: تاب کس کو کہ کہے ترے مضامین کو سقیم

م ص: صحت ایجاد یہ افکار ہیں کن کے ان کے

ل: لوح گردوں یہ ترے حسن کی شمعیں لائے

ح ا: آسماں زیب یہ سیار ہیں کن کے ان کے

ل: لخلخہ بیز صلا غالیہ ریزاں ناموس

س ن: نہ کہتا چوں گل گلزار ہیں کن کے ان کے

ہ:: ہفت افلاک سراسیمہ بچشمان نجوم

م ش: شیشہ سان شائق دیدار ہیں کن کے ان کے

ر: روی روشن پہ محاسن ہیں کہ کشت اخلاق

ق ی: یاسمین آب سے سرشار ہیں کن کے ان کے

ہ: ہر زمانے میں مجدد تو ہوئے ہیں پیہم

م د: دمدمے ہمدم کرار ہیں کن کے ان کے

ظ: ظاہرًا نام مجدد ہے بتوشیح حصول

ل ہ: ہم بھی صابر سے طلب گار ہیں کن کے ان کے(۱)

ولی اللہ انصاری گنوری کا مرثیہ ان الفاظ میں لکھا کہ

---

(۱) ''پروانہ'' دہلی، بابت جنوری ۱۸۹۹ء، نمبر:۲، ج:۳، ص:۸ (شیخنا ابوادریس احمد حسن صاحب مجدد الوقت شوکت مصلح السنۃ مشرقیہ مدظلہ بنتا ہے)۔

این فغا نیکہ دما دم زدم ما خیزد　　شورحشرے است کہ بر عالم بالا خیزد
نہ فقط نالۂ ما دودشر رہا ریزد　　دود آہے زتہ عرش معلیٰ خیزد
ظلمت ماتم آن شیخ ولی اللہ بیں　　ظلمتے نے کہ ز تاریکی شبہا خیزد
غارت روشنی چشم جہاں است ایں غم　　ہر دم از دیدہ زخون سندھ کرشنا خیزد
اشک شد رشک دہ ابرے مطر نیساں　　آہ چوں برق جہاں سوز زلبہا خیزد
چیدۂ شیعۂ انصار چناں مرد خدا　　ستم اے چرخ کہن کو زیر ما خیزد
طالع قصبہ گنور نگوں است امروز　　جور ایں گونہ نہ از اہل مدارا خیزد
حقہ گو ہر تقوی ونجابت بردی　　سزدار نالۂ پر سوز زدلہا خیزد
پدر واہیہ ودخت و برادر ہمشیر　　ہر کس از درد سراسیمہ زہر جا خیزد
ایں چنیں قطب گراں نمایہ ملائک سیرت　　قدسیاں جملہ سراسیمہ کہ حاشا خیزد
زیر بار کرمش ہرکس وناکس دیدم　　از لب ہر کہ مہ نالہ وویلا خیزد
در بدیواں ہمہ را بود طفیل انجاح　　کیست اکنوں کہ بحالش بمواسا خیزد

....

بود غمخوار ہمہ دوست کہ دشمن باشد　　آں کدام است کہ غمخوار مرا در خیزد
بود عالی ہمم وعالم بالاطے کرد　　روح ہر سو زتپش بہرمحزا آخیزد
عزم تاریخ وفاتش چو نمودم ہر سو　　از پئے تعزیہ مضمون شرر را خیزد
ناگہاں صابرا از افغاں جہانسوز شنید　　حیف اے قوم کہ خواجہ زہر ما خیزد (۱)

اپنی والدہ کا مرثیہ یوں لکھتے ہیں:

(۱) ’’پروانہ‘‘ دہلی، نومبر ۱۸۹۸ء، نمبر: ۲، ص: ۱۱۔

شورش حشر سے کیا کم میرا فغاں ہوگا　　تیرا اے چرخ جو دربار کو چالان ہوگا
میں غریب الوطن اس پر یہ مروت تیری　　دیکھ لینا ہدف نالۂ سوزاں ہوگا
عالم قدس کی رونقوں کی تجھے خواہش تھی یہ　　یہ نہ سمجھا کہ مجھے یاں الم جاں ہوگا
حضرت والدہ ماجدہ کیا فوت ہوئیں　　عالم آباد سبھی ہی شہر خموشاں ہوگا
اے قضا مجھ کو بھی لے جاوے جوان کے گھر تک　　مجھ پے تا روز قیامت ترا احسان ہوگا
خانپور اب ہوا جاتا ہے ہنر سے خالی　　ہوگا کیا کیا جو یہی گنبد گرداں ہوگا
بڑے بھائی تو بنے ساکن راولپنڈی　　منجھلے نکلے تو کوئی اس کا نہ پرساں ہوگا
دونوں خالہ رہیں یارب ترے انعام سے خوش　　جس پہ ہو تری عنایت وہی شاداں ہوگا
دونوں بھائی بھی ترے فضل سے مسرور رہیں　　ان کا جینا مرے ہر درد کا درماں ہوگا
حضرت والدہ کا سن وفات اے صابر　　چلیں اب خلد کو بادیمت ایماں ہوگا
۱۳۱۵ھ

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

’’پس واضح ہو کہ میرے شعر بے شمار تھے۔ ایک جلد شعروں کی تو جل گئی، اس کو جلے ہوئے مدت ہوئی اور بہت سے اشعار کتابوں کے آخر میں چھپے اور بہت سے مشاعروں کے رسالوں میں چھپے۔ کچھ شحنۂ ہند کے پرچوں میں چھپے تھے۔ یہ تھوڑے سے ایک شخص کے پاس چھپے پوئے ملے ہیں، ان میں سے نقل کروا کر بھیجے جاتے ہیں۔ شعروں میں جھوٹ اور لغو بہت ہوتا ہے، میں نے مدت سے اس مشغلے کو بہت کم کر دیا ہے، کیونکہ گناہ بے لذت ہے، نتیجہ کچھ نہیں

ہے۔ایک قصیدہ ابوالوفا ثناء اللہ (امرتسری) کی ہجو کا بھی انشاالله بھیجوں گا۔

جملہ اہل بیت اور احبہ کو سلام قبول ہو، فقط۔۸ مارچ 1915ھ'' (۱)۔

اپنی کتاب ''زبدۃ المقادیر'' کے آخر میں آپ کے تین مفصل عربی قصائد بھی شائع ہوئے ہیں (۲)۔

اسی طرح آپ نے" المكتوب اللطيف إلى المحدث الشريف" للعلامۃ ابی الطیب شمس الحق کی تاریخ طباعت بھی لکھی ہے۔

آخری شعر ؎

بحبّ آل رسول است معتصم صابر
برغم انف نواصب وربّنا لشکور (۳)
۱۳۱۴ھ

ایک اور جگہ بھی آپ کا ذکر نظر سے گزرا ہے (۴)۔

---

(۱) بھتیجے عبدالرحمٰن کی طرف خط۔

(۲) قاضی یوسف حسین صابر: زبدۃ المقادیر، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۵ھ۔

(۳) شمس الحق: المکتوب اللطیف إلی المحدث الشریف، دہلی، مطبع انصاریہ ۱۳۱۴ھ، ص:۸۹، ۹۰۔

(۴) عبدالعزیز محدث دہلوی: العجالۃ النافعۃ مع التعلیقات الساطعۃ، للحافظ عبدالرشید السّلفی، ص:۱۲۱، پر ''جریدۃ المراجع'' کے عنوان کے تحت آپ کی کتاب ''الجوائز والصلات في أسانيد الكتب والأثبات'' (خطی) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالعزیز عثمانی ہزاروی

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء.................۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء

آپ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء کو جناب عبدالسلام بن الیاس عثمانی کے گھر گڑھی حبیب اللہ خاں تحصیل مانسہرہ، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم، فارسی کی کتابیں اور تعلیم خط کی تحصیل اپنے چچا جناب مولانا محمود صاحب سے، کتب صرف ونحو علماء پکھلی ہزارہ سے، اور ترجمۂ قرآن اور حدیث کی تکمیل مولانا قاضی محمد ومولانا قاضی عبدالاحد خانپوری ہزاروی سے کی۔علو سند کے لئے مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ہاں پہنچے اور ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں ان سے سند الفراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور خاندان خواجگان میں شادی کی، پھر کوہ سپاٹو (شملہ) چلے گئے اور وہاں تدریس وخطابت کرتے رہے۔

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو وہیں انتقال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

تصنیفی خدمات

۱......فقہ مخدومی مترجم: یہ فقہ امام شافعی میں فقیہہ علی مخدوم ابن احمد کوکنی مہامی (م۸۳۵ھ) کا ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے۔اس کی تصحیح اور اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئی۔

صفحات ۹۶، بڑا سائز، مطبوعہ مطبع گلزار حسنی بمبئی ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء۔

اس کتاب کے ساتھ ''تذکرہ مولانا فقیہہ علی مخدوم مہامی'' مولانا عبدالحق صاحبِ تفسیر حقانی کے قلم سے ہے۔ اس کی تصحیح میں بھی آپ کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سرورق پر آپ کی تصحیح کا تذکرہ موجود ہے۔

آپ کے اس ترجمہ کے بارے میں مولانا عبدالحق صاحبِ تفسیر حقانی لکھتے ہیں کہ

''......میں نے اس ترجمہ کو اکثر مقامات سے دیکھا۔ جہاں تک میرا علم ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ مترجم علامہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے نہایت عمدگی سے مطلب خیز الفاظ میں ترجمہ کیا...... خدا تعالیٰ مصنف اور مترجم اور محرک جناب بدرالدین عبداللہ قورصاحب رئیس بمبئی کو جزائے خیر عطا فرمائے''......(ابومحمد عبدالحق دھلوی)(۱)۔

۲......قواعد فارسی منظوم معروف بہ ''نیّر لامع'': صفحات ۸، مطبوعہ نامی نول کشور لکھنو مطبوعہ ۱۸۹۱ء، بار اول۔ یہ کتابچہ دراصل آپ کے استاذ اور چچا مولانا محمد محمود صاحب عثمانی کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے، جو ۱۲۹۰ھ میں انہوں نے لکھا اور ۱۳۰۹ھ میں آپ کے اہتمام اور حاشیہ کے ساتھ شائع ہوا۔

استجلاء البصر من شرح نخبة الكفر: بڑا سائز، صفحات ۲۶۳،

(۱) تذکرہ مخدوم علی، ص:۱۴، مطبوعہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء گلزار حسنی پریس بمبئی۔

تاریخ اختتام تالیف: ٦ شعبان ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء، مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور، تاریخ طباعت ندارد(۱)۔ آپ کی اس کتاب کے بارے میں مولانا حافظ عبدالرحیم کلاچوی لکھتے ہیں کہ

''یہ شرح نخبہ کا نہایت عمدہ اردو ترجمہ ہے جو مولوی عبدالعزیز ہزاروی نے کیا ہے''(۲)۔

۴......قرة العیون: احادیث کا ایک عمدہ، مگر نا تمام انتخاب، بڑا سائز، ۲۴ صفحات (قلمی)۔ آپ کے علمی مقام کے بارے میں لکھا گیا ہے:

" الشيخ العالم المحدث عبدالعزيز بن عبدالسلام بن إلياس بن عبداللطيف العثماني الهزاروي أحد العلماء الصالحين. له استجلاء البصر من نخبة الفكر بالأردوا "(۳).

(۱) ''استجلاء البصر'' نام کی وجہ تسمیہ شاید مخدوم علی مہامی کی کتاب "استجلاء البصر في الرد علی استقصاء النظر" ہو، جو انہوں نے ابن مظہر حلی شیعی کی استقصاء کے رد میں لکھی تھی۔ نام کا آغاز ایک ہی ہے۔ ''تذکرہ مخدوم'' کے ص:۱۰، پر ان کی اس کتاب کا نام آیا ہے۔

(۲) مولانا عبدالرحیم کلاچوی: لباب المعارف العلمیة (فہرست کتب مکتبہ اسلامیہ کالج پشاور)، مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۳۸ء، ج:۲، ص:۲۱۔

(۳) مولانا عبدالحئ الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۲۸۱، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حاشیہ میں ان کی سنہ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

کئی اور کتابوں / رسالوں میں بھی آپ کا تذکرہ صرف نام یا چند سطروں کی حد تک آیا ہے۔(۱)

اولاد:

اولاد میں آپ کے صرف ایک فرزند عبدالحمید عثمانی تھے جو عالم شباب میں انتقال کر گئے۔

---

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ثنائی پریس لاہور اگست ۱۹۶۹ء، باراول، ص:۶۸۷۔

رئیس احمد جعفری ندوی: اوراق گمشدہ، مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء، ص:۲۱۷۔

ماہنامہ ''القمر'' دہلی بابت ماہ جنوری ۱۹۱۵ء، ص:۲، پر ''علم دین کی ضرورت'' کے عنوان پر آپ کے ایک مسلسل مضمون کی ایک قسط شائع ہوئی اور مدیر کی طرف سے مضمون سے پہلے صاحب مضمون کا چند سطروں میں تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

(آپ کی تمام کتابیں آپ کے بھتیجے عبدالرؤف پٹرول پمپ ایبٹ آباد کے ہاں موجود ہیں۔ ''استجلاء البصر'' کے مطبوعہ نسخے قاضی محمد عبداللہ ایڈووکیٹ مانسہرہ کے کتب خانہ اور اسلامیہ کالج پشاور لائبریری میں موجود ہیں)۔

مولانا سید عثمان شاہ ہزاروی (۱)

۱۸۵۸ء..........۱۹۴۲ء

آپ ۱۸۵۸ء کے قریب ''میدان پائیں'' (۲) بٹگرام ضلع ہزارہ میں جناب مدد شاہ بن فیض اللہ شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۳)۔

تکمیل کے بعد ''بفہ'' میں مستقل سکونت اختیار کر کے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کے درس میں آزاد قبائل، کوہستان، سوات، پشاور اور کابل کے طلبہ کثرت سے شریک ہوتے تھے۔

رنگون و سنگاپور کے مشہور عرب تاجر محمد اسماعیل مرحوم آپ کے علمی تبحر سے بہت متاثر تھے۔ ان کی دعوت پر رمضان المبارک آپ انہی کے ہاں گزارتے

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزندوں: مولانا خلیل احمد شاہ فاضل دیوبند اور مولانا محمود شاہ سے لیا گیا ہے۔

(۲) ''میدان پائیں'' بٹگرام سے مغربی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۳) روایت مولانا خلیل احمد و مولانا محمود شاہ صاحبان مگر فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں نام نہیں ہے۔

اور بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔آپ کی عمر درس وتدریس میں گزری۔

وصال

۱۹۴۲ء میں آپ کا وصال ہوااور بفہ اڈہ سے شمالی جانب ایک فرلانگ کے فاصلے پر بائیں جانب آپ کی قبراب بھی موجود ہے۔

اولاد

پہلی بیوی سے دوفرزند مولانا سید خلیل احمد شاہ فاضل دیوبند اور سید رحمت شاہ صاحب اور دوسری سے تین فرزند مولانا سید محمود شاہ صاحب خطیب بفہ،سید اکبر شاہ اور محمد شاہ ہیں۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب سے تھا۔آپ کے علمی مقام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''آپ ہزارہ کے علامہ انور شاہ تھے''۔(۱)

(۱) روایت مولانا فقیر محمد صاحب فاضل دیوبند، ساکن بفہ، ہزارہ۔

مولانا مفتاح الدین محدث سواتی (۱)

۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء......۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء

آپ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء کو خراش الدین بن فضل الدین کے گھر ''قلعہ گئ'' سوات میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے چار سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کی۔ پانچویں سال ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء کو امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ دوسرے اساتذہ میں مولانا غلام رسول ہزاروی، مولانا محمد رسول خان ہزاروی، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا اعزاز علی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی شامل ہیں۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد بریلی میں ایک سال، خانمائی (مردان) میں ایک سال، ''قلعہ گئ'' سوات مین پانچ سال اور ''پیر کلے'' میں ایک سال تک تدریس کی۔ زاں بعد ''جورہ'' سوات میں سکونت اختیار کرلی اور وہاں اٹھارہ سال تک مختلف علوم وفنون کی تدریس کرتے رہے۔ زندگی کے آخری سالوں میں کتب حدیث زیر درس رہا کرتی تھیں۔آپ کے حلقۂ درس میں افغانستان،

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد مولانا لطافت الرحمٰن شیخ الفقہ والقانون، جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے لیا گیا ہے۔

باجوڑ، پشاور، مردان، سوات اور کوہستان کے طلبہ اکثر شریک رہتے تھے۔

تدریس کے ساتھ منصب قضاء پر بھی والئ سوات کی طرف سے فائز تھے، لیکن والی سے کم مقدمات لینے کی اجازت لے رکھی تھی، تاکہ تدریس متاثر نہ ہو۔

تصنیفی خدمات

۱......اصلاح الرسوم: مطبوعہ بزبان پشتو، رد بدعات کا ایک شاہکار ہے۔

۲......جمال القرآن: (فن تجوید کی کتاب از علامہ اشرف علی تھانوی) کا پشتو ترجمہ قلمی۔

۳......تحقیق حرف ضاد: (قلمی)۔

وصال

۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء بروز جمعہ بوقت عصر ''جورہ'' سوات میں وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں ایک فرزند محمد اور تین دختران حلیمہ بی بی، بخت نصیبہ (۱)، اور بی بی حسنات ہیں۔

(۱) بی بی بخت نصیبہ سوات کے مشہور عالم اور بزرگ مولانا قمر علی کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا محبوب الٰہی ہے۔

مولانا حافظ محمد رمضان محدث پشاوری

۱۸۶۳ء......۱۹۴۳ء

آپ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۳ء کو کوٹلہ فیلباناں پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان گئے اور سند حدیث مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی (۱)۔

تدریسی خدمات

فراغت علوم کے بعد عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''جس طرح آپ علم حدیث میں بصیرت رکھتے تھے، اسی طرح آپ صرف ونحو میں بھی یکتا تھے۔ تمام علوم کی کتابوں کا درس دیتے رہے......آپ نے اس علاقے میں علم حدیث کے فروغ کے سلسلے میں قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ پشاور شہر کے محلّہ بڑھ (آسیا) کی مسجد اہل حدیث میں سب سے پہلے آپ ہی نے درس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا (۲)۔

(۱) مولانا امام خان نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور ۱۳۹۱ھ، ص: ۱۱۶، وامام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء، ص: ۴۰۔ (حضرت میاں صاحب کا فیضان حدیث سرحد تک پہنچا۔ حافظ محمد رمضان محدث....)۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، بار اول، ج:۲، ص:۱۵۸۔

وصال

اسّی برس کی عمر میں ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری(۱)، مولانا عبدالقادر(۲) سرکی گیٹ پشاور اور مولانا قاضی محمد اسحاق ہزاروی ''قاضی القضاۃ امب'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، بار اول، ج:۲، ص:۱۵۷۔

(۲) ایضاً۔

مولانا محمد بن عبداللہ المعروف جیون بن نورالدین پکھلوی

۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء......۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

آپ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کے قریب پکھلی تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں نورالدین صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں علامہ حسین بن محسن انصاری یمانی سے تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد حیدرآباد دکن کو مسکن بنایا اور ساری زندگی وہیں علمی خدمات میں صرف کی۔ ۸۰ سال کے قریب عمر پائی اور ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو وہیں انتقال کیا۔

آپ کے بیٹے اور پوتے اب بھی وہاں موجود ہیں جن کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز آپ کا یوں تعارف کراتے ہیں:

"کنیته أبو الفضل واسمه محمد بن عبدالله المعروف ب "جیون" بن نور الدین الفنجاني، وكان أصله من بلاد بكلي (پکهلي) هزاره، وكان رجلا صالحا عالما متبحرا وفاضلا محققا، قد عاش في حيدرآباد دكن وعمر عمرا طويلا حتى قرب ثمانين سنة أو جاوزها. ويعمل بيده، ويصرف أكثر أوقاته لتصنيف كتب الدينية وإشاعتها ومات به حدود سنة ست وستين بعد الألف

وثلاث مائة تقريباً. وله به أولاد وأحفاد. وأخذ عن المحدث الشهير حسين بن محسن أنصاري اليماني كما ذكر المحشي في مقدمة "مفتاح الحاجة". وذكر سند الكتاب بطريقه إلى ابن ماجه.

ومن تصانيفه: ترجمة مسند الإمام أحمد بالهندية، وعجائب البيان في لغات القرآن مع تفسير المنان ونجوم الفرقان واللغة العربية ترجمها بالهندية، وعون الودود شرح أبي داود، عثمان البيان في سيرة النبي آخر الزمان، والسيف السلول في إثبات خط الرسول، ومفتاح الحاجة شرح ابن ماجه . طبع هذا الشرح على هوامش الكتاب بأصح المطابع ب لكهنؤ من بلاد الهند في سنة خمس عشر وثلاث مائة وألف من الهجرة، أولاً في حياة المحشي وثانياً في الجمادى الأولى ١٣٩٤ھ من سرگودھا......(١).

اس اقتباس میں آپ کی تصانیف کا ذکر آیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱......ترجمہ مسند امام احمد اردو

۲......عجائب البیان فی لغات القرآن مع تفسیر المنان و نجوم الفرقان

(۱) مقدمہ ''مفتاح الحاجۃ'' شرح ابن ماجہ، مطبوعہ ۱۳۹۴ھ باہتمام ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ، سرگودھا۔

۳......اللغۃ العربیۃ مترجم اردو

۴......عثمان البیان فی سیرۃ النبی آخر الزمان

۵......السیف السلول فی اثبات خط الرسول

۶......عون الودود شرح ابی داؤد (عربی)(۱)

۷......مفتاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ (عربی)

آخری کتاب ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو مکمل ہوئی اور ۱۳۱۵ھ کو اصح المطابع لکھنؤ سے محشی کی زندگی میں پہلی بار طبع ہوئی۔ اب ۱۳۹۴ھ کو ادارہ احیاء السنۃ سے سرگودھا سے دوبارہ شائع ہوئی۔

(۱) امام خان نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور ۱۳۹۱ھ، ص: ۲۹، پر یہ عبارت ہے کہ ''مولوی محمد صاحب حیدرآبادی نے ''عون الودود'' حاشیہ سنن ابی داؤد لکھا، جس پر حضور نظام نے آپ کے لیے ۵۰ روپے ماہانہ کا وظیفہ تاحیات مقرر فرمادیا''۔ ایضاً، ص: ۴۴۔

مولانا سیف الرحمٰن پشاوری (۱) شیخ الحدیث فتح پوری، دہلی

۱۸۶۰ء...........۱۹۵۰ء

آپ ۱۸۶۰ء کو متھرہ (۲) تحصیل چارسدہ علاقہ دوآبہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر کتب معقولات علاقہ دوآبہ کے فلسفہ ومنطق کے مشہور ترین مدرس مولانا ''صریح'' سے پڑھیں اور انہیں سے ان فنون کی تکمیل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مدرسہ قافلہ ٹونک میں بطور صدر مدرس تدریس کی (۳)، پھر فتح پور دہلی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ بڑے بڑے علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے دوستانہ مراسم تھے۔ انہی کے

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کے مواد میں علامہ سید شمس الحق افغانی ساکن ترنگ زئی ضلع پشاور سے بھی امداد لی گئی۔

(۲) متھرہ، چارسدہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔

(۳) روایت مولانا خان بہادر مارتنگ ملا۔

ارشاد پر فتح پور دہلی سے مستعفی ہوکر مرکز مجاہدین میں پہنچے اور حاجی فضل واحد المعروف بہ ''حاجی ترنگزئی'' کی معیت میں کافی کام کیا۔ اپنے مؤثر وعظ سے لوگوں میں جہاد کی سپرٹ پیدا کی۔ حاجی صاحب کے ساتھ جہاد میں بھی شریک رہے۔ شکست کے بعد کابل چلے گئے۔ زاں بعد روس میں بھی اسلامی خدمات کے سلسلہ میں گئے اور پھر کابل آئے۔ پاکستان بن جانے کے بعد اپنے وطن آئے اور ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ/ فروری ۱۹۵۰ء کو ۹۰ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ مولانا عزیز الرحمٰن آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ قندہاری افغان ہیں۔ حضرت گنگوہی سے علم حدیث حاصل کیا اور مدرسہ فتحپوری میں صدر مدرس ہوگئے تھے۔ بہترین واعظ تھے۔ حضرت شیخ الہند نے ان کو اپنی تحریک کا کارکن بنایا اور مدرسہ فتحپوری سے استعفیٰ دلوا کر حاجی ترنگزئی کے ساتھ کام کرنے کو کہا۔ وہاں انہوں نے اپنی تقریروں کے ذریعے انگریزوں کے خلاف خوب آگ بھڑکائی تھی'' (۱)۔

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں کہ

''آپ مشہور سیاسی لیڈر تھے، جنہوں نے حضرت شیخ الہند کی تحریک میں بہت نمایاں کام کئے۔ دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد عرصہ تک دہلی

(۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ شیخ الہند، مطبوعہ اگست ۱۹۶۵ء، مدینہ پریس، بجنور، ص: ۱۸۹۔

میں قیام کیا، پھر اپنے وطن کابل واپس جا کر وہیں مقیم ہوگئے۔ میں جب ۱۳۵۸ھ میں افغانستان حاضر ہوا تھا، تو بقید حیات تھے اور میرے ساتھ غیر معمولی محبت اور ادب احترام، بلکہ نیاز مندی سے پیش آئے تھے، حالانکہ میں ان کا ایک حقیر خورد تھا۔ آپ زبردست مجاہد تھے اور جہاد کا جوش سینے میں ابلتا ہوا رکھتے تھے۔ ہٹلر نے جب یورپ پر حملہ کیا تو میں اس وقت کابل ہی میں تھا اور اتفاق سے مولانا ہی کے مکان میں موجود تھا۔ حملہ کی خبر سنتے ہی جوش مسرت میں رو پڑے، سجدے میں گر پڑے اور فرمایا کہ ”خداوندا! تیرا شکر ہے کہ بھیڑیوں میں باہم جنگ شروع ہوگئی ہے جس سے انسانوں کے بچ جانے کی توقع ہوگئی“ (۱)۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

”مولانا سیف الرحمٰن صاحب اصل میں قندہاری افغان ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد پشاور کے پاس رہنے لگے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ عرصہ دراز تک ریاست ٹونک میں تعلیم وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اخیر میں مدرسہ فتح پوری دہلی میں مدرس اول ہوگئے اور اس عہدے کے فرائض کئی سال تک انجام دیتے رہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان کو اپنا ہم خیال بنایا اور اپنے مشن کا ممبر

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ جون ۱۹۶۵ء، دیوبند، ص: ۴۷۔

بنا کر مرکز یاغستان کی طرف ہجرت کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ موصوف ہجرت کر کے یاغستان پہنچے اور لوگوں میں وعظ وتبلیغ عرصہ تک کرتے اور ان کو جہاد آزادی پر آمادہ کرتے رہے۔

مقرر بہت اعلیٰ درجے کے اور نہایت ذہین صاحب علم وعمل تھے۔ ان کے وعظ وتلقین سے بہت زیادہ لوگوں میں تاثر اور جوش پیدا ہوا چونکہ وہ اپنی ملازمت چھوڑ کر بامر حضرت شیخ الہند متعلقین یاغستان گئے تھے، اس لئے جب تک حضرت شیخ الہند ہندوستان میں رہے، ان کے مصارف کے لیے ماہ بماہ حسب استطاعت متکفل رہے۔ موصوف حاجی ترنگ زئی صاحب کی معیت میں جہاد میں شریک رہے۔ شکست ہونے کے بعد کابل چلے گئے۔ امیر حبیب اللہ خاں کے آخری زمانے میں انگریزی حکومت کے پروٹسٹ پر مولانا منصور اور مولانا سیف الرحمٰن صاحب کابل سے یاغستان روانہ کر دیئے گئے۔ جلال آباد تک دونوں ساتھ رہے۔ مولانا سیف الرحمٰن کو جلال آباد میں برٹش افغان نے اپنی معیت میں لے لیا اور ہندوستان معاملات سے علیحدگی کا وعدہ لے لیا۔

(ذاتی ڈائری، صفحہ: ۱۲۰، مولانا سندھی)

اب وہ مستوفی الممالک کے ساتھ رہنے لگے۔ امیر حبیب اللہ خان کی آخری حکومت تک وہ مستوفی الممالک کے ساتھ رہے اور مستوفی کو جو کام انگریزوں کی تائید کے لیے دیا جاتا، اس میں اس کی امداد کرتے۔ سردار امان اللہ خاں

صاحب کے عہد میں آزاد ہوکر کابل پہنچے اور بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے‘‘(۱)۔

علامہ حکیم عبدالحئ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

”الشيخ الفاضل سيف الرحمن الحنفي الولايتي ثم الطوكي، أحد كبار العلماء، ولد ونشأ بأفغانستان (۲)، وقرء الفقه والأصول والعربية في بلاده، ثم قدم الهند وأخذ الفنون الرياضية عن الشيخ لطف الله بن أسد الله الكوتلي ولازمه مدة، ثم سافر إلى ”كنكوه“ وأخذ الحديث عن الشيخ المحدث رشيد أحمد الحنفي الكنكوهي، وقرء عليه الصحاح الستة، ولازمه سنة كاملة، ثم رحل إلى طوك (ٹونك)، تزوج بابنة القاضي دوست محمد الكابلي وسكن بها، وولي التدريس في المدرسة الناصرية ببلدة طوك، فدرس بها مدة طويلة، ثم ولي التدريس بالمدرسة الفتحپورية بدهلي، وإني استقدمته لدارالعلوم غير مرة، فلم يتفق له القدوم إلى لكهنؤ.

وفي حدود سنة ثلاث وثلاثين وثلاث مائة وألف خرج من الهند وسافر إلى بلاده ستراً (باتفاق مع العلامة الشيخ محمود حسن الديوبندي ومساعدته) وحرض أهل تلك البلاد على حمل السلاح

(۱) مولانا سید حسین احمد مدنی: نقش حیات، مطبوعہ انڈیا، ج:۲، ص:۱۸۸و۱۸۹۔

(۲) آپ کی ولادت ’’متھرہ‘‘ علاقہ دوآبہ، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں ہوئی۔ افغانستان کی یہ روایت درست نہیں۔

ضد الحكومة النكليزية، وأثرت مواعظه وأحاديثه في الناس حتى دخل في حرب مع الإنجليز تحت إمارة الشيخ المعروف ب ”حاجي ترنگ زئی“ .ولما وقعت الهزيمة وانتصر الإنكليز هاجر إلى ”كابل“ وأقام بها، ولما طلب الإنكليز من الأمير حبيب الله خان تسليمه سفر إلى ياغستان ومكث مدة مع مستوفى الممالك، ولما قتل الأمير حبيب الله خان وبويع أمان الله خان بالإمارة رجع إلى ”كابل“ وشغل مناصب خطيرة في المملكة إلى أن اعتزل.

كان الشيخ سيف الرحمن عالماً قوي العلم، ذكيا شديد الفطنة، شهماً عالي الهمة شديدة الغيرة في الدين، شديد البغض للإنجليز، فصيحاً مفوهاً، كثير الخبرة بأمور الدنيا، عارفاً بالسيا سة، واعياً متيقظاً، رجع بعد ما تحررت الهند وقامت باكستان إلى وطنه ”بشاور“ وسكن في قريته ”متهرانو“ في شمال بشاور، ومات بها لسبع خلون من جمادى الأولى سنة تسع وستين وثلاث مائةوألف، ودفن في مقبرة أسلافه“(۱).

(۱) علامہ عبدالحئ الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج:۸، عدد:۱۶۴، ص:۱۷۲، ۱۷۳۔

اور بھی کئی کتابوں میں آپ کا ذکر آیا ہے۔(۱)

لکھا گیا ہے کہ

''مجاہد کبیر مولانا سیف الرحمٰن ٹونکی مہاجر کابل کے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز اور ان کے بھتیجے مولوی عزیز الرحمٰن کی ملاقات سے بھی بڑی مسرت ہوئی۔مولانا سیف الرحمٰن صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان کا رخ کیا۔علوم ریاضی کی تعلیم مولانا لطف اللہ علی گڑہی اور حدیث کی تحصیل مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے کیا(۲)۔

سالہا سال ریاست ٹونک میں مدرسہ ناصریہ میں تدریس کی خدمت انجام دی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔کچھ عرصہ فتح پوری میں بھی مدرس رہے۔شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے خصوصی تعلقات تھے اور وہ ان کی مجاہدانہ تحریک کے خاص رکن تھے۔مولانا نے اس مقصد کے ماتحت ہندوستان سے ہجرت کی اور سرحد کے مشہور مجاہد حاجی ترنگ زئی کی قیادت میں انگریزوں سے

(۱) سید محبوب رضوی: تاریخ دیوبند، مطبوعہ اشوک پریس دہلی، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء، ص: ۱۰۲ (مشاہیر علماء کے ضمن میں) ومولانا عبیداللہ سندھی ذاتی ڈائری، مطبوعہ لاہور، بار اول، اکتوبر ۱۹۴۶ء، ص: ۱۳۰۔امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء، ص: ۲۲۹ (محمد عثمان بن مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی نے تفسیر وحدیث آپ سے پڑھی)۔

(۲) ''کی'' ہونا چاہیے تھا۔

جنگ کی۔اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ کابل ہجرت کر گئے، جہاں بعد میں وہ بعض اہم مناصب پر فائز رہے۔پاکستان بننے کے بعد وہ پشاور واپس آگئے۔

۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ کو اپنے گاؤں ''متھرا نو'' میں وفات پائی جو پشاور کے شمال میں واقع ہے۔

مولانا بڑے عالی ہمت، بلند نگاہ، ذہین وذکی عالم تھے۔انگریزوں کی دشمنی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ہندوستان میں ان کے شاگردوں کی اچھی تعداد تھی(۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''............اور مولوی سیف الرحمٰن کابلی، مولانا رشید احمد گنگوہی سے سند فراغت حاصل کر کے واپس ٹونک تشریف لائے۔اس زمانے میں دستور کے مطابق ابتداء میں ان حضرات نے بھی اپنی اپنی قیام گاہ پر درس دینا شروع کیا، پھر یہ خیال ہوا کہ ٹونک میں ایک بڑا مدرسہ قائم ہونا چاہیے۔وقت کے روشن خیال اور اہل خیر حضرات اس مشورہ میں شریک تھے۔صاحبزادہ عبدالرحیم (۲) خاں مظفر جنگ جو بڑے علم دوست اور علماء کے قدرداں تھے، اس معاملے میں

(۱) مولانا ابوالحسن علی ندوی: دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، لکھنؤ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام اردو، بار اول ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص: ۴۴ عربی، جون ۱۹۷۴ء، مطبوعہ بیروت لبنان، ناشر دار الہلال انگورہ ترکی "من نهر كابل إلى نهر اليرموك".

(۲) نواب محمد علی خاں والی سوم ریاست ٹونک کے بیٹے تھے۔ٹونک کا مشہور کتب خانہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

پیش پیش تھے۔ ان کی کوششوں سے غالباً ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں دارالعلوم خلیلیہ اور مدرسہ ناصریہ واقع مسجد قافلہ وجود میں آئے۔

مدرسہ ناصریہ

یہ مدرسہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ مولانا سیف الرحمٰن کابلی مدرس اول اور مولانا حیدر حسن خاں مدرس دوم مقرر ہوئے۔ ایک زمانے تک یہ مدرسہ بھی علمی خدمات انجام دیتا رہا۔

صاحبزادہ عبدالرحیم خاں کے انتقال کے بعد مولانا حیدر حسن خاں ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے اور مولانا سیف الرحمٰن صاحب ترک سکونت اختیار کر کے اپنے وطن چلے گئے''(۱)۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''۱۹۶...... سیف الرحمٰن مولوی صاحب ولد غلام خاں ساکن متھرا تھانہ شکرگڑھ شمالی مغربی سرحدی صوبہ۔ مولانا محمود الحسن نے جہاد کی جو سازش تیار کی تھی، اس میں ایک اہم ترین شخص ہے۔ سیف الرحمٰن درانی خاندان کا ہے۔ اس کا خاندان کابل سے ترک وطن کر کے پشاور آیا اور اسی ضلع میں سکونت پذیر ہو گیا۔ علی گڑھ میں مولوی لطیف اللہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد

(۱) حکیم محمد عمران خان ٹونکی: ٹونک کے قدیم مدارس اور کتب خانے، معارف (اعظم گڑھ) اگست ۱۹۶۶ء، ص: ۱۵۴، ۱۵۵۔

سیف الرحمٰن بالآخر شاہجہان پور کے اسلامیہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ جون ۱۹۱۵ء تک وہ دلی میں رہا، جبکہ مولانا محمود الحسن، عبیداللہ اور ابوالکلام آزاد کی اسکیموں کے تحت سرحد پار کر گیا۔ وہ حاجی صاحب ترنگزئی پر اثر ڈال کر ان سے غلط اقدامات کراتا رہا جن کا وہ ہی سیکرٹری بن گیا تھا۔ سیف الرحمٰن کے اثر سے حاجی صاحب ہمیشہ آزاد قبائل اور مجاہدین میں تعصب کا جوش پیدا کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں سرحد پر جو لڑائیاں ہوئیں، ان کی ذمہ داری بڑی حد تک اس پر ہے۔ اب وہ کابل میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خطوط میں بھی اس کا ذکر ہے''(۱)۔

(۱) مولانا سید محمد میاں: تحریک شیخ الہند، انگریزی سرکار کی زبان میں، ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا؟ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ، لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ، ص: ۴۷۳، ۴۷۴۔

مولانا سید احمد صاحب ایبٹ آبادی (۱) شیخ الحدیث مطلع العلوم رامپور

۱۸۸۰ء............۱۹۵۰ء

آپ ۱۸۸۰ء میں مولوی میر احمد صاحب کے گھر ''رجوعیہ'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر ''ڈھینڈہ'' تحصیل ہری پور ہزارہ میں حضرت مولانا محمد معصوم صاحب سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور مدرسہ عالیہ رامپور سے سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ نے رامپور میں ایک عربی مدرسہ ''مطلع العلوم'' کی بنیاد رکھی۔ اس میں آپ کے ایک اور عالم دوست مولانا خلیل احمد بھی شامل تھے۔ یہی بزرگ اس مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس تھے اور آپ نائب۔ ان کے وصال کے بعد آپ مہتمم اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ (رامپور میں مدرسہ عالیہ کے بعد اس مدرسہ کا درجہ تھا)۔ آپ کے تلامذہ (۲) سینکڑوں کی تعداد میں پاک وہند میں موجود ہیں۔

---

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ راقم کے قلم سے ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کے شمارہ صفر ۱۳۹۲ھ/اپریل ۱۹۷۲ء کے ص: ۵۰، ۵۱ پر شائع ہوا۔ اس کا مواد مولانا عبدالشکور صاحب سے لیا گیا تھا۔

(۲) مولانا عبدالحکیم صاحب ایم این اے ہزاروی بھی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

۱۹۴۹ء تک آپ نے اس مدرسہ میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آخری کتب حدیث آپ کے ہی زیر درس رہتی تھیں۔

وصال

۱۹۴۹ء میں واپس ''رجوعیہ'' آئے اور جون ۱۹۵۰ء میں اس دار فانی سے ہمیشہ کے لیے کوچ کر گئے۔

اولاد

آپ کی دو لڑکیاں، بڑی قاضی عبدالقادر مرحوم ایڈوکیٹ ایبٹ آباد کے نکاح میں تھیں۔ (ان کا بھی انتقال ہوگیا ہے) اور دوسری مولانا عبدالشکور صاحب فاضل دیوبند ایم اے عربی (میڈلسٹ) معلم دینیات گورنمنٹ ہائی اسکول ہری پور کے نکاح میں ہیں۔

ایک فرزند مولوی امجد حسن (فارغ التحصیل مدرسہ عالیہ رامپور، فاضل، ادیب الٰہ آباد، مولوی فاضل پنجاب) ہیں جو ۱۹۶۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر گئے اور اب قاہرہ یونیورسٹی میں زبان اردو کے لیکچرر ہیں۔

آپ کے بارے میں مالک رام لکھتے ہیں:

''جس (مدرسہ مطلع العلوم رامپور) کے صدر مدرس مولوی سعید احمد (۱) تھے۔ یہ قصبہ رجوعیہ (ضلع ہزارہ) کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے

---

(۱) آپ کا صحیح نام سید احمد ہے۔

پہلے وطن میں اور پھر بغداد اور رامپور میں تکمیل کے بعد اس مدرسے کی صدر مدرسی سنبھال لی تھی......موصوف بڑے دیندار اور دیانتدار، راست گو اور تکلف و تصنع سے بری، سادگی پسند بزرگ تھے۔ وہ خدا اور رسول کے معاملے میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے‘‘(۱)۔

(۱) مالک رام: نقوش لاہور، شمارہ ۱۰۵، ص:۱۱۴، ۱۱۵۔ (مولانا عرشی کے مضمون میں تذکرہ آیا ہے)۔

جناب مولانا احمد سعید صاحب(۱)

............۱۹۵۳ء

آپ کی تاریخ ولادت باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہوسکی۔ آپ کے والد صاحب کا نام مولانا محمد سعید تھا۔ آپ نے کس جگہ تکمیل کی، اس کا علم بھی نہیں ہوسکا۔

تدریس

فراغت کے بعد کوہاٹ میں آپ نے چالیس سال تک روزہ کی حالت میں درس حدیث دیا۔ کبھی بازار نہیں گئے۔ آپ ''مولوی شبقدر'' کے نام سے مشہور تھے۔

وصال

۱۹۵۳ء میں آپ کا وصال ہوا اور کوہاٹ سے کوئی تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ ہفت روزہ ''قوم'' پشاور ۱۵، اکتوبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

مولانا عبدالقادر محدّث پشاوری

۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء............۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

آپ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ھ کو حافظ میاں محمد کے گھر پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ حفظ قرآن کے بعد علاقہ کے دوسرے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مولانا حافظ محمد رمضان محدث پشاوری کی خدمت میں پہنچے اور انہی سے تکمیل کر کے سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مفتی محمد ابراہیم کے مکان پر ''مدرسہ تعلیم القرآن والسنۃ'' میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۲ء کے بعد مسجد اہل حدیث ''آسیا'' میں تدریس کرتے رہے۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''ہندوستان کے اکثر اہل حدیث طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، یہاں تک کہ یوپی کے علماء نے بھی آپ سے درس لیا۔ کابل، غزنی، ہرات، قندھار، وزیرستان، تیراہ، سوات، باجوڑ اور سرحد کے ہزار ہا افراد نے آپ سے درس نظامی کی تکمیل کی'' (۱)۔

وصال

۲۹ جمادی الاولی ۱۳۷۴ھ/۲۴ جنوری ۱۹۵۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، باراول، ج:۲، ص:۶۱۔

مولانا محمد عجب نور بنوی (۱)

۱۸۸۷ء............۱۹۶۶ء

آپ ۱۸۸۷ء کو ''بوزہ خیل''، ضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم (کیمبلپور) میں حاصل کی، پھر (ٹونک) انڈیا چلے گئے۔ زاں بعد بھوپال جانا ہوا، وہیں ''مدرسہ الاحمدیہ'' میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد واپس وطن آگئے۔ ایک سال اپنے وطن میں تدریس کی پھر جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں نائب صدر کے منصب پر فائز رہ کر ۳۰ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

تقسیم ملک کی وجہ سے وطن واپس آئے اور یہاں ''معراج العلوم'' بنوں کی بنیاد رکھی جس میں آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وصال

۸ مارچ ۱۹۶۶ھ کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: میں تین لڑکے اور اتنی ہی لڑکیاں چھوڑیں۔

تعزیتی نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ

''علمی ودینی حلقوں میں یہ اطلاع بڑے غم ورنج سے سنی جائے گی کہ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کے مواد میں قاری حضرت گل ساکن بنوں سے مدد لی گئی ہے۔

بنوں کی ممتاز مذہبی شخصیت، علوم دینیہ کے زبردست عالم اور مدرسہ معراج العلوم بنوں کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عجب نور صاحب ۹/۸ مارچ کی درمیانی شب انتقال فرما گئے۔ موصوف علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع عالم اور دین کے بڑے مخلص خادم تھے۔ تقسیم سے پہلے کافی عرصہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تدریس وتبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مراد آباد سے آنے کے بعد بنوں میں نامساعد حالات کے باوجود دینی علوم کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے عرصے میں آپ کے فیوضات سے علاقہ سیراب ہونے لگا۔ ایک مخلص بزرگ اور ایک جامع العلوم ہستی کا ایسے قحط الرجال میں اُٹھ جانا علم ودین کی دنیا میں بہت بڑا سانحہ ہے''(۱)۔

آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''دوسرے استاذ مولانا عجب نور صاحب ہیں۔ مدرسہ قاسم العلوم شاہی مراد آباد میں ان کے تلامذہ کی صف میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ موصوف وسیع النظر تو نہ تھے مگر علوم میں پختگی اور ان کا استحضار غیر معمولی تھا۔ یہ دو صفتیں ایسی تھیں جو انہیں ممتاز علماء کی صف میں جگہ دیتی تھیں۔ زندگی سادی، طالب علمانہ اور متقیانہ تھی۔ مطالعہ کا تو اتنا شوق نہ تھا مگر پڑھانے کا شوق بے حد تھا۔ صبح سے

(۱) مولانا سمیع الحق، مدیر: ماہنامہ الحق (تعزیتی نوٹ) بابت اپریل ۱۹۶۶ء، ص: ۳۸۔

عشاء تک بلکہ اس کے بعد بھی بہت دیر تک یہی مشغلہ سب سے بڑا اور دلچسپ مشغلہ تھا۔ صوبۂ سرحد کے رہنے والے تھے، قوی اور تندرست تھے، اس لیے تھکنے کا نام نہ لیتے تھے''(۱)۔

(۱) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک پشاور، جون ۱۹۷۲ء، ص: ۲۰۔ (حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (سابقا) کا مضمون ''میری علمی ومطالعاتی زندگی'' سے ایک اقتباس)۔

مولانا رسول شاہ کوہاٹی (۱)

۱۸۹۱ء............۱۹۶۶ء

آپ ۱۸۹۱ء کو احمد شاہ صاحب کے گھر ''ڈھوڈا'' (۲) ضلع کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر کوہاٹ شہر آئے اور مقامی دارالعلوم سے تکمیل کر کے واپس ڈھوڈا چلے گئے۔

تدریس

فراغتِ علوم کے بعد اپنے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چالیس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کی زندگی تدریس میں گزری اور آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

وصال

۱۹۶۶ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ ایک کثیر تعداد علماء اور مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شریک ہوئی اور آپ کو ڈھوڈا کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا پیر میر عالم کوہاٹ (ضلعی خطیب) سے لیا گیا۔

(۲) ''ڈھوڈا'' کوہاٹ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

جناب مولانا فضل ربّانی متھروی پشاوری (۱)

۱۸۸۴ء......................۱۹۶۸ء

آپ ۱۸۸۴ء کے قریب جناب مولوی احمد خاں بن خواجہ محمد صاحب کے گھر ''متھرانو''، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر علاقہ کے دوسرے علماء سے پڑھتے رہے۔ معانی، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم جناب مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی سے حاصل کی۔ علم تفسیر کی اکثر اور احادیث کی تمام کتابیں جناب مولانا گل محمد غزنوی (۲) ثم ترنگزئی (تحصیل چارسدہ پشاور) سے پڑھ کر انہی سے سندالفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد حاجی صاحب ترنگزئی کے مشورہ پر دارالعلوم گدر کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یہاں ایک سال تک تدریس کی پھر مدرسہ عمرزئی میں چار سال، موضع تنگئی میں دو سال، مسجد حافظ جی گنج پشاور کے مدرسہ تعلیم القرآن

---

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ زیادہ تر جناب عطاء اللہ صاحب کاکاخیل کے قلمی مقالہ ''پاکستان میں علم حدیث'' سے ماخوذ ہے (ص:۹۶)۔ نیز تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۲ میں ص:۱۳۰ تا ۱۳۵ آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۲) یہ بزرگ حضرت مولانا محمود حسن کے شاگرد تھے۔ امیر شاہ صاحب نے حضرت گنگوہی کے شاگرد ہونے کا لکھا ہے، جو درست نہیں ہے۔

میں ۱۴سال، مدرسہ نعمانیہ اتمان زئی میں دوسال اور مدرسہ شب قدر میں کچھ عرصہ اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کے زیر درس دورۂ حدیث کی کتب رہیں۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولوی رحمان الدین آف پڑانگ (چارسدہ)، مولانا عبدالرزاق آف شاہ منصور صوابی (مردان)، مولانا عبدالواحد، مشہور بہ میرزو، مولانا سعید اللہ جان، مولانا عبدالقیوم صاحب، قاضی نواب خار (دیرسٹیٹ) مولوی مطیع الحق، مولانا فضل الرحمٰن پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور (سابقاً) اور قاری حبیب الرحمٰن خار اور قاضی صاحب باجوڑ خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۱)۔

وصال

۱۳۸۸ھ/۲۱ دسمبر ۱۹۶۸ء کو آپ کا وصال ہوا اور متھرانو کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ اولاد میں ایک فرزند مولوی محمود صاحب جامعہ اسلامیہ اکوڑہ کے فارغ التحصیل اور مدرسہ احناف میرزئی میں مدرس ہیں۔

تصانیف میں ایک رسالہ ''تنبیہ الاقوال'' شائع ہو چکا ہے۔

(۱) تذکرہ علماء میں امیر شاہ قادری صاحب نے مولانا شمس الحق افغانی کا نام بھی آپ کے تلامذہ میں لکھا ہے۔

مولانا زین العابدین ہزاروی (۱)

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء............۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء

آپ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء کو مولانا عبدالحکیم صاحب کے گھر ''زیزاری'' علاقہ ''چغرزئی''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر چکیسر (سوات) میں شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء کو مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور چندفنون کی تکمیل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد مولانا نصیرالدین غورغشتوی کیمبلپوری کے ہاں جانا ہوا اور ان سے بھی استفادہ کیا۔

تدریس: دارالعلوم جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۶ء ۱۲ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس سے قبل ایک سال دارالعلوم سرحد میں بھی تدریس کر چکے تھے۔ زاں بعد ''مدرسہ قاسمیہ'' پشاور میں تین سال تک شیخ الحدیث رہے۔

وصال: ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء بروز بدھ آپ کا وصال ہوا۔

اولاد میں ایک بچی اور تین بچے چھوڑے۔

(آپ کی پہلی اہلیہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب کی بھتیجی تھیں)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بڑے بھائی مولانا معزالحق صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ پشاور سے لیا گیا۔

مولانا عبدالغنی قریشی کوہاٹی (۱) شیخ الحدیث تعلیم القرآن کوہاٹ

۱۸۸۲ء.........................۱۹۷۰ء

آپ ۱۸۸۲ء کو ''ٹیری''، ضلع کوہاٹ میں مولانا الحاج محمد یٰسین بن حبیب اللہ قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے دو سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے تیسرے سال ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

آپ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا غلام رسول بفوی ہزاروی اور مولانا انور شاہ کشمیری (۲) کے بھی نام آتے ہیں۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور ''تعلیم القرآن'' کوہاٹ میں تدریس پر مامور ہوئے اور پھر ترقی کرتے کرتے ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز رہ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ صوبۂ سرحد، متعلقہ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند احسان اللہ صاحب ڈویژنل اکاؤنٹنٹ محکمہ زراعت کوہاٹ سے لیا گیا۔

(۲) مولانا سید احمد رضا بجنوری: انوارالباری شرح بخاری، جزء: ۲، ص: ۲۵۸، مطبوعہ بجنور (ممتاز تلامذہ میں ۱۱۸ ویں نمبر پر)۔

ایجنسیوں اور کابل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں حج بیت اللہ کی سعادت ملی۔ بیعت کا تعلق سلسلۂ قادریہ میں حضرت حاجی فضل واحد المعروف بہ ''حاجی ترنگزئی'' سے تھا۔

وصال

۷ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ شب جمعہ/۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء کو آپ کا وصال ہوا اور بعد نماز جمعہ ٹیری ضلع کوہاٹ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

تصانیف

۱......تبعيد أهل الإيمان من ضرب الطبل و مزامير الشيطان (مطبوعہ)

۲......مقدمۂ مولانا مودودی صاحب کے نظریات کے رد میں (قلمی)

۳......القضاء العمري في الصيام............(قلمی)

۴......التوسل بأهل بدر الكرام............(قلمی) (۱)۔

اولاد میں ایک فرزند الحاج احسان اللہ صاحب ہیں۔

(۱) یہ تمام کتب آپ کے فرزند مولانا احسان اللہ صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

مولانا محمد رسول خاں ہزاروی (۱)

۱۸۷۱ء.................۱۹۷۱ء

آپ اصلاً ''بانیان'' علاقہ ٹکری نند ہیاڑ ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد مولوی محمود علی خاں بن محمد گل خاں نے ''بانیان'' کی سکونت ترک کر کے ''اچھڑیاں'' ڈاک خانہ حاجی آباد تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔آپ قوم سواتی نروڑ (پٹھان) سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کی ولادت ''بجنہ'' علاقہ پکھلی مانسہرہ میں ہوئی جب کہ آپ کے والد صاحب وہاں رہتے تھے (۲)۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی پھر سکندر پور ہری پور ہزارہ میں مولانا احمد فاضل ہزاروی سے پڑھتے رہے۔زاں بعد بہوئی گاڑ (کیمبلپور) میں بھی کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے تین سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۳)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد چند مدارس میں تدریس کی۔آخر میں مدرسہ

(۱) یہ مواد اپنی مرتبہ ''سوانح حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی'' سے لیا گیا ہے۔

(۲) مولانا عبدالمتین فاضل دیوبند ساکن بانیاں کی روایت ہے (جو آپ کے رشتہ داروں میں سے ہیں)۔

(۳) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی)، ص:۲۔

''امداد الاسلام'' میرٹھ میں پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء کو دارالعلوم دیوبند میں بطور ''مدرس اعلیٰ'' آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں (۱)۔ دارالعلوم میں مدت تدریس ۲۱ سال بنتی ہے۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''مولوی صاحب زمانۂ وسطی کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ بعد فراغت تحصیل علوم چند مدارس میں مدرس رہے۔اب آخر میں چند سال سے میرٹھ صدر بازار کے عربی مدرسہ میں مدرس تھے اور آپ کی وجہ سے مدرسہ نہایت رونق پر تھا۔اس سال، یعنی: ۱۳۳۳ھ میں ان کو یہاں بلا لیا گیا۔مولوی صاحب ایک جامع معقول ومنقول اور نہایت تجربہ کار، با استعداد، صالح ومتدین شخص ہیں۔سب علوم مستحضر ہیں۔تقریر نہایت صاف اور طرز بیان مؤثر ودل آویز ہے۔طلبہ ان سے خوش رہتے ہیں۔غرض دارلعلوم کے ممتاز مدرسوں میں سے ہیں''(۲)۔

سر محمد شفیع کی درخواست پر دارالعلوم دیوبند سے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو آپ کا تقرر ہوا اور بیس سال کی تدریس

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ جون ۱۹۶۵ء دیوبند، ص:۱۱۱، عدد: ۶۴۔

(۲) مولانا محمد احمد قاسمی: روئیداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ، ص:۲۱، وروئیداد ۱۳۳۴ھ، ص:۲۰۔

کے بعد ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے (۱)۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

’’مولانا محمد رسول خاں، فاضل دیوبند، صدر مدرس عربی (۱۹۳۵ھ/ ۱۹۵۴ء) عربی زبان وادبیات کے فاضل محمد رسول خاں موضع ٹکری (۲) یاغستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت یاغستان کی مساجد میں حاصل کی۔ یہ علاقہ انگریزی عہد میں آزاد قبائلی علاقہ کہلاتا تھا (۳)۔ تحریک خلافت کے زمانے میں مولوی رسول خاں دیوبند پہنچے اور مدرسۃ العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تکمیل تعلیم کے بعد مولانا رسول خاں مدرسۃ العلوم میں ہی معلّم مقرر ہوگئے (۴)۔

۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو ان کا تقرر اورینٹل کالج میں بحیثیت مدرس عربی ہوا......مولانا رسول خاں تقریباً بیس سال تک اورینٹل کالج میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے۔ سبکدوشی کے بعد مولانا رسول خاں جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے اور تا حال یہ

---

(۱) ڈاکٹر وحید قریشی: اساتذہ اور ریسرچ سکالروں کی فہرست، اورینٹل کالج لاہور، مطبوعہ ۱۹۷۰ء، ص: ۱۵، عدد: ۱۹۔

(۲) ٹکری: کسی گاؤں کا نام نہیں بلکہ ایک علاقہ کا نام ’’ٹکری نند ہیاڑ‘‘ ہے۔ آپ کے آبائی گاؤں کا نام ’’بانیاں‘‘ (Banian) ہے۔ =

خدمت سرانجام دے رہے ہیں‘‘ (۱)۔

حضرت مولانا مفتی حسن کی درخواست پر جامعہ اشرفیہ میں پہلے جز وقتی تدریس کرتے رہے۔ کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ میں مستقلاً تدریس پر مامور ہوئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال

جامعہ اشرفیہ کی شعبان کی چھٹیوں میں ’’اچھڑیاں‘‘ آئے۔ یکم رمضان ۱۳۹۱ھ کو آپ بیمار ہوئے اور ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ بروز پیر/ ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ۱۱ بج کر ۲۷ منٹ پر ’’فاللہ خیر حافظاً وھو أرحم الراحمین‘‘ پڑھتے ہوئے آپ کا وصال ہوا۔

جرائد ومجلّات میں تعزیتی اداریے اور نوٹ شائع ہوئے۔ بعض رسائل میں مرثیے بھی شائع ہوئے۔

= (۳) آپ کا سال فراغت دیوبند ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء ہے۔ تحریک خلافت کا زمانہ ۱۹۲۰ء کا زمانہ ہے۔

(۴) اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فراغت کے فوراً بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس شروع کر دی تھی حالانکہ یہ درست نہیں۔

....

(۱) ڈاکٹر غلام حسین: تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء، ص: ۱۷۸، ۱۷۹، وڈاکٹر شیر بہادر، تاریخ ہزارہ، ص: ۶۶۵۔

خبر وصال: ''شیخ الحدیث مولانا رسول خاں انتقال کر گئے۔ مرحوم کو آج اچھڑیاں میں سپرد خاک کیا جائے گا۔ لاہور کے جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رسول خاں اپنے آبائی گاؤں تحصیل مانسہرہ کے موضع ''اچھڑیاں'' بفہ میں وفات پا گئے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کہا کہ ''مولانا رسول خاں نے تمام عمر دین کی خدمت کی اور ان کے شاگرد بڑے بڑے جید علماء ہیں''(۱)۔

کئی جرائد ومجلّات نے دل کھول کر تعزیتی اداریے، نوٹ اور مرثیے شائع کیے(۲)۔

فات فیضک (۱۳۹۱ھ)، فات فضل (۱۳۹۱ھ) اور ورفعنا لک ذکرک (۱۳۹۱ھ)

سے مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے تاریخہائے وصال نکالی ہیں۔

---

(۱) روزنامہ جنگ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۱ء، راولپنڈی، ص:۱۔

(۲) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک، ماہ رمضان ۱۳۹۱ھ، اداریہ۔ ''بینات'' ماہنامہ، شوال ۱۳۹۱ھ، اداریہ۔ ''تعلیم القرآن'' ماہنامہ راولپنڈی، نومبر ۱۹۷۱ء، اداریہ۔ ''الارشاد'' ماہنامہ، کیمبلپور، رمضان وشوال ۱۳۹۱ھ، ص: ۲، اداریہ۔ ''انوار مدینہ'' ماہنامہ لاہور، رمضان وشوال ۱۳۹۱ھ، اداریہ۔ ''البلاغ'' کراچی ماہنامہ، شوال ۱۳۹۱ھ، اداریہ، وماہ جون ۱۹۷۲ء، مرثیہ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی۔

صوفیانہ مسلک

پہلی بیعت حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر ہوئی۔ دوبارہ مولانا اشرف علی تھانوی سے تعلق قائم ہوا۔ انہی سے روحانی اسباق کی تکمیل کی۔ حضرت تھانوی نے ۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء کو چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی(۱)۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند محمد عمران، محمد غفران اور محمد عرفان اور تین دختران شمس النساء، نور النساء اور خیر النساء ہیں۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں:

۱: مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند(۲)۔

۲: مولانا محمد میاں صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی۔

۳: مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی(۳)۔

---

(۱) خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح، ج: آخر، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، بار اول، لاہور، ص: ۲۵۴، عدد: ۶۱۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری: تذکرہ مشائخ دیوبند، مطبوعہ کراچی ۳۲۷ (حضرت کے خلفاء میں ۶۱ ویں نمبر پر)۔

(۲) قاری فیوض الرحمٰن: سوانح حضرت مولانا محمد رسول خاں، مطبوعہ ۱۳۹۲ھ، ص: ۱۵۹۔

(۳) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب: تفسیر معارف القرآن، مطبوعہ کراچی، ج: ۱، ص: ۶ (اپنے اساتذہ میں)۔

۴: مولانا محمد یوسف بنوری، مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (۱)۔

۵: مولانا شمس الحق افغانی، استاذ دارالعلوم دیوبند (سابقاً) (۲)۔

۶: مولانا حافظ محمد ادریس کاندہلوی، جامعہ اشرفیہ لاہور (۳)۔

۷: مولانا خیر محمد، خیر المدارس ملتان (۴)۔

۸: مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی، دارالارشاد کیمبلپور (۵)۔

۹: مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ، پشاور، (۶)۔

۱۰: مولانا عبدالباری ندوی، صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی (سابقاً)۔

۱۱: مولانا سید مغیث الدین چاندپوری (۸)۔

۱۲: مولانا عبداللہ صاحب خانقاہ کندیاں ضلع میاں والی (۹)۔

۱۳: مولانا غلام غوث ہزاروی (۱۰)۔

۱۴: مولانا حافظ نور الحسن خان، پروفیسر اورینٹل کالج لاہور (۱۱)۔

۱۵: پروفیسر مولانا عبدالقیوم، دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور (۱۲)۔

---

(۱) تا (۷) قاری فیوض الرحمٰن: سوانح حضرت مولانا محمد رسول خاں، ص: ۱۵۹، ۱۶۰۔

(۸) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، مطبوعہ ۱۹۷۴ء، لاہور ۱۵۲۔

(۹) ایضاً، ایضاً، ص: ۲۸۶، ۲۸۸ (اساتذہ میں)۔

(۱۰) و (۱۱) قاری فیوض الرحمٰن: سوانح مولانا محمد رسول خاں، مطبوعہ ۱۶۰۔

(۱۲) خود مجھے بتایا کہ حضرت مولانا میرے استاذ ہیں۔

۱۶: پروفیسر مولانا حافظ عبدالقدوس صاحب، صدر شعبۂ اسلامیات جامعہ پشاور (سابقاً) (۱)۔

۱۷: مولانا خلیل الرحمٰن، شہاب خیل پشاور (۲)۔

آپ کو تدریس سے فرصت نہیں ملی، اس لیے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی البتہ بعض کتابوں پر مقدمے، تقاریظ (۳) لکھی ہیں۔

کئی اور کتابوں (۴) میں بھی آپ کا ذکر آیا ہے۔

---

(۱) خود مجھے بتایا کہ حضرت مولانا میرے استاذ ہیں۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، لاہور، ج: ۲، ص: ۱۵۲ (ان کے اساتذہ میں) ص: ۱۷، ایضاً، ۳۲۔

(۳) تفریح الجنان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ لاہور، از مولانا عبدالقادر ہزاروی۔ رسول کی تعلیم، مولانا قاضی ظہور الحسن اور مفتاح العربیہ از مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔

(۴) مولانا عزیز الرحمٰن: نصائح عزیزیہ، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ، ص: ۱۶۲۔

رئیس احمد جعفری: اوراق گمشدہ، مطبوعہ ۱۹۶۸ء، لاہور ۲۲۰۔ علامہ خالد محمود: مقام حیات، مطبوعہ ۱۳۸۰ھ، ص: ۲۷۲۔ حافظ نذر احمد: جائزہ مدارس، ص: ۱۸۔ محمد عبدالحق: تالیفات اشرفیہ لکھنؤ ۱۳۵۴ھ، ص: ۸۹۔

مولانا محمد نذیر ''صاحب حق'' سواتی (۱)

۱۳۰۳ھ/۱۸۸۳ء..................۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

آپ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۳ء کو مولانا فضل احمد صاحب کے گھر ''چکیسر'' ضلع سوات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا غلام محمد صاحب سے حاصل کی، پھر سوات (۲) کوہستان اور ہزارہ کے مختلف مقامات پر مختلف علماء سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی کیمبلپوری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد چکیسر میں ۵ سال، دارالعلوم اسلامیہ سیدوشریف سوات ۱۸ سال، چکیسر میں ۲ سال، دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی (پشاور) میں ایک سال، دارالعلوم اسلامیہ شیر گڑھ (مردان) میں ایک سال، دارالعلوم اسلامیہ پیر بابا بونیر میں چند ماہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ کتب حدیث زیادہ تر زیر درس رہیں پھر چکیسر میں دارالعلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی اور آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔

وصال: ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ/۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو فالج کے حملے سے وصال ہوا۔ کئی رسائل میں تعزیتی نوٹ شائع ہوئے (۳)۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا عنایت اللہ مہتمم مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ چکیسر (سوات) سے لیا گیا۔

(۲) گنانگر، کولئی، ڈاگئی اور حسن زو وغیرہ مقامات پر پڑھتے رہے۔

(۳) مولانا سمیع الحق مدیر: الحق، ماہنامہ اکوڑہ خٹک پشاور، شوال ۱۳۹۱ھ/دسمبر ۱۹۷۱ء، ص: ۳۸ (تعزیتی اداریہ) =

اولاد

اولاد میں مولوی عنایت اللہ اور مولوی کفایت اللہ ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱...... كشف الظلم في حل مشكلات السلّم: یہ منطق کی مشہور کتاب ''سلّم العلوم'' کی شرح ہے۔ ۱۹۶۰ء میں طبع ہوئی، بار اول

۲...... شرح قاضی مبارک، صفحات ۱۰۰، مطبوعہ ۱۹۷۵ء

۳...... شرح بخاری، (قلمی)

۴...... شرح بیضاوی (قلمی)۔

صوفیانہ مسلک

سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالرزاق ساکن بڑوان علاقہ تیراہ (قبائل) اور سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا عبدالمالک صدیقی کے خلیفۂ مجاز تھے۔

ممتاز تلامذہ: میں مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)، مولانا عبدالرحمٰن شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی، مولانا زرداد شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ سوات، مولانا عبدالرحیم پنج پیری، مولانا عبدالحکیم بدخشی، مولانا حزب اللہ قندھاری، مولانا غلام محمد ترکستانی، مولانا جمشید بلخی اور مولانا محمد شریف بخاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

= خدام الدین ہفت روزہ، لاہور، ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء، ص: ۱۸ (تعزیتی نوٹ)۔

مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی (۱)

۱۸۹۲ء..................۱۹۷۳ء

آپ ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء کو ''دیدل کماچ'' علاقہ چغرزئی ملحقہ ہزارہ میں مولوی حاجی احمد خاں قادری کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ''جدباء برکلی'' علاقہ چغرزئی کے مولانا سید عمر صاحب سے حاصل کی۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب سے پڑھتے رہے۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کو پیر جھنڈا گوٹھ سندھ میں مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا احمد علی صاحب سے تعلیم حاصل کی، پھر چند ماہ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور پھر چکیسر (سوات) میں پڑھتے رہے۔

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو سہارنپور پہنچے اور پھر ہاپوڑ مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ میں مولانا اعظم الدین ہزاروی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء کو مدرسہ فتح پوری دہلی میں داخلہ لیا اور تین سال پڑھتے رہے۔ فنون کی آخری کتابیں ٹونک میں مولانا حیدر حسن افغانی اور مولانا حکیم برکات احمد سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث کے لیے مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا معین الدین اجمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو ''سند الفاضلیہ'' حاصل کی۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے خود نوشت حالات زندگی موسومہ ''التذکرۃ المحمودۃ'' عربی، مطبوعہ اردو سندھ پریس سکھر سے لیا گیا اور کچھ مواد مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ نزد عیدگاہ کوئٹہ سے بھی لیا گیا ہے۔

تدریس

فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں ڈیڑھ سال، دارالعلوم خلافت حنفیہ صوفیہ اجمیر میں دو سال اور جامعہ حسینیہ راندیر سورت میں پہلے مدرس اعلیٰ اور پھر شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر ۲۶ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ مدرسہ کی طرف سے مفتی بھی رہے۔ مدرسہ سے چھٹی لے کر حیدرآباد دکن بسلسلۂ طباعت کتب جانا ہوا۔ اسی اثناء میں تقسیم ملک کی وجہ سے وطن واپس آنا ہوا، پھر مولانا عرض محمد کی دعوت پر مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ میں تدریس کرتے رہے۔

۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء میں جامعہ عربیہ اسلامیہ نزد عیدگاہ کوئٹہ کی بنیاد رکھی۔ ایک مسجد بھی اس میں بنوائی۔ آخری وقت تک اس جامعہ میں تدریس کرتے رہے، مفتی بھی رہے۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں ''معین العقائد'' صفحات ۹۶ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء، ''معین الحکمت'' صفحات ۱۰۴، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ''معین الفرائض'' مطبوعہ دہلی صفحات ۱۲۶، اور ''معین المنطق'' حصہ اول صفحات ۴۸ اور دوم صفحات ۱۴۸، بار دوم مطبوعہ کراچی، پہلی کتاب عقائد، دوسری فلسفہ، تیسری وراثت (میراث) اور چوتھی علم منطق پر ہے اور عمدہ ہے۔

صوفیانہ مسلک

پیر سید غلام مصطفیٰ قادری کلیدار کی طرف سے ربیع الاول ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء کو خلافت ملی۔

وصال

یکم ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء کو آپ کا وصال ہوا اور جامعہ کے احاطہ میں دفن کئے گئے۔

''معین المنطق'' کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''منطق کوئی مشکل فن نہیں، لیکن اس کی جو کتابیں عربی نصاب میں داخل ہیں اور ان کی تعلیم کا جو طریقہ ہے، اس سے عموماً طلبہ کو خالص فن کے مسائل ذہن نشین کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔

فاضل مؤلف نے جن کی ساری عمر تعلیم و تدریس میں گذری ہے، خالص فن کے تمام ضروری مسائل کو نہایت سہل اور دلنشین طرز میں اختصار و جامعیت کے ساتھ اردو میں لکھ دیا ہے اور روزانہ کی مثالوں سے اس کی پوری تشریح کر دی ہے۔ ابتدائی جماعت کے طلبہ کے لئے یہ رسالہ مفید ہے''(۱)۔

(۱) مولانا شاہ معین الدین ندوی: معارف، ماہنامہ اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۴۰ء، ص: ۸۱ (تبصرہ کیا)۔

مولانا عبدالحق نافع گل پشاوری (۱)

۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء............۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

آپ ۹ محرم ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء کو زیارت کا کا صاحب تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں میاں شاہد گل صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ شیخ رحمکار کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں جو اس علاقے کی معروف ترین بزرگ شخصیت تھی۔ ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور پھر وہیں دورۂ حدیث امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے پڑھ کر سند الفراغت حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد نواکھلی بنگال میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں استاذ درجہ علیا کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۶۶ھ/۱۹۲۷ء تک برابر ۱۵ سال تدریس کرتے رہے (۳)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا عبداللہ کاکاخیل استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی سے لیا گیا۔

(۲) سید احمد رضا بجنوری: انوار الباری شرح بخاری، مطبوعہ بجنور، ج:۲، ص:۲۵۸ (علامہ انور شاہ کشمیری کے ممتاز تلامذہ میں عدد ۲۹ کے تحت)۔

(۳) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ دیوبند، جون ۱۹۶۵ء، بار اول، ص ۱۱۲ (اساتذہ دارالعلوم میں ۹۸ ویں نمبر پر)۔

تقسیم ملک کی وجہ سے وطن واپس آنا ہوا، تو پھر واپس دیوبند نہ جاسکے۔

۱۹۵۰ء میں مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں بطور شیخ الحدیث ۲ سال تک تدریس کی۔

۱۹۵۳ء میں مدرسہ اسلامیہ چارسدہ (پشاور) میں اعزازی طور پر شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور دو سال تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۶،۵۷ء میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث رہے۔

تصانیف: تصانیف میں ''نفع المہتدی'' اور ''ایضاح فتاوی'' دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں(۱)۔

وصال

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ/ ۸ جنوری ۱۹۷۲ء بوقت ساڑھے چار بجے شام سخاکوٹ ''میانگانو کلے'' میں وصال ہوا۔ ''فرح من فضلہ'' ۱۳۹۲ھ سے تاریخ وصال نکلتی ہے (۲)۔

کئی رسائل میں تعزیتی اداریے، نوٹ اور مراثی شائع ہوئے (۳)۔

اولاد: اولاد میں پانچ لڑکے (محمد طیب، محمد عبداللہ، عبدالرحمٰن، محمد قاسم اور محمد یوسف) اور چار لڑکیاں (بی بی عائشہ، بی بی زینب، حفصہ اور خدیجہ) ہیں۔

(۱) اول الذکر کتاب مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کے سیاسی مسلک کے دلائل کا رد ہے اور مؤخر الذکر مولانا مودودی صاحب کے مسلک کا علمی رد ہے۔

(۲) تاریخ وصال آپ کے شاگرد مولوی عبدالجمیل صاحب خطیب جامع شوگر مل چارسدہ نے لکھی ہے۔

(۳) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ، فروری، مارچ ۱۹۷۴ء، اداریہ۔ ''بینات'' کراچی اداریہ، شعبان ۱۳۸۴ھ مع مراثی، ص: ۳۹۔ ''خدام الدین'' ہفت روزہ، ترجمان الاسلام لاہور۔

مولانا عبدالرحمٰن مردانی (۱) شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن

۱۹۱۳ء.........۱۹۷۵ء

آپ ۱۹۱۳ء کو ''مینئی''، تحصیل صوابی ضلع مردان میں مولوی سید امیر بن سربلند خاں کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی، پھر ضلع ہزارہ کے ممتاز مدرس عالم مولانا قاضی غلام نبی ساکن گیدڑپور تحصیل مانسہرہ ہزارہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء کو مدرسہ ''امداد الاسلام'' میرٹھ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی صدر مدرس اور مولانا ابرار شاہ ہزاروی سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ میرٹھ میں تین سال تک پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے دو سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کی۔ تیسرے سال ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء کو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ''دارالعلوم'' سہارنپور میں بطور صدر مدرس دو سال، ''خیر المدارس'' جالندھر میں ایک سال، مدرسہ رحیمیہ دہلی میں دو سال، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت میں ایک سال، مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں تقسیم ملک تک

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کی زندگی میں لیا گیا تھا۔

دوسال اور مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی کے چلے آنے کے بعد بحیثیت صدر مدرس ۵ سال تک اعلیٰ تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۵۲ء کو وطن واپس آئے اور دارالعلوم چارسدہ پشاور میں بطور شیخ الحدیث ۹ سال، جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک پشاور میں دو سال تک تدریس حدیث میں مشغول رہے۔

وصال

۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو واصل بحق ہوئے۔

تصنیفی خدمات

۱......جواهر الأصول في أصول الحديث (عربی)، مطبوعہ راولپنڈی بار سوم۔

۲......رسالہ فیضان الباری شرح حدیث عبداللہ بن زبیر فی البخاری، مطبوعہ۔

۳......الكوثر الجاري على رياض البخاري، حصہ اول مطبوعہ پشاور۔

تعزیتی نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ

’’شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن: ۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند کا وصال ہوا۔ تدفین ۳ بجے ظہر، ان کے آبائی گاؤں ’’مینئی‘‘، تحصیل صوابی میں

ہوئی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے جنازہ پڑھایا۔ دارالعلوم سے طلبہ کے جم غفیر نے شرکت کی۔ عمر درس وتدریس میں گزری۔ تقسیم سے قبل مدرسہ ’’امداد الاسلام‘‘ میرٹھ، اس کے بعد دارالعلوم چارسدہ، اور پھر آخر تک مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث رہے(۱)۔

(۱) مولانا سمیع الحق: یادرفتگان، الحق، مارچ ۱۹۷۵ء، ص: ۶۵۔

باب سوم

مفسرین

مولانا فضل الرحمٰن صاحب (۱) خطیب جامع مسجد ''تیلیاں'' ہری پور ہزارہ

۱۸۵۰ء............۱۹۵۹ء

آپ ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ جناب شیر محمد خاں صاحب کے گھر ''سلم کھنڈ تھانہ غازی'' ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے (۲)۔ قومیت کے لحاظ سے آپ پٹھان تھے۔

ابتدائی تعلیم ہزارہ کے علماء سے حاصل کی، پھر ''کوٹھہ'' (مردان) کے جناب عیسیٰ باچا صاحب سے تکمیل کی۔ آپ مسلکاً اہل حدیث علماء میں سے تھے۔

فراغت و تکمیل کے بعد ''حبیب گل''، مینئی تحصیل صوابی ضلع مردان کی مسجد میں ۱۵ سال تک امامت کے فرائض انجام دیئے، پھر واپس وطن آئے اور قریبی گاؤں ''چریاں'' سے جناب نور احمد صاحب کی دختر فاطمہ بی بی سے شادی ہوئی۔ دس سال ''چریاں'' میں گزارنے کے بعد جامع مسجد محلّہ تیلیاں ہری پور کے امام و خطیب مقرر ہوئے اور نصف صدی تک تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے کر ۱۹۵۹ء کو وہیں انتقال ہوا۔

---

(۱) آپ کا سوانحی خاکہ (تذکرہ) آپ کے بھتیجے جناب محمد یعقوب خان صاحب آف پٹھان کالونی ''سوکا'' ہری پور ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) یہ گاؤں ''غازی'' سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

تصنیفی خدمات

۱......تفسیر فضل الرحمٰن، پارہ اول،صفحات ۳۴۴ (بڑا سائز)

۲......تفسیر فضل الرحمٰن، پارہ دوم،صفحات ۳۷۵ (ایضاً)

۳......تفسیر فضل الرحمٰن، پارہ سوم،صفحات ۲۷۲ (ایضاً)

۴......تفسیر فضل الرحمٰن، پارہ چہارم و پنجم (غیر مطبوع) ورثاء کے پاس ہے۔

۵......احوال العمر والخاتم والقبر ،صفحات ۲۱

۶......ولہ الکبریاء ورسالہ احکام زیارۃ القبور (یکجا) صفحات:۵۶

۷......رسالہ درود شریف،صفحات ۳۸

۸......رسالہ فی علم التہلیل وفضائلھا،صفحات ۱۸ (۱)۔

۹......رسالہ فتح البیان فی احکام القیام والرمضان،صفحات:۵ (۲)۔

۱۰......المناظرات الثلاثۃ فی فرضیہ الجمعہ فی المدن والقری، التحقیق فی صلاۃ الاحتیاطی وغیرھا، پنج گنج اسلام (پانچ حصے) اول کتاب الاسماء والصفات، ۲۰ صفحات۔ دوم کتاب التفصیل والتشریح فی اسماء الذات والصفات، ۶۴ صفحات۔سوم کتاب التوحید واثبات باری تعالیٰ، ۲۶ صفحات۔ چہارم کتاب التفسیر والتشریح فی اقسام الشرک والتوحید، ۴۴ صفحات۔ پنجم وسیلۂ نجات خیر الھدی فی

(۱) فضائلھا، مؤنث ضمیر کالانا ازروئے قانون درست نہیں۔

(۲) ''رمضان'' کے ساتھ ''ال'' کا استعمال بھی درست نہیں۔

اسوۂ حسنہ لسنن المصطفے صلی اللہ علیہ وسلم،صفحات ۴۸، مطبوعہ ثنائی برقی پریس، امرتسر۔ (آپ کی یہ تمام تصانیف مطبوعہ ہیں)۔

اولاد

اولاد میں دو لڑکے پیدا ہوئے، مگر فوت ہوگئے۔ ایک دختر زندہ اور صاحب اولاد ہیں۔

مولانا حافظ محمد ادریس طوروی مردانی (۱)

۱۹۱۵ء............۱۹۶۵ء

آپ ۱۹۱۵ء کو حافظ احمد شاہ بن حافظ نقاب شاہ بن حافظ سمیع اللہ کے گھر طورو ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد صاحب سے حفظ کیا۔ درس نظامی کی کتابیں اپنے نانا مولوی محمد اسماعیل سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی گئے اور وہاں مولانا عبدالجلیل سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کر کے مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان امتیاز سے پاس کر کے تین سو روپیہ اور تمغہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۵ء میں منشی فاضل اور ۱۹۴۰ء میں ادیب فاضل کے امتحانات اسی یونیورسٹی سے پاس کئے۔ ۱۹۳۹ء میں ایم اے او کالج امرتسر میں دینیات اور عربی کے لیکچرر مقرر ہوئے۔

۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں اردو اور اسلامیہ کا لجیٹ میں پشتو کی تدریس کی۔ ۱۹۴۰ء میں میٹرک، ۱۹۴۲ء میں انٹر، ۱۹۴۴ء میں بی اے اور ۱۹۴۶ء میں ایم اے فارسی اور ۱۹۴۷ء میں ایم اے عربی کے امتحانات پاس کئے۔ ایم اے عربی میں تمغہ حاصل کیا۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد ان کے احباب عبدالحلیم اثر، پروفیسر رشید احمد سے لیا گیا۔ نیز روزنامہ ''انجام'' پشاور ۸ جون ۱۹۶۵ء بھی سامنے رہا۔

پنجاب یونیورسٹی کے وظیفہ پر بہاولپور کالج میں ریسرچ سکالر مقرر کئے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں محکمہ اطلاعات صوبہ سرحد میں ملازم ہوئے اور چند سال بعد ۱۹۵۲ء میں محکمہ تعلیم میں آئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج مردان، پھر گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں زبان عربی کے لیکچرر رہے۔ ۱۹۶۲ء میں شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی کے لیے بطور صدر شعبہ آپ کی خدمات مستعار لی گئیں (۱)۔ ۱۹۶۵ء میں جامعہ پشاور کی طرف سے بطور ریسرچ سکالر تین ماہ کے لیے قاہرہ جانے کی تیاری کی۔

وصال

۲۰ مئی ۱۹۶۵ء کو جب یہ بوئنگ طیارہ قاہرہ کے ہوائی اڈہ کے قریب پہنچا، اس میں اچانک ایک دھماکہ ہوا جس سے جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اس میں آپ کے علاوہ ممتاز ادیب اور صحافی بھی واصل بحق ہوئے اور قاہرہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں تین دختراں اور چار فرزند ولی اللہ ایم اے، اسد اللہ ایم اے،

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، لاہور، بار اول، ج: ۲، ص: ۲۵۶، پر یہ عبارت: ''۱۹۶۲ء میں شعبۂ اسلامیات کے پشاور یونیورسٹی میں صدر مقرر کئے گئے'' درست نہیں۔ اسی طرح آپ کے تذکرہ کے آغاز میں ص: ۲۵۴ پر صدر شعبۂ اسلامیات لکھا گیا ہے، یہ بھی درست نہیں۔

ضیاء اللہ اور ذکاء اللہ ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱......تفسیر کشاف القرآن، بزبان پشتو مکمل (۱)۔

۲......جمال الدین افغانی

۳......دراسۃ القرآن

۴......خطبات نبوی کا ترجمہ

۵......النحو الواضح لعلی جارم مصری کے پہلے تین اجزاء کا ترجمہ

۶......میر الڑکپن: طٰہٰ حسین مصری کی کتاب کا اردو ترجمہ

۷......معجزات رسول (ﷺ)

۸......پشتو گرامر، صفحات: ۱۶۰

۹......تعلیمی قصے

۱۰......اسلامی قصے

۱۱......ازہار الادب (نصاب برائے جماعت نہم، دہم)

۱۲......عربی ہمارے مدارس میں، صفحات: ۶۲

۱۳......چہل حدیث کا ترجمہ بزبان پشتو (حلوینت احادیث)

۱۴......ذی رے فیصلے (پشتو)

---

(۱) مفہوم القرآن: فدا محمد ایم اے، پشاور، ص: ۲۷۔

۱۵......خوبزے لطیفے (پشتو)

۱۶......کپری نادیدہ (پشتو)

۱۷......تعلیم الدین (پشتو ترجمہ) (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب کا)، صفحات: ۳۲۰، مطبوعہ پشاور یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور شہر۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''محکمہ اطلاعات کے ماہوار مجلّہ ''کاروان سرحد'' کی ادارت کی مشہور و معروف مذہبی رسائل میں آپ کے تحقیقی مضامین باقاعدگی سے چھپتے اور شوق سے پڑھے جاتے'' (۱)۔

ان کے علاوہ کئی کتابوں (۲) پر مقدمے اور کئی رسالوں (۳) میں مضامین بھی شائع ہوئے۔ آپ کا شمار پشتو زبان کے ممتاز ادباء میں ہوتا ہے (۴)۔ کئی اور جگہ بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے (۵)۔

---

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ج: ۲، ص: ۲۵۷۔

(۲) ایضاً، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ج: ۱ کا مقدمہ آپ کے قلم سے ہے۔

(۳) وائس آف اسلام (Voice of Islam) کراچی، ماہ اگست ۱۹۶۴ء، ص: ۶۳۶ تا ۶۴۸ آپ کا مضمون ''آنحضرت ﷺ کا ابدی معجزہ'' (اور حوالے مل نہیں سکے)۔

(۴) محمد مدنی عباسی: پشتو زبان اور ادب کی تاریخ، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، اشاعت اول ۱۹۶۹ء، ص: ۱۱۷۔

(۵) عبدالقیوم ندوی: خطبات نبوی، لاہور تاج کمپنی، ص: ۲۵۰، پر آپ کے ترجمہ ''خطبات نبوی'' سے ایک اقتباس لیا گیا ہے۔

مولانا سید انوار الحق کاکاخیل پشاوری

۱۹۲۰ء............۱۹۶۸ء

آپ زیارت کاکاخیل تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد کچھ عرصہ علامہ شبیر احمد عثانی کی معیت میں ڈابھیل میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، پھر کچھ عرصہ اسلامیہ کالجیٹ پشاور میں تدریس کی۔ زاں بعد بطور لیکچرر اسلامیات آپ کا تقرر ہوا اور ایک عرصہ تک تدریس کرنے کے بعد ۱۹۶۸ء میں دوران ملازمت انتقال ہوا۔

تصانیف

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے عرصۂ تدریس میں تصنیف کا سلسلہ شروع کیا اور آخری دم تک تدریس اور تصنیف میں لگے رہے۔

۱......انوار القرآن (دو ترجموں والی) (۱)۔

۲......انوار النظر علی شرح نخبۃ الفکر (اصول الحدیث)۔

(۱) مولانا فدا محمد ایم اے: مفہوم القرآن، پشاور یونیورسٹی بک ایجنسی (ب، ت) ص: ۲۷۔

۳......انوار العلوم شرح سلّم العلوم (منطق) اردو

۴......رد بدعات، صفحات ۱۹۲، مطبوعہ ۱۳۶۶ھ، حمیدیہ پریس پشاور

۵......چہل حدیث مع ترجمہ وتشریح

۶......اسلامیات برائے بی اے آپشنل

۷......اسلامیات انٹر

۸......انوار الاسلام (ٹرل جماعتوں کے لیے)

۹......انمول موتی (چہل حدیث کا ایک اور مجموعہ)

اور ان کے علاوہ چند رسائل: گفتۂ نیکاں، ہمارے پیارے رسول ﷺ، رفقائے محسن اعظم، نماز کی سورتیں، امت کی مائیں، حج وزکوۃ اور ان کے مسئلے، اسلامی عقیدے اور افتتاح تعلیمات قرآن یادگار چھوڑیں۔ آپ کا شمار پشتو کے ممتاز ادباء میں ہوتا ہے (۱)۔

وصال

دسمبر ۱۹۶۸ء میں پشاور میں آپ کا وصال ہوا۔

(۱) محمد مدنی عباسی: پشتو زبان اور ادب کی تاریخ، لاہور، مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۹ء، بار اول، ص: ۱۱۷۔

مولانا عبدالحق دربھنگوی پشاوری

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''پشاور کے علاقے کے ایک مشہور عالم مولانا عبدالحق دربھنگوی نے قرآن کریم کا ایک ترجمہ پشتو زبان میں شائع کیا۔ ''دربھنگہ'' پشاور سے شمال کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مولانا موصوف ایک فصیح و بلیغ اور قادرالکلام عالم اور فارسی اور پشتو کے بہترین شاعر تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ اس طریق سے کیا کہ ترجمہ لفظی بھی ہو اور عام فہم بھی۔ انہوں نے خالص عوامی زبان استعمال کی۔ فارسی اور عربی کے ثقیل الفاظ بالکل ترک کردیئے۔ یہ تفسیر کافی جلی خط میں چھپی جس سے اس کی مقبولیت دوسری تفسیروں کی نسبت بہت بڑھ گئی۔ یہ تفسیر تقریباً ایک ہزار صفحات پر محتوی ہے''(۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''مولانا عبدالحق (دربھنگی) کا پشتو ترجمہ بھی کافی مقبول ہے''(۲)۔

مولانا محمد ادریس لکھتے ہیں کہ

''مولانا الیاس کوچیانی کے تھوڑے دنوں بعد انہی کے علاقے کے

(۱) قاری محمد عادل خان: پشتو تراجم وتفاسیر قرآن، مطبوعہ مقالہ ماہنامہ ''المعارف'' لاہور، فروری ۱۹۷۵ء، ص:۱۴۔

(۲) مولانا فدا محمد ایم اے: مفہوم القرآن، پشاور، ص:۲۷۔

ایک مشہور فاضل مولانا عبدالحق دربھنگوی نے ایک ترجمہ شائع کیا۔ ''دربھنگہ'' بھی پشاور سے شمال کی طرف ورسک کی سڑک پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مولانا ایک فصیح و بلیغ اور قادرالکلام عالم تھے۔ الفاظ گویا ان کے سامنے دست بستہ حاضر رہتے تھے اور جملے ان کے زبان پر آکر ازخود کھل جاتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ اس ساز وسامان کے ساتھ کیا کہ لفظی بھی ہو اور عام فہم بھی۔ انہوں نے عربی اور فارسی کے الفاظ کا بوجھ کم کر کے خالص عوامی زبان رکھی اور ترجمے کے انداز کو نسبتاً بہتر بنایا نیز یہ کتاب موٹے حروف میں چھپ گئی، اس لیے بوڑھے لوگوں میں جلد مقبول ہوگئی۔ ترجمے کے حواشی پر مولانا نے مختلف تفاسیر سے متفرق فوائد دیئے ہیں، جو زیادہ تر موضح القرآن، ابن کثیر، اور تفسیر یسیر سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کی ضخامت بڑی تقطیع پر ایک ہزار صفحات کے لگ بھگ ہے اور یہ ضخامت زیادہ تر موٹا قلم استعمال کرنے کی رہین منت ہے'' (۱)۔

(۱) محمد ادریس، حافظ: پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ، قرآن نمبر، ج:۲، لاہور ۱۹۶۹ء، ص:۶۲۔

مولانا فضل ودود پشاوری

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

’’قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد مولانا فضل ودود نے قرآن مجید کے پندرہ پاروں کا ترجمہ اور تفسیر پشتو زبان میں کیا۔ مولانا موصوف بہترین خوش نویس بھی تھے اور بہت نیک بھی۔ انہوں نے فرصت کے لمحات میں سترہ پاروں کا ترجمہ اس طرح کیا کہ اسے بامحاورہ بنانے کے لئے جگہ جگہ قوسین کا استعمال کیا۔ حواشی پر خازن، معالم التنزیل، جمل اور روح البیان وغیرہ سے فوائد نقل کیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس انداز سے پشتو زبان کے ترجمے کی ایک ترقی یافتہ شکل سامنے آ گئی۔ مولانا فضل ودود یہ تفسیر مکمل نہ کر سکے اور اس کی تکمیل کی سعادت ایک اور عالم دین اور خوش نویس کے حصے میں آئی۔ یہ ترجمہ پہلے تمام ترجموں سے بہتر اور آسان ہے۔ اس تفسیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے دونوں تکمیل کنندگان بزرگ فن کتابت میں کامل مہارت رکھتے تھے‘‘(۱)۔

مولانا حافظ محمد ادریس لکھتے ہیں کہ

’’پاکستان قائم ہونے کے بعد ’’تہکال بالا‘‘ کے مولانا فضل ودود نے قرآن مجید کے پندرہ پاروں کا ترجمہ مع تفسیر ودودی لکھا۔ مولانا عربی اور پشتو کے بہترین خوش نویس ہیں۔ انہوں نے فرصت کے لمحوں سے فائدہ اٹھا کر سترہ

(۱) قاری محمد عادل: معارف، فروری ۱۹۷۵ء، لاہور، ص: ۱۵، ۱۶۔

پاروں کا لفظی ترجمہ اس طرح لکھا کہ اسے بامحاورہ بنانے کے لئے جگہ جگہ قوسین کا استعمال کیا۔ حواشی پر خازن، معالم التنزیل، جمل اور روح البیان وغیرہ تفاسیر سے فوائد نقل کیے اور اس طرح پشتو ترجمے کی ایک ترقی یافتہ شکل سامنے آ گئی۔ بعض تجارتی وجوہات کی بناء پر مصنف اس کام سے دل برداشتہ ہو گئے اور تفسیر کی تکمیل مولانا گل رحیم الاسماری کے حصے میں آئی، جو یارحین (۱) ضلع مردان کے ایک فاضل خوش نویس ہیں۔ یہ ترجمہ اپنے ماسبق ترجموں سے نسبتاً بہتر اور آسان ہے۔ پہلی جلد میں ہر لفظ کا ترجمہ اس لفظ کے نیچے آ گیا ہے، مگر جلد دوم میں اس کا التزام نہیں ہو سکا۔ اس کا تفسیری حصہ کسی قدر مختصر ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے دونوں مصنف خوش نویس اور پیشہ ور کاتب ہیں‘‘(۲)۔

(۱) جگہ کا نام یارحین نہیں بلکہ ’’یارحسین‘‘ ہے۔

(۲) محمد ادریس حافظ: پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ، قرآن نمبر، ج: ۲، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۶۳۱، ۶۳۲ (قاری محمد عادل خان کا مضمون دراصل حافظ صاحب ہی کے مضمون کا چربہ ہے)۔

مولانا محمد الیاس پشاوری

آپ ''کوچیان'' (۱) ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

آپ کی تصانیف میں ''مخزن التفاسیر'' بزبان پشتو ہے۔ ترجمہ تحت اللفظ اور تفسیر حواشی میں درج کی گئی ہے، عام فہم ہے۔ مطبع خادم الاسلام دہلی سے ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''تفسیر یسیر کے بعد جس عالم دین نے قرآن کریم کی خدمت کے لئے قلم اٹھایا وہ مولانا محمد الیاس پشاوری کوچیانی ہیں۔ ''کوچیان'' پشاور سے شمال کی طرف ورسک جانے والی سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس فاضل محقق نے جب دیکھا کہ ''تفسیر یسیر'' میں ترجمہ اور تفسیر اس طرح خلط ملط ہوگئے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون سا لفظ کس عربی لفظ کا ترجمہ ہے تو انہوں نے'' مخزن التفاسیر'' کے نام سے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی تفسیر لکھی......اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عربی سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والے بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ پشتو کا کون سا لفظ عربی کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

(۱) قاری محمد عادل خان: پشتو تراجم وتفاسیر قرآن، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''المعارف'' لاہور، فروری ۱۹۷۵ء۔

اس تفسیر کو عوام میں وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ''تفسیر یسیر'' کو حاصل ہوئی، اس لیے کہ مفسر نے اس کی اشاعت کے لیے بجائے مقامی ناشرین کے دہلی کے مطبع خادم الاسلام سے معاہدہ کیا اور ۱۳۱۲ھ میں یہ تفسیر اس مطبع سے چھپی، جس پر مقامی ناشرین نے اس کی حوصلہ افزائی سے گریز کیا اور کتاب کے اکثر نسخے دہلی میں رہ گئے حالانکہ پشتو میں تفسیری ارتقاء کے سلسلے کی یہ دوسری کڑی تھی اور اس میں پہلی تفسیر کی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ناشرین کی ناقدری نے اس تفسیر کو مقبول عام نہ ہونے دیا''(۱)۔

(۱) محمد ادریس حافظ: قرآن نمبر، ج:۲، لاہور ۱۹۶۹ء، ص:۶۲۹، ۶۳۰ (قاری محمد عادل خاں کا مواد حافظ صاحب مرحوم ہی سے ماخوذ ہے)۔

باب چہارم
فقہاء

مولانا شاہ محمد ادریس فاروقی پشاوری (۱)

۱۷۷۲ء.................۱۸۵۹ء

آپ ۱۷۷۲ء کو پشاور میں پیدا ہوئے ۔ آپ غلام حسین ابن غلام محمد ابن غلام معصوم ثانی ابن محمد اسماعیل ابن صبغت اللہ ابن خواجہ معصوم ابن شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے فرزند تھے ۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''آپ علوم طریقت کے علاوہ علوم شریعت کے، علم صرف ونحو، فقہ، اصول منطق وکلام میں فرید عصر اور یگانۂ دہر تھے۔ علم فقہ کی متعدد کتابوں پر آپ کے حواشی موجود ہیں جن میں حاشیہ مستخلص الحقائق اور کتاب منیۃ المصلی کے نام قابل ذکر ہیں''۔

ادیب شاعر

آپ نے اپنے پیر طریقت اور عم زاد بھائی شاہ فضل احمد معصومی کی وفات پر بزبان فارسی جو مرثیہ لکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شاعر اور ادیب بھی تھے۔ اس مرثیہ کے کل ۳۵ شعر ہیں جن میں سے صرف چار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں۔

شیخ من قطب زمانہ غوث بود   عمر پاکش درقیام ودر قعود

(۱) سوانحی تذکرہ کا سارا مواد مولانا عبدالحلیم اثر افغانی کا مرسلہ ہے۔

ترک اولی از جنابش کس ندید   زاں بہاء الدین وقت وزاں فرید
نائب خاص مجدد ہم پسر   کرد او تجدید دین مثل پدر
اے جناب فضل احمد دستگیر   دست ایں ادریس را آنجا بگیر

وفات

آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور پشاور شہر کے قبرستان بیرون دروازہ گنج میں احاطہ مزارات بنوری سادات میں آپ کا مزار ہے۔

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مسوالی ہزاروی

۱۸۴۸ء.................۱۹۱۸ء

آپ ۱۸۴۸ء کے قریب ''مسوال''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مولوی محمد علی کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے اعوان تھے۔

ابتدائی تعلیم: علاقے کے علماء سے حاصل کی پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور وہاں کے فاضل اساتذہ سے علم منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی(۱)۔

فراغت کے بعد وطن آئے اور اپنے گاؤں میں تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کی اعلیٰ قابلیت اور عمدہ تدریس کی وجہ سے سو، سوا سو کے قریب طلبہ ہمیشہ آپ کے ہاں رہتے تھے۔

علامہ عبدالحیٔ الحسنی لکھنوی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" الشيخ العالم الفقيه خليل الرحمن الحنفي المسوالي الهزاروي أحد الفقهاء الحنفية اشتغل بالعلم من صغر سنه وسافر إلى رامپور فقرأ المنطق والحكمة في المدرسة العالية على

(۱) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، عدد:۴۷، ص:۲۔

أسـاتذتها، ثم سافر إلى ديوبند وأخذ الفقه والحديث على أساتذة المـدرسة العربية، ثم رجع بلاده وسكن بمسوال [بكسر الميم وسكـون السيـن المهـمـلة] قرية من أعمال هزاره وهو يدرس ويفيد" (١).

وصال

۱۹۱۸ء میں آپ کا وصال ہوا (۲)۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند شفیق الرحمٰن گونگا ہیں۔ ان کے ایک فرزند فضل الرحمٰن "ملایا" میں ملازم ہیں اور آگے ان کے کئی فرزند ہیں۔

(۱) عبدالحئی الحسنی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج:۸، ص: ۱۳۷، دائرہ معارف عثمانیہ۔

(۲) روایت بتوسط مولانا عبداللہ خالد خطیب جامع مانسہرہ پہنچی۔

مولانا قاضی عزیز الرحمٰن ہزاروی (۱)

۱۸۵۵ء.................۱۹۱۹ء

آپ ۱۸۵۵ء کو "شہیلیہ"، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں جناب مولانا محمد حسین داتوی بن مولانا محمد سعید بن مولانا احمد نور کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر ہزارہ کے دوسرے علماء سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۴ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد "ٹھنن"، تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں ۳ سال تک تدریس کرتے رہے، پھر عطا محمد خاں والی ریاست "پھلڑہ" آپ کو اپنے ہاں لے گئے۔ منصب قضاء کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ ہزارہ کے علاوہ کابل اور غزنی تک کے طلبہ تحصیل علم کے لیے آپ کے ہاں آتے تھے۔

وصال

۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا اکثر مواد آپ کے فرزند مفتی حبیب الرحمٰن حال ایبٹ آباد سے لیا گیا۔

(۲) یہ روایت بھی آپ کے فرزند کی ہے۔ فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں نام نہیں ہے۔

اولاد: اولاد میں دو فرزند مولوی مقبول الرحمٰن فاضل دیوبند مرحوم اور مفتی حبیب الرحمٰن صاحب ہیں۔

ممتاز تلامذہ: مولوی ولی الرحمٰن ساکن کوائی ہزارہ فاضل دیوبند، مولانا عبدالرؤف مدرس ریاست مینڈ ہو، فاضل دیوبند اور مولانا محمد اشرف چکیا ہی (ہزاروی) فاضل دیوبند خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

"القاضي عزيز الرحمن الهزاروي:

الشيخ العالم الفقيه عزيزالرحمن الحنفي الهزاروي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول، ولد ونشأ "بداته" قرية من أعمال هزاره وقرأ العلم بها، ثم ولي القضاء بقرية "بڑره" وهو مع اشتغاله بمهمات القضاء يدرس ويفيد "(۱).

(۱) علامہ عبدالحئی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، حیدرآباد دکن، ج:۸، ص:۳۲۲۔

(اس اقتباس میں آپ کی ولادت ''داتہ'' بتائی گئی ہے، جو درست نہیں ہے کہ پہلے صاحب تذکرہ کے والد ''داتہ'' میں رہتے تھے، بعد میں انہوں نے ''داتہ'' کی سکونت ترک کر کے ''شہلیہ'' میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ دوسری جگہ جہاں آپ قاضی کے منصب پر فائز رہے، اس کا نام ''پھلڑہ'' ہے۔ یہ ''ہزارہ'' ہی میں ہے۔ نیز صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مذکورہ ص:۳۲۲ کے حاشیہ میں سنہ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے)۔

مولانا قاضی محمد وسیم صاحب(۱) قاضی القضاۃ، دیر

۱۸۱۰ء.................۱۹۲۰ء

آپ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کو ''اوچ'' حال ضلع دیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اوچ میں حاصل کی اور متوسط اور آخری تعلیم کی تکمیل افغانستان میں کی۔

فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غازی عمرا خان کے عہد میں دیر اور جندول تمام علاقہ کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے۔

عمر بھر قضاء کے ساتھ تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

شمس العلماء بٹ خیلہ (مالاکنڈ ایجنسی) کے ساتھ کئی مناظرے ہوئے اور غالب رہے۔ منطق، اصول اور فقہ میں خاص مہارت تھی۔

وصال

۱۹۲۰ء کے قریب آپ کا وصال ہوا اور ''اوچ'' میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند مولانا قاضی فضل علیم (تلمیذ مولانا فضل حق

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے جناب مولانا فضل معبود صاحب فاضل جامعہ ازہر و قائم مقام صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی سے حاصل کیا گیا۔

رامپوری،م:۱۹۶۹ء) تھے۔

آپ کے پوتوں میں جناب قاضی فضل محمود صاحب، جناب فضل معبود صاحب (قائم مقام صدر شعبۂ عربی) جامعہ پشاور اور قاضی فضل احمد صاحب ہیں۔

آپ نے کچھ مخطوطات بھی چھوڑے ہیں جن کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ آپ کے اپنے ہیں یا دوسرے علماء سے نقل کئے گئے ہیں۔

قاضی غلام نبی ہزاروی (۱)

۱۸۷۵ء.................۱۹۳۱ء

آپ ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ ''دیشاں'' حال تحصیل بٹگرام ضلع ہزارہ میں شاکراللہ سواتی کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔فراغت کے بعد گلاوٹھی (صوبجات متحدہ ہند) میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی آپ کا یوں تعارف کراتے ہیں:

''مولانا غلام نبی صاحب: آپ گیڈر پور مانسہرہ کے مشہور عالم تھے اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے خواص میں سے تھے۔گلاوٹھی (صوبجات متحدہ ہند) میں کافی مدت مدرس رہے''(۳)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد جناب خواص خاں ساکن ہیٹراں (مانسہرہ) اور مولانا عبدالحلیم استاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، قلمی، ص:۱۔

(۳) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ص:۶۷۳، باراول۔

آپ گلاوٹھی سے خوانین گیدڑ پور کے شدید اصرار پر ان کے قاضی ہو کر آئے۔ جامع کی خطابت کے ساتھ زندگی کے آخری لمحات تک تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے تلامذہ میں صوبۂ سرحد کے علاوہ کشمیر، کابل اور قندہار تک کے حضرات شامل ہیں۔ پچاس کے قریب ہمیشہ طلبہ آپ سے پڑھا کرتے تھے۔

انتقال

۱۸ جنوری ۱۹۳۱ء کو آپ کا ''گیدڑ پور'' میں انتقال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔ اولاد میں دو فرزند قاضی غلام احمد اور قاضی سندی بقید حیات ہیں۔

تصنیفی خدمات

قیام گلاوٹھی کے دوران آپ نے حمد اللہ کا حاشیہ ''رفع الاشتباہ'' لکھا اور اسی دوران طبع بھی ہوا۔ اسی طرح غلام یحییٰ اور قصیدہ بردہ کی شرح بھی لکھی۔(۱)

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں:

۱.....مولانا عبدالرحمٰن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی۔

۲.....مولانا عبدالرؤف صاحب شیخ الحدیث تعلیم القرآن، کوہاٹ۔

۳.....مولانا خاں بہادر مارتنگ شیخ الحدیث دارالعلوم سوات (سابقاً)۔

(۱) روایت مولانا عبدالحلیم صاحب تلمیذ صاحب تذکرہ، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مؤخر الذکر دو شروح مطبوعہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔

۴.....مولانا عبدالحلیم صاحب استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور۔

۵.....مولانا عبدالرحمٰن فاضل دیوبند صدر مدرس امدادالاسلام، میرٹھ۔

۶.....مولانا خیر محمد صاحب، بانی خیرالمدارس ملتان (۱)۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں بھی شریک رہے (۲)۔

۷.....آپ کے بارے میں سی آئی ڈی کو بھی کوئی علم نہیں ہوسکا، چنانچہ لکھا گیا ہے کہ

''غلام نبی جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ کرنل ہے۔ اس شخص کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہوسکا'' (۳)۔

اس روایت کا سلسلہ جب مذکورہ عبارت سے قائم کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت آپ ہی کے لئے ہے۔

(۱) احمد سعید پروفیسر: بزم اشرف کے چراغ، لاہور ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء، ص: ۳۵۱۔

(۲) روایت مولانا غلام ربانی لودہی، (خود راقم سے بیان کیا ہے)۔

(۳) مولانا محمد میاں: تحریک شیخ الہند، انگریزی سرکار کی زبان میں، لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ، ص: ۴۲۴، ۴۲۵۔

مولانا احمد گل ہزاروی (۱)

آپ مولانا احمد کے پوتے اور مولانا عبدالقادر کے بیٹے ہیں۔

''چوہان'' علاقہ ''ٹکری''، ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ووفات کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا۔ آپ نے علوم کی تکمیل اپنے والد مولانا عبدالقادر صاحب اور دیگر مشائخ سے کی (۲)۔

ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ اس کے ساتھ امامت کے فرائض کے ساتھ عمر بھر تدریس کرتے رہے۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

"الشيخ العالم الصالح أحمد گل الحنفي الهزاروي أحد الفقهاء الحنفية، ولد ونشأ بهزاره [بفتح الهاء] واشتغل بالعلم من صباه وتفقه على مشائخ عصره حتى نبغ في العلم وصار المرجع والمقصد في الفقه الحنفي، واشتغل بالتدريس ستين سنة وقد جاوز مائة وسبع عشرة سنة، ولكنه كان مع كبر سنه لايحتاج إلى المنظرة. وله الوجاهة العظيمة عند الأفاغنة ويذكر له كشوف وكرامات" (۳).

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا حافظ زین العابدین فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) والد صاحب کے علاوہ جن مشائخ سے تکمیل کی، ان کا علم باوجود تحقیق نہیں ہوسکا۔

(۳) علامہ حکیم عبدالحئ: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج: ۸، ص: ۴۸۔ (صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند مولانا ابوالحسن علی نے حاشیہ پر سال وفات کے معلوم نہ ہونے کا ذکر کیا ہے)۔

شاہ سید مولانا مردانی

آپ مولانا سعد الدین صاحب کے گھر ''زروبی''، تحصیل صوابی ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی۔ تکمیل کے بابت ابھی تک تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔

قاضی القضاۃ

آپ ایک عرصہ تک بھوپال کے ''قاضی القضاۃ'' کے منصب پر فائز رہ کر خدمات انجام دیتے رہے، پھر واپس وطن آئے اور آبائی قصبہ میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا قطب الدین غورغشتوی، مولانا عبدالجمیل صاحب طوروی ومولانا محمد اسماعیل طوروی مردانی، مولانا عبدالحکیم ڈاگئی، مولانا سیف الرحمٰن پشاروی مہاجر کابل، مولانا پردل خاں دہلوی، مولانا عبدالسلام قندہاری اور مولانا غلام رسول صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند شامل ہیں۔

صوفیانہ مسلک

آپ صاحب سوات مولانا عبدالغفور صاحب کے خلیفہ تھے۔ وہ آپ کو اور آپ کے دوسرے بھائی شاہ غریب کو ''سمے کے شیر'' کہا کرتے تھے۔

اولاد: اولاد میں محمد، احمد اور محمود تین فرزند تھے جو مولانا سیف الرحمٰن مہاجر کابل کے شاگرد تھے اور علاقے کے اچھے علماء میں سے تھے۔

مولانا مقیم الدین ڈیروی

آپ موضع ''کوٹ ممریز'' ٹانک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں سلطان محمد ڈبال پتی صوبہ خیل احمد بن گل محمد کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''**مولوی مقیم الدین ساکن ٹانک**: شروع میں مولوی دین محمد ساکن ٹانک سے میزان الصرف سے میبذی تک کتابیں پڑھیں، پھر علماء وقت، یعنی: مولوی مظہر نانوتوی، مولوی عبدالحق شمس العلماء خیر آبادی اور مولوی احمد حسن پنجابی مدرس مدرسہ دارالعلوم کان پور کی خدمت میں دوسری درسی کتابوں کی تکمیل کی۔آج کل مدرسہ شوکت الاسلام سندیلہ میں عربی کے مدرس اول ہیں اوران کی عمر تیس سال ہوچکی ہے''(۱)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مولوی شیخ عبدالجلیل سندیلوی (۲) نے مولوی حکیم عبدالحمید عظیم آبادی، مولوی مقیم الدین ساکن کوٹ ممریز متعلقہ ڈیرہ اسماعیل خان اور حکیم عبدالعلی لکھنوی سے علوم درسیہ کی تکمیل کی''(۳)۔

---

(۱) مولوی عبدالشکور رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، کراچی ۱۹۶۱ء، باراول کراچی ہسٹاریکل سوسائٹی، ص ۵۰۲۔(اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا مظہر نانوتوی سے پڑھنے کے بعد آپ نے مولوی عبدالحق اور مولوی احمد حسن پنجابی سے پڑھا، مگر مولانا محمد زکریا کی تاریخ مظاہر، ج:۱، سہارن پور، ص: ۴۵، پر مولانا محمد مظہر نانوتوی سے ۱۳۰۰ھ میں جو حضرات فارغ ہوئے، ان میں ایک آپ بھی تھے۔آپ نے ۱۳۰۰ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے سند الفراغ حاصل کی۔شاید ان سے اس سے قبل پڑھا ہو =

مولانا حکیم عبدالحیٔ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم الفقيه مقيم الدين بن سلطان محمد الحنفي الكوٹي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. ولد ونشأ بقرية "كوٹ ممريز" من أعمال "ٹانك". وقرء الكتب الدرسية على المولوي دين محمد الٹانكي والشيخ محمد مظهر النانوتوي والعلامة عبدالحق بن فضل حق الخير آبادي والعلامة أحمد حسن الكانپوري ثم ولي التدريس بمدرسة "شوكة الإسلام" في بلدة سنديله، فدرس بها مدة طويلة، ثم سافر إلى بلاده" (۱).

= (۲) بعد میں مدرسہ شوکۃ الاسلام سندیلہ کے صدر مدرس ہوئے)۔(رحمان علی: تذکرہ، ص:۲۷۴)۔

(۳) مولوی رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص:۲۷۳، ۲۷۴۔

....

(۱) لم نعثر على سنة وفاته (الحسنى)

عبدالحیٔ الحسنی، مولانا، حکیم: نزہۃ الخواطر، ج:۸، حیدرآباد دکن، ۱۹۷۰ء، ص:۴۸۱۔

مولانا محمد زمان ہزاروی

آپ ''جاگل''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''آپ اعلیٰ حضرت (مولانا) احمد خاں صاحب کندیاں شریف ضلع میانوالی کے خلیفہ مجاز اور علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ درس فقہ وحدیث آپ کے خصوصی مشاغل میں شامل تھا۔ موضع جاگل، تحصیل ہری پور ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہ کر سلوک نقشبندیہ اور مقامات مجددیہ کا اکتساب کیا اور اجازت مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ ''کھوہ ترکھاں والا''، تحصیل بھکر ضلع میانوالی میں اقامت گزیں تھے۔ مجاز طریقت ہونے کے بعد ڈیڑھ سال زندہ رہے۔ اس قلیل مدت میں اشاعت وتوسیع سلسلہ کے لیے سعی بلیغ فرمائی۔ صوفی یار محمد صاحب ساکن خانپور، تحصیل بھکر ضلع میانوالی اور مولوی خدا بخش کلال نے اولاً آپ ہی سے بیعت کی تھی۔

رمضان شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینہ میں حاضر ہوئے۔ سخت سردی کا موسم تھا، بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد واصل بحق ہوئے۔ خانقاہ شریف کے احاطہ مزارات میں مدفون ہوئے''(۱)۔

---

(۱) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، بار اول، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص:۱۵۳۔

باب پنجم

''الف''

مولانا میاں مردان شاہ کاکاخیل

۱۲۰۹ھ/۱۷۹۵ء......۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء

حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب کے پوتے قیاس الدین بابا کے آٹھ لڑکوں میں سے ایک محمد غوث بابا تھے، جن کی اولاد کو "باباخیل" کہتے ہیں۔ اس باباخیل خاندان میں مولانا میاں مردان شاہ صاحب ایک جید عالم وفاضل ہو گزرے ہیں۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "حضرت بابا کی اولاد "باباخیل" کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے عمر بابا کی اولاد کو "زباباخیل" کہتے ہیں۔ اس گھرانے میں مولانا میاں مردان شاہ مرحوم اور ان کے بعد استاذ الاساتذہ علامۂ دوراں حضرت مولانا عبداللہ صاحب مرحوم تھے" (۱)۔

آپ ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۵ء کو زیارت کاکا صاحب، تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور کہاں سے تکمیل کی، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی، البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ ان کے ہاں ملک کے ہر حصے سے طلبہ آتے تھے اور ہر فن کی کتابیں پڑھتے تھے۔ عمر تدریس میں گزری۔ آپ کے تلامذہ میں سے صرف ایک کا نام معلوم ہوسکا ہے اور وہ ہیں: مولانا میاں عبداللہ کاکاخیل۔

(۱) سیاح الدین مفتی مولانا: تذکرہ شیخ رحمکار، لائل پور ۱۹۵۱ء، ص:۱۵۴۔

وصال

ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۲ ربیع الاول بروز سہ شنبہ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔ مسجد دربار شریف کے مشرق میں جہاں ایک بلند لکڑی جھنڈا چڑھانے کے لئے لگائی گئی ہے، اس کے ساتھ ایک احاطہ میں چند قبریں ہیں، ان میں سے ایک قبر آپ کی ہے۔ لوح مزار پر مانکی کے پتھر کا ایک سل ہے جس پر قطعۂ تاریخ کندہ ہے، جواب بھی پڑھا جاسکتا ہے:

ز مخلوق خالق یکے لانظیر — بہ پرواز شد از قضائے قدیر
چناں عالمے بود در عصر خویش — کہ ہر طالبے برد ازو مایہ بیش
چناں علم خالق بہ او دادہ بود — کہ ہر کس ازو خرم وشادہ بود
بہ تاریخ ۱۲ اب از ربیع الاول — بہ روز سہ شنبہ در آمد اجل
بہ تاریخ ۱۲۸۹ھ ہر دم غم جاں من — جدائی در آمد دراں روح وتن

قطعۂ تاریخ مولانا میاں صاحب مردان شاہ
العاصی عبداللہ (۱)

(۱) یہ مولانا میاں مردان شاہ کے خصوصی شاگرد، بھتیجے اور مشہور عالم دین مولانا میاں عبداللہ صاحب ہیں۔ مزید مواد مولانا مفتی سیاح الدین صاحب سے لیا گیا ہے۔

عبدالرؤف صاحبزادہ مولانا مردانی

۱۸۳۶............۱۸۷۳ء

آپ ۱۸۳۶ء کو ''ٹوپی''، ضلع مردان میں جناب قطب عالم بن جمال الدین بن قطب الدین بن شرف الدین بن عبدالکریم کے گھر پیدا ہوئے۔ دسویں صدی کے آخر میں آباؤ اجداد افغانستان سے نقل مکانی کر کے ٹوپی تحصیل صوابی ضلع مردان میں آباد ہوگئے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم کا افتتاح حقیقی ماموں حضرت جی ساکن کوٹھا نے دعا کے ساتھ کرایا۔ قرآن مجید والد صاحب سے پڑھنے کے بعد ابتدائی تعلیم حضرت جی کوٹھہ کی زیرنگرانی ان کے مکتب میں حاصل کی۔ فقہ واصول کی تعلیم ٹھنڈکوہی اور معقولات کی مولانا بحرالدین ساکن کوٹھری علامہ امازی سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم: علم تفسیر اور حدیث کی تکمیل اپنے ماموں حضرت جی کوٹھا سے کر کے مجمع علماء میں ان سے دستار فضیلت حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد اپنے قصبہ ٹوپی میں اخیر وقت تک اعلیٰ تدریسی خدمات دیں۔

شہادت: ۱۹، اگست ۱۸۷۳ء کو بہرام نامی شخص کی سازش سے بعد از نماز عشاء آپ کو شہید کر دیا گیا۔ نماز جنازہ حقیقی ماموں اور خسر حضرت جی کوٹھا نے پڑھائی اور اپنے خاندانی مقبرہ میں دفن کرا دیا۔

اولاد: اولاد میں ایک دختر اور ایک فرزند خاں بہادر صاحبزادہ عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور چھوڑے۔

تصانیف: المامول فی حاشیہ الفصول: عربی، صفحات: ۴۳۸، مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۰ء۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''فصول شاشی کا مختصر لیکن قابل قدر حاشیہ ہے۔ صاحبزادہ عبدالرؤف مصنف ''شہاب ثاقب'' وغیرہ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم بانی دارالعلوم ہذا کے والد ماجد ہیں۔ المامول کے ساتھ آپ کی مفصل سوانح عمری بزبان فارسی شائع ہوئی ہے۔ ناظم مکتبہ ہذا نے کتاب مذکور کی تصحیح کی ہے اور مصنف کی سوانح عمری لکھی ہے۔ مشمولہ عدد مسلسل ۵۹۲''(۱)۔

۲......شہاب ثاقب: مطبوعہ بزبان فارسی (صاحبزادہ عبدالرؤف) تکفیر مسلم کے مسئلے پر نہایت بسط کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے ضمن میں کفر اور ایمان کے مختلف مسائل معرض بحث میں لائے گئے ہیں۔ فاضلانہ تصنیف ہے۔ مشمولہ عدد ۱۸۸۷ الف (۲)۔

۳......حاشیہ عبدالعلی بر سلم العلوم: بزبان عربی قلمی باریک قلم، صاحبزادہ عبدالرؤف، مصنف شہاب ثاقب (والد نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم) کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ، ایضاً مشمولہ شمارہ ۱۶۸۸''(۳)۔

آپ نے اپنے استاذ اور ماموں مولانا سید محمد ساکن کوٹھا صوابی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی تکمیل کے بعد ان سے خلافت حاصل کی۔

---

(۱) حافظ عبدالرحیم کلاچوی: لباب المعارف العلمیہ (فہرست کتب اسلامیہ کالج لائبریری، ص: ۲۵)۔

(۲) ایضاً، ص: ۴۲۔ (۳) ایضاً، ص: ۱۲۹۔

مولانا محمد محمود عثمانی ہزاروی (۱)

.........م ۱۸۷۶ء

آپ ''گاندہیاں''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب کا نام عبدالسلام تھا۔ آپ نے تعلیم کن اساتذہ سے حاصل کی، اس کا علم باوجود تحقیق کے نہیں ہوسکا۔ تکمیل علوم کے بعد بھیڑی باڈی، پھرچ اور آخر میں چٹی گٹی (۲) (مانسہرہ) میں مستقلاً رہنے لگے۔ جہاں بھی رہے تدریس کرتے رہے۔

آپ کی تصانیف میں صرف ایک رسالہ ''قواعد فارسی منظوم'' (۳) معروف ب ''نیر لامع'' ملا ہے۔ مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۹۰ھ/۱۸۹۱ء بار اول۔

آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تین کتابیں سراجی، تصریف الاشیاء اور رشیدیہ بھی معلوم ہوئی ہیں۔ ''تعریف الاشیاء'' کے آغاز میں ایک فارسی غزل بھی موجود ہے۔ آپ کے بارے میں چند سطریں ملی ہیں۔

''مولوی عبدالعزیز اپنے چچا مولوی محمد محمود کے شاگرد تھے جو بہت بڑے عالم عربی اور فارسی زبان کے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے......مولوی عبدالعزیز نے تعلیم اپنے اسی عالم وفاضل چچا مولوی محمد محمود سے پائی اور کمال حاصل کیا'' (۴)۔

ممتاز تلامذہ میں صرف آپ کے بھتیجے مولانا عبدالعزیز عثمانی کے بارے میں خود ان کی اپنی تحریر سے معلوم ہوا ہے (۵)۔

وصال: ۱۸۷۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''گاندہیاں'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند مولوی محمد حسین (۶)، مولوی عبدالرحمٰن (۷) اور عبدالرؤف تھے۔

---

(۱) آپ کی سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے عبدالحنان عثمانی سے لیا گیا۔ (۲) چٹی گٹی مقابل گاندہیاں (مانسہرہ) میں آپ کی جائیداد اب بھی آپ کے ورثاء کی ملکیت میں ہے۔ (۳) اس کے بارے میں خود لکھتے ہیں: ''للہ الحمد والمنۃ کہ ایں رسالہ عجالہ مسمی بہ منظوم قواعد فارسیہ، المقلب بہ ''نیر لامع'' فی اشتقاق صیغ المضارع ازید نیاز مند خداوند معبود ابی محمد محمود ابن ابو السلام (عبدالسلام) العثمانی در ۱۲۹۰ھ، تالیف یافت'' ص: ۷۔ (۴) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، بار اول، ص: ۶۸۸، وص: ۶۸۹۔ (۵) تذکرہ مخدوم علی مہمامی صفحہ آخر۔ (۶) ان کے ایک فرزند محمد صابر عثمانی ہیں۔ (۷) ان کے چار فرزند مولوی عبدالغفور عثمانی، عبدالجلیل عثمانی، عبدالحنان عثمانی اور عبدالقیوم عثمانی۔ عبدالرؤف اینڈ برادرز ایبٹ آباد ان کی فرم ہے۔ انہی کے پاس یہ سب کتابیں محفوظ ہیں۔

عبدالغفور اخوند صاحب سوات

۱۷۹۴.........۱۸۷۷ء

آپ جبڑی سوات کے مہمند صافی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے علاقہ کے علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گوجر گڑھی مردان کے مولانا عبدالحکیم سے تعلیم حاصل کی پھر مولانا حافظ محمد عظیم گنج والے سے چار سال میں تکمیل کی۔

فراغت کے بعد صاحبزادہ محمد شعیب تورڈھیری سے بیعت ہوئے اور چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل کی۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جن حضرات نے آپ سے روحانی سلسلوں کی تعلیم وتربیت حاصل کر کے خلافت حاصل کی ان کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے۔

آپ کی ملاقات حضرت سید احمد بریلویؒ سے بھی ہوئی تھی اور ان کی تحریکِ جہاد سے متاثر تھے۔

آپ نے انگریزوں کے خلاف جنگیں بھی لڑیں اور کامیابیاں حاصل کیں۔ انگریزوں کے خلاف یہ دعائیہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے:

الٰہی بدہ فتح اسلام را
بکن غرق خصم بدانجام را

''اے اللہ اسلام کو فتح نصیب فرما اور بدانجام دشمن کو غرق کردے۔''

۱۸۴۵ء میں سیدو شریف تشریف لائے اور پھر ۱۸۷۷ء میں وہیں وصال ہوا۔ آپ کے دو فرزند عبدالحنان اور عبدالخالق آپ کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ حضرت میاں عبدالغفور بن عبد الواحد جنہوں نے اخوند صاحب سوات کے نام سے شہرت پائی، اپنے زمانے کے مشہور روحانی پیشوا، مجاہد اور موجودہ ریاست کے بانی تھے۔ (۱)

آپ کی زندگی پر کئی کتابیں چھپ چکی ہیں اور آپ کا سوانحی تذکرہ کئی کتابوں میں موجود ہے۔

(۱) محمد آصف خان: تاریخ سوات: ۹۸۔ اعجاز الحق قدوسی: صوفیائے سرحد۔

مولانا عبدالکریم ہزاروی (۱)

۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء..........۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء

آپ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء کے قریب ''لبرکوٹ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں جناب عبدالرزاق بن کمال الدین بن کرم میر علوی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم مولانا نور عالم صاحب ساکن مانسہرہ سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں چندسال تعلیم حاصل کرنے کے بعد رامپور چلے گئے۔ وہاں مولانا عبدالحق اور مولانا فضل حق کے درس میں شامل ہوئے اور وہیں سے سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد رامپور، شاہجہاں پور، مدرسہ محبوبیہ حیدرآباد دکن میں ایک عرصہ تک تدریس کرنے کے بعد آخر میں دارالعلوم لکھنؤ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اس زمانۂ تدریس میں ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء کو آپ کا انتقال ہوا اور پتورہ گنج براستہ ڈالی گنج کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: مانسہرہ کے ایک تحصیل دار عبدالکریم کی بہن کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکی تھی جو آٹھ دس سال کی عمر پا کر دنیا سے کوچ کر گئی۔

تصانیف: تصانیف میں ''زمین کی حرکت کے ابطال'' میں ایک رسالہ کے علاوہ اور بھی کئی رسائل ہیں۔ آپ کے علمی مقام کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا کچھ مواد آپ کے بڑے بھائی میر نور محمد کے پوتے محمد نواز ساکن لبرکوٹ مانسہرہ سے لیا گیا۔

"الشيخ الفاضل عبدالكريم بن عبدالرزاق بن كمال الدين بن كرم ميرعلوي الحنفي الهزاروي أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول. ولد ونشأ في "لبركوٹ" قرية من أعمال هزاره. قرأ، يعني: الكتب من النحو والعربية على المولوي نور عالم الهزاروي، ثم سافر إلى ديوبند وقرأ في المدرسة العربية بها الفقه والحديث والأصول والكلام وشيئاً من المنطق والحكمة، ثم سافر إلى رامپور وقرأ على العلامة عبدالحق بن فضل حق بن عبدالحق الرامپوري وجدّ في البحث والاشتغال حتى برز في العلوم وتأهل للفتوى والتدريس، فدرس مدة برامپور، ثم ولي التدريس بشاهجهان پور، فدرس بها بضع سنين ثم ولي التدريس بدارالعلوم في بلدة لكهنؤ.

وكان من العلماء المبرزين في العلوم عقلياً كان أو نقلياً، سليم الذهن، جيد القريحة، صالحا عفيفا دينا جوادا كريما (صاحب غيرة دينية وحمية إسلامية، له اليد الطولى في المناظرة)، له رسائل في إبطال حركة الأرض ورسائل أخرى.

مات سنة إثنتين وثلاث مائة وألف ببلدة لكهنؤ ولم يجاوز ستا وثلاثين سنة"(۱).

(۱) عبدالحئی الحسنی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج: ۸، ص: ۲۸۱، عدد: ۲۸۹
(آپ کی مزید تصانیف کا علم آپ کے اعزہ سے بھی نہیں ہوسکا)۔

ملا نواب خاں پشاوری

۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء............۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

آپ ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء کو ''لوبی''، ضلع پشاور میں سعد اللہ خاں کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، پھر اودھ چلے گئے (۱)۔ مدت تک لکھنؤ اور رامپور میں پڑھتے رہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی سے منطق وفلسفہ پڑھا اور دہلی رہ کر حکیم امام الدین خاں سے طب، جن کے بعد حکیم مسیح الدولہ لکھنوی سے بھی تجدید کی۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''مولانا فضل حق خیر آبادی کی سعی وسفارش سے نواب سید کلب علی خاں مرحوم والی رامپور کے استاذ مقرر ہوئے جس کی وجہ سے زندگی بھر نواب صاحب آپ کے کفیل رہے......رامپور سے بھوپال چلے گئے............۱۸۵۹ء میں بادبانی جہاز کے ذریعے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے......مکہ معظّمہ کے علماء آپ کو متکلم مانتے۔ مرحوم نے اواخر عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ ذات باری کے صفات بیان کرتے تو روتے جاتے اور آخر الامر یہ کہ مولد نبی ہی میں ۸۵ سال

(۱) دربار اودھ سے عطیات خسروانہ سے سرفراز ہوئے اور ملا نواب خاں کا خطاب عطا ہوا کہ جس کی وجہ سے ہمیشہ ''ملا'' کے لقب سے ملقب رہے۔ خالص پور (اودھ) کے ایک شریف خاندان کے ہاں شادی ہوئی۔

کی عمر میں بعارض خناق رحلت فرمائی۔ ۵ صاحبزادے چھوڑے جن میں حکیم مولوی محمد اسماعیل ایک لائق طبیب کی حیثیت سے حجاز میں بھی والد کی خدمت میں رہے اور اب کچھ عرصہ ہوا کہ وفات پا چکے ہیں'' (۱)۔

شیخ عبداللہ مراد لکھتے ہیں:

''ملا نواب الکابلی الحنفی، نزیل مکة المکرمة و دفینها و مرجع اهلها، فی الطب الجامع بین علم الادیان والابدان. ولد ببلده واخذ العلم عن جماعةٍ من اهل عصره، ثم رحل الی الهند ثم الی البلد الحرام و توطن به واقام واخذ عنه خلق کثیر وانتفع به جم غفیر و جاور مکة سنین الی ان أتاه الیقین وانتقل الی رحمة رب العلمین، وتوفی بهاستة عشر بعدا لثلثمائة والالف و دفن فی المعلاة وقد قارب الثمانین وعقب ابناء منهم و هو کبیر هم الشیخ السماعیل''(۲)

مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:۔

''العلامة محمد نواب الخالصپوری''

الشیخ الفاضل الکبیر العلامة محمد نواب بن عبد الله بن عبید الله الحنفی الافغانی الخالصپوری، احد الافاضل المشهورین فی الهند و لدونشا بافغانستان، ودخل الهند فی شبابه، فلازم العلامة فضل حق بن فضل امام الخیر ابادی، وقرء علیه جمیع الکتب الدرسیة عقلیا، کان اونقلیا، وقرء الکتب الطبیة علی الحکیم امام الدین الدهلوی، ثم اخذ الطریقة النقشبندیة عن الشیخ احمد سعید بن ابی سعید العمری الدهلوی، ثم قدم لکهنو و تزوج بخالصپور فی احدی العائلات الکریمة وتطبب علی مسیح الدولة الحکیم حسن علی المرزا، وکان یدرس العلوم الألیة والعالیة وبغایة التحقیق والتدقیق، درس مدة من الزمان بلکهنو ثم سافر الی بهوپال واقام بها سنتین، ثم سافر الی الحرمین الشریفین فحج وزار، وسکن بمکة المبارکة وکان مفرط الذکاء جید القریحة، سریع الادراک قوی الحفظ معدوم النظیر فی زمانه، راء سًافی الفقه، والاصول، وله ید بیضاء فی المنطق والحکمة والطب، وسائر الفنون الحکمیة، حصل له القبول العظیم فی زمانه، واخذ عنه خلق لا یحصون بحدوعد، مات فی جمادی الاولی سنة تسع و ثلاث ماة والف بمکة المبارکة، اخبرنی به ولده''(۳)

(۱) امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء، ج:۱، ص:۵۰۰۔

(۲) شیخ عبداللہ مراد: المختصر من کتاب نشر النور والزهر: طائف مکہ: جلد ۲ صفحہ ۴۴۷۔

(۱) عبدالحی الحسنی: نزہۃ الخواطر : جلد ۸ صفحہ ۴۶۰۔۴۶۱۔

مولانا خواجہ محمد عثمان دامانی

۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء......۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء

آپ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء کو ''لونی''، تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مولانا عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی، پھر علاقہ کے دیگر علماء سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ اس دوران ۹ جمادی الاخری ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو حضرت مولانا حاجی دوست محمد قندہاری سے بیعت ہوئے اور پھر ان سے مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ، احیاء علوم الدین کامل للغزالی، بغوی کامل فی علم التفسیر، مکتوبات مجددیہ ہر سہ دفتر اور مکتوبات معصومیہ ہر دفتر سے یہ کتابیں پڑھ کر تکمیل کی (۱)۔

آپ ۱۸ سال، ۴ ماہ اور تیرہ روز (تا وصال) حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں رہے۔ انہوں نے چاروں سلسلوں میں آپ کو خلافت دی اور اپنا جانشین نامزد فرمایا اور موسیٰ زئی صاحب، خراسان اور خانقاہ مظہریہ دہلی کا انتظام وانصرام بھی آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے تیس سال تک علوم ومعارف کی خدمت کی اور طالبان حق کی دستگیری فرمائی۔

وصال

۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء بروز شنبہ ۷۰ سال ۲ ماہ اور تیرہ روز کی عمر

(۱) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، مطبوعہ لاہور، باراول ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص: ۵۱۔

پا کر وصال ہوا۔ تاریخ وصال "سلاحي على مركز الإيمان عثمانا" سے نکلتی ہے (۱)۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند خواجہ سراج الدین، مولانا بہاؤ الدین اور مولانا سید الدین تھے (۲)۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

"الشيخ الصالح عثمان بن عبدالله الحنفي الديروي أحد كبار المشايخ النقشبندية. ولد ببلدة "لونى" وسافر للعلم، فقرأ على أساتذة عصره، ثم لازم الشيخ دوست محمد القندهاري سنة ست وستين وأخذ عنه الحديث والسير والأخلاق والتصوف ولازم الذكر والفكر على طريقة السادات النقشبندية وصحبه مدة طويلة حتى بلغ رتبة الكمال وتولى الشياخة بعده سنة أربع وثمانين، ثم سافر إلى الحجاز فحج وزار ورجع إلى الهند، فسكن ب"موسى زئي" قرية من أعمال ديره.

وصرف عمره في نشر العلوم والمعارف. أخذ عنه خلق كثير. توفي لثمان بقين من شعبان سنة أربع عشرة وثلاث مائة وألف"(۳).

(۱) و (۲) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، مطبوعہ لاہور، باراول ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص: ۶۰، ۶۱۔

(۳) عبدالحئی الحسنی: نزہۃ الخواطر، ج: ۸، ص: ۳۲۰۔

مولانا قاضی محمد اسماعیل ہزاروی (۱)

۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء......۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

آپ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء کو قاضی رحیم داد خاں کے گھر ''بالاکوٹ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ کا تعلق سلیمان خیل قبیلہ سے تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر سکندر پور ہری پور ہزارہ چلے آئے اور مولانا احمد فاضل سکندر پوری سے مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ حدیث مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری ہزاروی سے پڑھی۔

خدمات: فراغت کے بعد بالاکوٹ کے قاضی مقرر ہوئے۔ فتوی نویسی کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''قاضی رحیم داد کے انتقال کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد اسماعیل صاحب قضاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ نہایت عالم وعلم پرور بزرگ تھے۔ تعلیم ہری پور میں پائی۔ مولانا فضل احمد (۲) سکندر پوری سے فنون اور مولوی عبدالاحد صاحب خانپوری سے حدیث پڑھی۔ باقی علوم کی تحصیل بھی سکندر پور ہی میں کی۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد بالاکوٹ کے قاضی مقرر ہوئے اور آخر وقت تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۶۲ سال کی عمر پا کر ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی'' (۳)۔

منصب قضاء کے ساتھ ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد قاضی رشید احمد ایم اے (انگریزی) گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے لیا گیا ہے۔

(۲) مولانا فضل احمد سکندر پوری نام درست نہیں لکھا گیا۔ ان کا صحیح نام ''احمد'' تھا۔ فاضل سکندر پوری کے نام سے مشہور تھے۔

(۳) پیام شاہجہان پوری: شہادت گاہ بالاکوٹ، لاہور ۱۹۷۱ء، ص: ۱۷۸، ۱۷۹۔

مولانا حضرت شاہ پشاوری

............۱۹۰۱ء

حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ کے پوتے قیاس الدین صاحب کے آٹھ لڑکوں میں سے ہر ایک کی اولاد اب ایک مستقل خاندان کے نام سے مشہور ہے ان کے ایک فرزند کا نام اسرارالدین یا اسرار گل تھا۔ آپ ان کی اولاد میں سے ہیں۔

تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں ہو سکا اور نہ ان کی تعلیمی زندگی کی تفصیلات معلوم ہو سکی ہیں البتہ یہ مسلم ہے کہ وہ تمام علوم وفنون پر حاوی تھے، ان کے عظیم کتب خانہ میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں، ہمیشہ پندرہ بیس طلبہ ان کے ہاں رہا کرتے، آپ خود ان کے قیام وطعام کا انتظام کرتے تھے۔ آپ کی یہ درسگاہ اپنے وقت کی مشہور درسگاہ تھی اور دور دور سے طلبہ آپ کے ہاں آ کر تحصیل علم کرتے تھے۔ ذریعہ معاش کے لئے عمارتی لکڑی کا کاروبار کر رکھا تھا۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''اسرار گل بابا کے چار صاحبزادے فیاض بابا، محمد صلاح بابا، پہلوان بابا اور عبید شاہ بابا تھے، آخر الذکر لاولد فوت ہوئے۔ باقی تین حضرات سے سلسلہ اولاد چلا ہے، اکثر زیارت کا کا صاحب میں سکونت پذیر ہیں۔ فیاض بابا کی اولاد کا اکثر حصہ موضع گدر تحصیل مردان میں ہے۔ مشہور عالم وفاضل اور استاذ الکل حضرت مولانا ملا میاں حضرت شاہ صاحب مرحوم اسی خاندان سے تھے جنہوں نے اپنے گھر سے طلبہ علوم دینیہ کے قیام وطعام کا انتظام کر کے مدتوں درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا تھا اور بہت سے لوگوں کو علوم دینیہ سے سیراب کیا تھا۔ (۱)

وصال: ۱۷ جمادی الاخری روز سہ شنبہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

---

(۱) سیاح الدین مفتی مولانا: تذکرہ شیخ رحمکار: لائکپور، ۱۹۵۱ء: ادارہ اشاعت اسلام جامع مسجد ۱۵۶

مولانا فیض عالم ہزاروی (۱)

۱۲۵۶ھ/۱۸۴۱ء......۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء

آپ ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۱ء کو مولانا جیون بن مولانا علاؤ الدین کے گھر ''کوٹ نجیب اللہ''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر درس نظامی کی اکثر کتابیں مولانا عبداللہ صاحب سکندر پوری ہزاروی سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کہاں سے کی اس کا علم نہیں ہوسکا (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد ''درویش'' ہری پور ہزارہ میں سلسلۂ تدریس کا آغاز کیا اور آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''تمام دن درس دیتے اور استفتاء کے جواب لکھتے۔ مطالعہ کتب کے ساتھ ساتھ تصنیف بھی فرماتے'' (۳)۔

تصانیف

۱...... نبراس البررة عند أداء الجمعة عند حكومة الكفرة، **مطبوعہ**

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے نواسے مولانا قاضی شمس الدین صاحب ساکن درویش ہری پور ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) اس کا علم باوجود تحقیق کے ان کے بڑے نواسے مولانا قاضی صدر الدین صاحب بھی نہیں ہوسکا۔

(۳) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۲،ص:۳۴۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، بار اول۔

مطبع حسنی بمبئی ۱۳۰۰ھ، صفحات ۱۰۸ (۱)۔

۲......نبراس السالكين لدفع مطاعن غير المقلدين، **مطبوعہ** مطبع حسنی بمبئی، صفحات ۹۶

۳......وجيز الصراط في مسائل الصدقات

۴......شرح الفیہ

۵...... مصباح الظلام عند قبر عبدالسلام

۶......صیانۃ الاکیاس عن وسوسۃ الخناس (فارسی)

۷......حل مشكلات المغيث في ما يتعلق بالفقه والحديث (عربی)، قلمی، صفحات ۱۶۸

۸...... البراهين القطعية في تعيين أوقات المغربية (قلمی) (۲)۔

وصال: ۲۵ شوال ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کو آپ کا وصال ہوا اور درویش کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

(۴) آپ کی اس کتاب سے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے استدلال کیا ہے: "ثم إن الجمعة فرضت بمكة ولم يتمكن النبي صلى الله عليه وسلم على إقامتها، حتى ورد المدينة فأقام بها وفيه استدلال للحنفية رحمهم الله تعالى على اشتراط المصر، حيث لم يجمع النبي صلى الله عليه وسلم في قباء مع قيامه أربعة عشر يوما وأول جمعة أقامها حين ورد المدينة في محلتها، كما في الروايات وأول من استدل به المولوي فيض عالم الهزاروي!". (علامہ انور شاہ کشمیری: فیض الباری شرح بخاری، مطبوعہ مصر، ج:۲،ص:۴۳)۔

(۲) آپ کی تمام تصانیف آپ کے نواسوں مولانا قاضی صدر الدین اور شمس الدین کے پاس محفوظ ہیں۔

مولانا سلطان محمود ڈیروی

م۱۹۰۵ء تقریباً

آپ کے بارے میں مولانا عبدالحی الحسنی یوں تحریر فرماتے ہیں کہ

" الشيخ العالم الصالح سلطان محمود بن فريد الدين الملتاني أحد العلماء المتورعين. ولد ونشأ ب"ديره إسماعيل خان" وقرأ بعض الكتب الدرسية على والده وأكثرها على مولانا قادر بخش الديروي الذي أخذ عن الشيخ خليل الرحمن الخوشابي تلميذ الشيخ الأجل عبدالعزيز بن ولي الله العمري الدهلوي.ولقي كبار المشايخ، منهم الشيخ يحيى الزاهد الفارسي، أدركه في الهرم واستفاد منه، وكان الزاهد من أصحاب الشيخ عبدالعزيز المذكور واشتغل بالتدريس والتذكير مدة عمره بمدينة ملتان. وأوذي في ذات الله سبحانه غير مرة.

وكان شيخا كبيرا قانعا عفيفا متورعا يعمل ويعتقد في الحديث ولايقلد أحدا من الأئمة. ذكر الناس ببلدة ملتان أربعين سنة وكان لمنطقه حلاوة وعلى عبارته طلاوة.

مات بضع وعشرين وثلاث مائة وألف بملتان، وأخبرني بذلك قادر بخش الخليلي الملتاني" (١).

(۱) مولانا عبدالحئی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۱۶۲، ۱۶۳۔

محمد علی، قاضی مولانا پشاوری (۱)

۱۸۳۳ء......۱۹۰۶ء

آپ مولانا سید علی کے گھر "جلسی" علاقہ خٹک ضلع پشاور میں ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی۔ پھر بنیر، سوات اور پشاور کی درسگاہوں سے بھی استفادہ کیا۔

تدریس: فراغت کے بعد وطن آئے اور پھر "پبی" تحصیل نوشہرہ پشاور اپنے ننھیال کے ہاں سلسلۂ تدریس کا آغاز کیا اور ایک عرصہ تک تدریس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کے سامنے سفید ڈھیری چلے گئے۔ وہیں حاجی صاحب چارگلی کی دختر سے نکاح ہوا اور تدریس کا شغل جاری رکھا۔ حضرت سید امیر صاحب المعروف ب کوٹھہ صاحب کے ارشاد پر ریاست امب دربند ہزارہ آنا ہوا، پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ریاست امب کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے۔ قضاء کے ساتھ تدریس بھی کرتے رہے۔

تصانیف: شاہ اسماعیل شہید کی کتاب "المتن فی الاصول" کی شرح "القول المامول فی فن الاصول" لکھی، جو ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مکمل ہوئی اور نواب محمد اکرم خاں والی ریاست امب کے خرچ پر مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۶ صفحات میں

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے قاضی عبیداللہ لیکچرر (اردو) گورنمنٹ کالج اوگی ہزارہ سے لیا گیا۔

شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ہمراہ دو رسالے ''القول الجلی فی معرفۃ الولی''
صفحات ۱۱، اور ''اقام الحجۃ علی من انکر الجمعۃ'' صفحات ۲۵ بھی شائع ہوئے۔ حامد
ابن کمال الدین بویکانی پشاوری کی کتاب ''درھم الکیس'' (علم فقہ) پر آپ نے
۱۲۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں حاشیہ لکھا جو اسی سال مطبع ہندو پریس دہلی سے شائع ہوا۔

حسامی کی شرح ''مولوی'' کا حاشیہ لکھا جو امیر محمد تاجر کتب پشاور کے
ذریعے شائع ہوا۔

والقول المعین اور مفتاح کا حاشیہ قلمی یادگار چھوڑیں۔(۱)

شاعرانہ ذوق

عربی، فارسی اور پشتو میں شاعرانہ ذوق رکھتے تھے۔ ''غریب'' تخلص تھا(۲)۔

وصال

ماہ رمضان ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں چار فرزند قاضی عبداللہ فضلی، قاضی عبدالغنی، قاضی محمد اسحاق

(۱) یہ تمام کتابیں آپ کے پوتوں کے پاس کتب خانہ فضلیہ شیر گڑھ ہزارہ میں محفوظ ہیں۔
(۲) مناقب: مطبوعہ راولپنڈی باہتمام محبوب ایجنسی پشاور ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء، ص: ۵۴، ۵۵
اور ۸۱ پر آپ کے قصائد موجود ہیں۔ (سید امیر صاحب کوٹھہ کے متعلقین کے مدحیہ قصائد کا
یہ مجموعہ ہے)۔

اور قاضی عبدالسلام تھے۔

قومیت

قومیت کے لحاظ سے آپ سید نہیں تھے۔ آپ کے والد کے نام کے
پہلے لفظ ''سید'' سے بعض حضرات کو مغالطہ ہوا ہے(۱)۔

(۱) مولانا محمد عبدالعزیز محمدی رحیم آبادی: ''حسن البیان فی ما فی سیرۃ النعمان'' لاہور،
طبع ثالث ۱۳۸۵ھ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار، لاہور، کے مقدمہ میں جو مولانا
محمد اسماعیل سلفی ساکن گوجرانوالہ کے قلم سے ہے، اس کے صفحہ ۱۵، اور صفحہ ۱۲ پر آپ کا
اور آپ کی کتاب ''القول المامول'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں آپ کا نام ''علامہ سید
محمد علی البشاروی'' لکھا گیا ہے، جو درست نہیں ہے۔

مولانا محمد معصوم ہزاروی (۱)

۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء............۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء

آپ ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء کو جناب حافظ احمد جی بن حافظ نواب بن حافظ جی کے گھر ''ڈھینڈہ'' ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم اپنے والد اور چچا حافظ سراج احمد سے حاصل کی، پھر مولانا عبداللہ صاحب سکندر پوری (ہزاروی) کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم میں مصروف رہے۔ ازاں بعد ہندوستان جا کر تکمیل کی۔ سند الفراغ کس مدرسہ سے حاصل کی، اس کا علم نہیں ہوسکا۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد کچھ عرصہ ''ڈھینڈہ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ملک عبدالقادر اور آپ کے طلبہ کے اختلاف کی وجہ سے آپ طلبہ کو ساتھ لے کر ''مدرسہ غزنویہ امرتسر'' چلے گئے، جہاں بحیثیت صدر مدرس ایک عرصہ تک آپ نے اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس ملتان، حضرت

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے قاضی غلام جیلانی ساکن حویلیاں اور پوتے قاضی محمد آصف سے لیا گیا ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحب بانی تقویۃ الاسلام، شیش محل روڈ لاہور، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا سکندر علی صاحب ہزاروی سابق استاذ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت پیر سید احمد شاہ صاحب، سجادہ نشین ٹمن ملتان اور حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب نواں شہر ایبٹ آباد شامل ہیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''کتب منطق حضرت (مفتی محمد حسن صاحب) نے موضع ڈھینڈیال (۱) ضلع ہزارہ میں جا کر جناب مولوی معصوم صاحب سے پڑھیں۔ مولانا موصوف اپنے زمانے کے علماء کے اندر علوم عقلیہ مثل منطق فلسفہ وغیرہ میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔ موصوف زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ نیز عالم فاضل ہونے کے ساتھ آپ ایک بہت بڑے بزرگ بھی تھے۔ حضرت مولانا محمد معصوم صاحب جب مدرس ہو کر غزنویہ امرتسر تشریف لائے تو اس ہونہار طالب علم (مفتی محمد حسن) کو اپنے سے جدا کرنا مناسب نہ سمجھا، اس لئے آپ کو بھی اپنے ہمراہ امرتسر لے آئے'' (۲)۔

(۱) آپ کے گاؤں کا نام ''ڈھینڈہ'' ہے۔ ڈھینڈیال غلطی سے لکھا گیا ہے۔

(۲) وکیل احمد اشرفی: تذکرہ حسن، (سوانحی تذکرہ مفتی محمد حسن)، مطبوعہ لاہور، بار اول، ص:۶، ۷، وامام خاں نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور، مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی ساہیوال، مطبوعہ ۱۳۹۱ھ، ص:۱۷۴ (اساتذہ میں)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''چونکہ ازل میں حضرت مفتی صاحب کے لئے صاحب کمال ہونا لکھا جا چکا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے اساتذہ کرام بھی ایسے عطا فرما دیئے جو اپنے وقت کے امام تھے۔ ان میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہستی حضرت مولانا محمد معصوم صاحب کی تھی، جو علاوہ معقولات میں ماہر ہونے کے بزرگ اور صوفی بھی تھے''(۱)۔

ایک روایت اور بھی سامنے آئی ہے:

''جناب مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی بیان کرتے ہیں کہ قیام ہزارہ کے زمانے کا ایک واقعہ میں نے خود حضرت مفتی صاحب سے سنا ہے کہ جب صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی نے عربی زبان میں ''کلمۃ الحق'' نامی کتاب لکھی اور اس کے رد میں حضرت علامہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے ''تحقیق الحق فی کلمۃ الحق'' تصنیف فرمائی اور صوفی صاحب کے غلط نظریات اور کمزور دلائل پر تنقید کی، تو مولانا محمد معصوم صاحب نے (جو حضرت پیر صاحب گولڑوی کے ہم استاذ اور ہم جماعت (۲) رہ چکے تھے) ایک مراسلہ حضرت پیر صاحب کے نام لکھا

(۱) وکیل احمد اشرفی: تذکرہ حسن، مطبوعہ لاہور، بار اول، ص:۸۔

(۲) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، بار اول، ص:۲۲۲ پر۔ مولانا عزیز الرحمٰن نے ''القول العزیز'' کے حوالے سے آپ کا اور پیر صاحب کا ہمدرس ہونا لکھا ہے۔

جس کا مفہوم یہ تھا کہ آپ کو صوفی صاحب کے دلائل کی فلاں شق پر بھی تنقید کرنی چاہیے تھی، تو یہ مراسلہ پہنچانے اور جواب لانے کا کام حضرت مفتی صاحب کے سپرد ہوا تھا''(۱)۔

وصال

۲۰ جمادی الاخری ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء کو ''ڈھینڈہ'' میں آپ کا وصال ہوا اور ڈھینڈہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''دارالعلوم (غزنویہ امرتسر) کی علمی اور تاریخی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے مستند اور ممتاز علماء اس درسگاہ میں مسند تدریس پر فائز رہے، یعنی: اساتذہ کے اسمائے گرامی ذیل ہیں:

مولانا معصوم علی ہزاروی (۲)۔

(۱) وکیل احمد اشرفی: تذکرہ حسن، مطبوعہ لاہور، ص:۵۷، و۶۷۔

(۲) مولانا سید ابوبکر غزنوی ''سیدی و ابی'': حضرت مولانا داؤد غزنوی، لاہور ۱۹۷۴ء، مکتبہ غزنویہ، ۱۴ شیش محل روڈ لاہور، ص:۲۶۰ (آپ کا نام محمد معصوم تھا۔ اس اقتباس میں علی کے ساتھ جو لکھا گیا ہے درست نہیں ہے)۔

مولانا محمد حسین اسرائیلی

م ۱۹۰۹ء

آپ گڑھی حبیب اللہ خان تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں جناب عبدالستار بن فاضل بن عبدالکریم بن قاسم کے گھر پیدا ہوئے۔ صحیح تاریخ ولادت اور وفات کا علم نہیں ہوسکا۔ ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی پہنچے اور وہاں مولانا سید نذیر حسین محدث سے تکمیل کر کے سند الفراغ حاصل کی (۱)۔ آپ مولانا سید نذیر حسین کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے (۲)۔

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور ایک عرصہ تک قاضی محمد میر عالم صاحب رئیس سکندر پور ہری پور ہزارہ کے ہاں رہے، تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

تصنیفی خدمات

۱...... تحفة الباقي: یہ تحشیہ وشرح ہے اصول حدیث کی کتاب: ''الفیہ عراقی'' منظوم (عربی) کا، جو تصنیف ہے شیخ الاسلام ابوالفضل عبدالرحیم زین الدین ابن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۵ھ کی۔ شارح جب زیارت بیت اللہ

(۱) شرح الفیہ عراقی کے آخر میں لکھتے ہیں کہ: "فإني قد حصلت القراءة والسماعة والإجازة عن شيخ المشايخ قدوة العارفين...... سيد محمد نذير حسين المحدث ا الدهلوي عافاه الله في الدارين".

(۲) فضل حسین مظفر پوری صوبہ بہار: الحیاۃ بعد المماۃ، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء آگرہ (سوانحی تذکرہ سید نذیر حسین محدث) کے ص: ۳۵۹، و ۳۶۰ پر ممتاز تلامذہ میں عدد ۳۴۵ کے تحت آپ کا نام مع تذکرہ تالیف شرح الشرح نخبہ آیا ہے۔

سے مشرف ہوئے تو کسی کے ہاں اس کتاب کا ایک پرانا نسخہ دیکھ لیا، جسے ۱۵ دن میں وہیں نقل کرلیا۔ اس کتاب پر مختصر سا حاشیہ بھی تھا۔ آپ نے دیگر شروح سے استفادہ کر کے اس کی مفصل شرح حاشیہ پر درج کر دی اور اس کا نام ''تحفۃ الباقی'' رکھا، جسے خود ہی مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۰۰ھ میں طبع کرایا۔ بڑے سائز کے ۱۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲...... إشاعة اللمعة في فرضية الجمعة: صفحات ۳۲، مطبوعہ ۱۳۰۸ھ مطبع منشی فخر الدین لاہور۔

۳...... هداية البليد في رد التقليد: صفحات ۴۰، مطبوعہ ۱۳۰۸ھ۔

۴...... شرح الشرح نخبة الفكر: (فارسی) مسمی بہ "تصحيح النظر في توضيح نخبة الفكر على مصطلح أهل ا لأثر": یہ کتاب ۱۳۰۶ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۰۸ھ میں مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوئی۔ اس کے ۳۹۲ صفحات ہیں۔

وصال

۱۹۰۹ء کے قریب گڑھی حبیب اللہ خان میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے (۱)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد جناب قاضی محمد عبداللہ ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ مانسہرہ ہزارہ سے لیا گیا۔ آپ کی تمام تصانیف بھی ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں، پھر یہ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ میں راقم کے قلم سے شائع ہوا، مارچ ۱۹۷۲ء، ص: ۴۶ (امام نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، ص: ۷۰ پر مولوی ابوتراب محمد حسین ہزاروی کی کتاب تحفۂ اہل حدیث عربی کا اندراج موجود ہے۔ شاید یہ کتاب بھی آپ ہی کی ہو)۔

آپ علمائے اہل حدیث میں سے تھے۔ آپ کی شرح الشرح نخبۃ الفکر کا حوالہ شروح سابقہ میں مولانا عبدالعزیز عثمانی ہزاروی نے دیا ہے(۱)۔

(۱) عبدالعزیز عثمانی مولانا: نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر مع شرح شرحہ استجلاء البصر ، مقدمہ، ص:۳۰۔

عبدالرحمٰن مولانا داتوی، ہزاروی(۱)

۱۸۴۷ء............۱۹۱۰ء

آپ ۱۸۴۷ء کو مولانا محمد حسین داتوی کے گھر مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ تکمیل پشاور میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم کے والد مولانا عبدالرؤف سے کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد واپس ''داتہ'' آئے۔ والد صاحب آپ کو داتہ میں قائم مقام چھوڑ کر خود ''شہیلیہ'' چلے گئے۔ آپ کچھ عرصہ تک داتہ میں تدریس کرتے رہے، پھر عبداللہ خاں کی طرف سے ریاست ''پھلڑہ'' کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس دوران صبح کو درس بخاری کا معمول رہا۔ اختلاف کی وجہ سے اس منصب کو چھوڑ کر واپس وطن آ گئے۔ پھر کچھ عرصہ اپنے فرزند مولوی یعقوب کے پاس شوہال نجف خاں میں بھی رہے، پھر مدرسہ غزنویہ امرتسر میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے وطن آئے اور ۱۹۱۰ء میں ''داتہ'' میں وفات پائی۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے مولوی حکیم عبدالغفور ساکن مانسہرہ سے لیا گیا۔

(۲) صاحبزادہ عبدالرؤف صاحب اچھے عالم اور فاضل تھے۔ ان کے قلم سے ''شہاب ثاقب'' مطبوعہ بزبان فارسی نکلی، جس میں تکفیر مسلم کے مسئلہ پر نہایت بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ فاضلانہ تصنیف ہے۔ (لباب، ج:۲،ص:۴۲)۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''دارالعلوم (غزنویہ) کی علمی اور تاریخی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے مستند اور ممتاز علماء اس درسگاہ میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ بعض اساتذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن ساکن پکھلی، ....(۱)۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند مولوی محمد یعقوب فاضل مدرسہ غزنویہ امرتسر اور مولوی عبداللہ قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) مولانا ابوبکر غزنوی: سیّدی وابی حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ (سوانح) لاہور ۱۹۷۴ء، مکتبہ غزنویہ، ص: ۴۵۹، ۴۶۰۔

وامام خاں نوشہروی: ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور، مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی ساہیوال، ص: ۱۷۳ تا ۱۷۵۔

مولانا حمد اللہ کاکاخیل (۱)

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء......۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء

آپ مشہور عالم دین مولانا میاں عبداللہ صاحب کاکاخیل کے بڑے فرزند تھے۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۹ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ھ میں تمام علوم وفنون سے فراغت حاصل کی۔ اکثر درسیات کا درس اپنے والد صاحب سے لیا اور تکمیل مولانا عبدالقادر نخفہ ملا صاحب ترنگزوی چارسدہ سے کی تھی۔

تدریس: فراغت کے بعد اپنے والد صاحب کے ساتھ تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور آخری وقت تک پڑھاتے رہے۔ ابھی پورے انہاک وشوق کے ساتھ ۱۲ سال تک تدریس ہی کی تھی کہ پیغام اجل آ پہنچا اور صرف ۳۱ سال کی عمر میں تپ محرقہ سے واصل بحق ہوگئے۔

وصال: وصال کی تاریخ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء اور دن روز شنبہ ہے۔ مسجد دربار کے مشرقی جانب جھنڈا والی لکڑی کے پاس ہی احاطہ میں دفن ہوئے۔

تصانیف

ا: شرح ''آمنت باللہ'' تامتن ''ورسلہ''۔ ناتمام تحریر کردہ ۱۳۲۹ھ، غیر مطبوعہ، ۲: شرح کلمہ طیبہ، محررہ ۱۳۲۷ھ، غیر مطبوعہ، ۳: رسالہ ازالہ الاوہام ومزیل الظلام ۱۳۲۱ھ، غیر مطبوع۔ آپ کا ذکر ایک اور جگہ بھی نظر سے گزرا ہے (۲)۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے خصوصاً حضرت مولانا عزیز گل فاضل دیوبند واسیر مالٹا قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) مواد کے سلسلے میں مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل سے رابطہ قائم کیا گیا۔

(۲) سیاح الدین مفتی مولانا: تذکرہ شیخ رحمکار، لائل پور ۱۹۵۱ء، ص: ۱۵۴، ۱۵۵۔

جناب مولانا محمد اسرائیل صاحب طوروی (۱)

۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء......۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء

آپ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء کو جناب مولانا سید حفیظ اللہ صاحب کے گھر ''طورو''، ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ نسب کے لحاظ سے ''گیلانی سید'' ہیں۔ آپ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچاؤں مولانا حمید اللہ صاحب، مولانا فیض اللہ صاحب، مولانا محمد غلام صاحب اور مولانا بہاءالدین صاحب سے حاصل کی۔

تکمیل مولانا سید اکبر شاہ گیلانی کوہاٹی اور قاضی محمد غلام صاحب کڑوی اکبر پورہ (پشاور) سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے گاؤں ''طورو'' آگئے اور ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا سید امین الحق صاحب (صوبائی خطیب پنجاب) کی روایت کے مطابق آپ علم معانی اور علم تفسیر میں مجتہدانہ ذوق کے مالک تھے۔ ہمیشہ طلبہ کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ افغانستان کے بڑے بڑے علماء اپنے وقت میں آپ کی وسعت علم اور تقوی کا اعتراف کرتے تھے۔ حکومت افغانستان کے اہم علمی مباحث میں آپ کو ثالث رکھا جاتا تھا۔ حق گو اور نڈر عالم

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولانا سید امین الحق صاحب صوبائی خطیب محکمہ اوقاف پنجاب و خطیب جامع مسجد شیخو پورہ سے حاصل کیا۔

دین تھے۔ حضرت مولانا نجم الدین صاحب سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ مجاہدانہ جذبات رکھتے تھے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا محمد اسماعیل صاحب کے ساتھ خیبر کے جہاد میں انگریزوں کے خلاف نہایت بے جگری سے لڑے، پھر افغانستان ہجرت کی اور علاقہ ''خوگیاں'' میں اقامت اختیار کی۔ وہاں بھی ایک عرصہ تک تعلیم و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

وصال

۳۰ جمادی الاولیٰ بمطابق ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کو جب آپ تلاوت کلام پاک کر رہے تھے، انگریزوں کے ایماء پر ایک شقی القلب نے آپ کو شہید کر دیا۔ وہیں ''خوگیاں'' میں اپنے ایک باغیچے میں دفن کئے گئے۔

اولاد

پہلی بیوی میاں محمد جان صاحب آف کابل کی دختر تھیں، ان سے تین فرزند محمد شریف جان، محمد یونس جان اور محمد امین خان (رئیس تمیز سپریم کونسل چیف) ہیں۔ (اول الذکر بچپن میں ہی فوت ہوگئے، باقی دو بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں)۔ اور دو دختران ہیں۔ بڑی مولانا سید امین الحق صاحب کی اہلیہ اور دوسری مولوی نور الحق (مرحوم) آف جلال آباد (کابل) کی اہلیہ ہیں۔

دوسری اہلیہ آزاد خان صاحب آف محلہ صدیق خیل طورو کی دختر تھیں۔ ان سے ایک فرزند حسن الدین (مرحوم) اور دو دختران، بڑی مولوی

حافظ احمد شاہ کی اہلیہ تھیں، فوت ہوگئی ہیں۔

ممتاز تلامذہ میں مولانا کفیل صاحب، رئیس جمعیۃ العلماء افغانستان، مولانا قاضی عبدالرب صاحب زیارت کاکا صاحب پشاور، مولانا عبدالجلیل صاحب دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ اور مولانا محمد اسرائیل صاحب صدر العلماء ترنگزئی چارسدہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ کے بارے میں سید امیر شاہ قادری صاحب لکھتے ہیں کہ

''آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ پختونوں کے آزاد علاقوں میں گزرا۔ بدعات، رسم ورواج کے خلاف ہر وقت مصروف جہاد رہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ تشہیر وترویج عیسائیت کے خلاف ہر وقت برسرپیکار رہے۔ حضرت مجاہد کبیر سوات باباجی صاحب (مولانا عبدالغفور صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں فرنگیوں کے خلاف لڑتے رہے۔ آپ کے بعد پھر حضرت خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ''ہڈہ مولانا صاحب'' کی معیت میں بھی مختلف محاذوں پر انگریزوں سے لڑے اور خوب داد شجاعت دی۔ عمراخاں کی معیت میں دیر وباجوڑ کے معرکوں میں شامل ہوئے۔ بعض مقامات پر تو اکیلے اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان جہاد میں گئے اور کافروں کا کمال بے جگری سے مقابلہ کیا۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ میدان جہاد میں درس دیتے تھے۔ آپ کے دوفرزند زندہ ہیں، محمد امین خان اور

دوسرا بیٹا محمد انس جان اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہے''(۱)۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

''آپ سلسلہ قادریہ میں جناب مجاہد اسلام حضرت اخون عبدالغفور صاحب سے بیعت ہوئے اور اعاظم خلفاء جناب خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ب''ہڈہ ملا صاحب''، حضرت شیخ ولی اللہ صاحب ماموزائی (تیراہ) اور حضرت شیخ محمد عمر شاہ صاحب کربوغہ (کوہاٹ) سے تکمیل سلوک کر کے خلافت حاصل کی''(۲)۔

---

(۱) جناب عبدالحلیم صاحب اثر نے اپنی کتاب ''روحانی رابطہ'' (پشتو) میں ص:۱۰۰۸ پر آپ کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔

(۲) تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۲، ص:۲۵۹ تا ۲۶۱ آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے ۱۲۹۴ھ کو ہجرت افغانستان کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ اس سال کا واقعہ نہیں ہے، بہت بعد کا واقعہ ہے۔ نیز آپ کے دوسرے فرزند کا نام محمد انس جان نہیں، بلکہ محمد یونس جان ہے۔

ولی احمد، مولانا ہزاروی (۱)

۱۸۵۰ء............۱۹۱۶ء

آپ ۱۸۵۰ء کے قریب ''بانڈی عطائی خان''، تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں احمد جی صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے رامپور پہنچے اور وہیں سے سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد اسی مدرسہ (عالیہ رامپور) میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر واپس وطن آئے اور ''بانڈی عطائی خان'' میں تدریس کرتے رہے۔ زاں بعد کچھ عرصہ رجوعیہ زیارت والی مسجد میں تدریس کی۔ ۱۹۱۵ء میں حج کے لئے روانہ ہوئے (۲)۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ ایک سال بعد پانچ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۱۶ء میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

کہا گیا ہے کہ

''آپ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے خلفاء میں سے تھے'' (۳)۔

آپ کا نام کئی کتابوں میں آیا ہے (۴)۔

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے بھتیجے مولانا حافظ عبدالواحد علوی سے لیا گیا۔

(۲) حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ ''حج کے لیے روانگی کے موقع پر سینکڑوں افراد کی موجودگی میں اپنی والدہ سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے وہاں سے واپس نہ لائے''۔ حافظ صاحب اس وقت خود موجود تھے۔

(۳) روایت حافظ صاحب موصوف۔

(۴) فیض احمد مولانا: مہر منیر، لاہور ۱۹۷۳ء، ص: ۲۳۸، وڈاکٹر شیر بہادر خان: تاریخ ہزارہ، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۶۶۹۔

استاذ الاساتذہ مولانا غلام رسول صاحب بفوی

۱۸۵۴ء............۱۹۱۸ء

آپ کی تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں ہوسکا (۱)، اندازہ یہی ہے کہ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ بفہ میں جناب مولانا عبدالرزاق بن عبدالرحمٰن کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۲)۔ دوسری سند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں لی (۳)، اور ایک آدھ سال کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور بطور استاذ تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا اور زندگی کے آخری لمحات تک پڑھاتے رہے اور تدریس کے دوران ہی صفر ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو آپ کا وہیں وصال ہوا اور علامہ محمد قاسم نانوتوی کے مزار کے

(۱) آپ کے فرزند الحاج محمد یعقوب صاحب (م ۱۹۷۳ء) بھی تاریخ ولادت نہ بتا سکے۔ ۶۵ سال کی عمر میں وفات کی روایت سکندر خان بفوی کی ہے۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص: ۱۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد صاحب بھی ان الفاظ میں آپ کو سند اجازت دیتے ہیں: " فأنا أجيزه بما سمع عندي وما قرأ عند أحبابي في ديوبند وهو عندي أهل له". اس سند کی نقل مولانا محمد اجمل خان صاحب خطیب لاہور نے آپ کے فرزند مولوی محمد یعقوب صاحب سے حاصل کی تھی اور ان سے مجھے ملی۔

قریب ہی دفن کئے گئے۔

دارالعلوم میں آپ نے ۳۱ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات سرانجام دیں (۱)۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب ''مالٹا'' میں قید تھے۔ جونہی انہیں آپ کے وصال کی اطلاع پہنچی تو دل کو ایک سخت دھچکا لگا اور ایک پر درد مرثیہ لکھ کر ہندوستان بھیجا۔ اس مرثیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا غلام رسول صاحب مدرس دارالعلوم کی وفات کی خبر مالٹا کے زندان میں پہنچی تو وہیں سے پر درد مرثیے لکھ کر ہندوستان بھیجے...... اور یہ سب مرثیے اور اشعار احقر نے ''کلیات شیخ الہند'' میں نقل کر دئے ہیں'' (۲)۔

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی آپ کا یوں تعارف کراتے ہیں:

''مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بفہ کے مولانا غلام رسول کی وفات پر عربی زبان میں ایک منظوم مرثیہ لکھا تھا (۳)، جو اتنا قیمتی ہے کہ اگر

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ جون ۱۹۶۵ء انڈیا، ص: ۱۱۰، عدد: ۳۷ کے تحت۔

(۲) مولانا سید محمد اصغر حسین صاحب: حیات شیخ الہند، مطبوعہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء دیوبند، ص: ۱۷۰۔

(۳) حضرت شیخ الہند نے اردو میں مرثیہ لکھا ہے، عربی کی روایت درست نہیں۔

دفتروں کے دفتر کسی کی مدح میں لکھ دیئے جائیں تو وہ پلڑے میں اس مرثیے کی برابری نہیں کر سکتے۔

شیخ الہند ایک عالمی حیثیت کے ولی اور بزرگ تھے۔ ان کے دل سے صادر ہونے والے اور قلم سے لکھے جانے والے جذبات ضلع ہزارہ کے ایک شہری کے حق میں ''ضلع ہزارہ'' کی عزت افزائی کی ایک زندۂ جاوید سند ہے (۱)۔

آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ بفہ ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ منطق اور علم الکلام پر پورا عبور تھا۔ یہاں سے دیوبند گئے اور وہاں ان علوم کا درس دیتے رہے۔ تصوف میں بھی آپ خاص حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت شیخ الہند سے آپ کو خاص تربیت حاصل ہوئی۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی اسیری مالٹا کے ایام میں وفات پا گئے۔ حضرت شیخ الہند نے ان کی وفات پر مرثیہ لکھا، جو ''کلیات شیخ الہند'' میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے آپ کے حضرت شیخ الہند سے تعلق اور ان کے ہاں آپ کے مرتبے کا پتہ چلتا ہے (۲)۔

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ص: ۶۶۴ و ۶۶۵، بار اول۔

(۲) عمر فاروق خان: مولانا عبدالرحیم پوپلزئی (سوانح) مطبوعہ ناشر سندھ ساگر اکیڈمی چوک مینار انار کلی لاہور، ثنائی برقی پریس لاہور ۱۹۵۰ء، بار اول، ص: ۱۴ اور ص ۱۰۸ (حاشیہ)۔

مرثیہ مولانا غلام رسول صاحب از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب

کل من علیها فان

محبّ وشفیق ومعظم مکرم — وجیہ ونبیہ وموفق میسر
علوم وفنون ومعارف کے مجمل — نجابت کے مورد شہامت کے مصدر
محیط علوم شریعت کے مرکز — فنون ریاضی وعقلی کے محور
وفا وصفا وفتوّت میں راسخ — محیط سخا وکرم کے شناور
حلیم وکریم وسعید ومبارک — حسیب ونجیب ونظیف ومطہر
غلام رسول اوستاذ افاضل — کہ چشم جہاں مثل او دید کمتر
ہوئے مدرسہ سے ہمیشہ کو رخصت — دریغا فیا حبذا موت احمر
اوداسی ہے چھائی ہوئی مدرسہ میں — ہیں سکتہ کی حالت میں دیوار ودر
اصاغر اکابر کی ہے ایک حالت — ہیں طلاب مضطر تو احباب ششدر
چراغ علوم آہ ٹھنڈا پڑا ہے — دریغا کہ گل ہوگئی شمع انور
غضب ہے کیا سب نے تقسیم لیکن — نہ خفت ہوئی غم میں ذرہ برابر
سماتا کہاں یہ الم گر نہ ہوتے — زمین مین مسام اور فلک میں مقعر
تو غائب ہوا سب کی نظروں سے لیکن — ترا نقش الفت ہے سب کے دلوں پر
تو شاگردوں کے حق میں تھا ابر رحمت — فدا تھے دل وجاں سے وہ بھی تجھ پر
تھا کل جن کے سر پر ترا دست شفقت — نظر آج آتے ہیں وہ خاک پر سر

لیا دیکھ آنکھوں سے تیری بدولت — نہیں ہوتا کوئی دولت سے تونگر
عجب ہے کہ یہ غم اوسی جوش پر ہے — بحار وجزائر کو بھی قطع کرکر
جو تھا بُعد ہم تم میں کیا کچھ وہ کم تھا — قناعت نہ کی تم نے صد حیف اس پر
ہیں یورپ تلک غمزدہ تیرے وارث — تراث بوا کی ہیں گو تیرے کمتر
گذ ا ری یونہی مرحبا عمر ساری — کہ دن مدرسہ میں تو مسجد میں شب بھر
مبارک ہو بے خانماں ترک دنیا — اگرچہ تھا ہر اک کے دل میں ترا گھر
مبارک ہو تم کو جوار مشایخ — ہمیں بھی اگر یاد رکھو تو بہتر
تری سادگی اور تری سادہ وضعی — غضب کی تھی دلکش بلا کی تھی دلبر
لباس بدن کہتا تھا کس ادا سے — کہ لعل گرانما یہ ہے اس کے اندر
تری چائے پی جس نے فوراً وہ سمجھا — حلاوت ملاحت سے ہے تو مخمر
ترے حجرے میں جب کبھی ہوتے حاضر — تو آجاتے تھے یاد ہم کو ابوذ ر
قدم چھوڑ کر مدرسہ میں تم اپنا — چلے دار فانی سے ا للہ اکبر
لو سن لو خود ہاتف غیب کی ہے — غروب آہ نجم ہدی ہو زبان پر
نئ سے نئ رحمتیں ہوویں نازل — تری قبر اور آل واصحاب سب پر (۱)

شادی: مولانا گل حسن صاحب فاضل دیوبند (۱۳۱۵ھ) کی ہمشیرہ کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی۔

(۱) نقل موصولہ از دار العلوم دیوبند وکلیات شیخ الہند، ص:۱۶۔

اولاد

اولاد نرینہ میں صرف ایک فرزند الحاج مولوی محمد یعقوب صاحب تھے، جن کا ۱۹۷۳ء میں بفہ میں انتقال ہوا۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز ترین چند ایک تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱......علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (۱)۔

۲......علامہ السید حسین احمد مدنی (۲)۔

۳......علامہ حبیب الرحمٰن صاحب دار العلوم دیوبند

۴......علامہ حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

۵......مولانا احمد سعید صاحب

۶......مولانا مرتضٰی حسن چاندپوری

۷......مولوی اعزاز علی صاحب شیخ الادب دار العلوم دیوبند (۳)۔

(۱) بیس بڑے مسلمان، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۷۷۔

(۲) حضرت مدنی نے آپ سے نور الانوار، حسامی، قاضی مبارک اور شمائل ترمذی پڑھیں۔ مولانا حسین احمد مدنی: نقش حیات، ج: ۱، ص: ۴۵، مطبوعہ ۱۹۵۳ء انڈیا۔

(۳) اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، جون ۱۹۷۵ء، مسلم اکادمی ۱۸/۲۹، محمد نگر، لاہور، ص: ۶۱، بار اول (مفتی سیاح الدین: شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، دار العلوم، دیوبند، شعبان ۱۳۷۴ھ، ص: ۴۹ پر لکھا گیا ہے کہ فنون کی کتابیں مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی اور مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی سے پڑھیں)۔

۸......مولانا میاں اصغر حسین صاحب استاذ دار العلوم دیوبند

۹......مولانا مفتی عبد الرحیم پوپلزئی (۱) پشاوری۔

۱۰......مولانا احمد شیر ہزاروی استاذ دار العلوم دیوبند (۲)۔

۱۱......مولانا علامہ محمد رسول خان صاحب ہزاروی (۳)۔

۱۲......علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی۔

۱۳......علامہ شبیر احمد عثمانی (۴)۔

کئی اور کتابوں میں بھی آپ کا تذکرہ آیا ہے۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

"۸۸......غلام رسول مولوی مدرسہ دیوبند میں معلّم ہے۔ خیال ہے کہ مولانا محمود الحسن کی سازش کا رکن ہے۔ وہ مولانا کے ساتھ عرب جانے پر

(۱) عمر فاروق خان: مولانا عبد الرحیم پوپلزئی، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ۱۹۵۰ء، بار اول، ص: ۱۴۔

(۲) ماہنامہ انوار مدینہ، لاہور، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ۔

(۳) قاری فیوض الرحمٰن: سوانح مولانا محمد رسول خان ہزاروی۔

(۴) مولانا انوار الحسن شیرکوٹی: تجلیات عثمانی، ص: ۱۴۔

(۵) مولانا سید اصغر حسین: کلیات شیخ الہند، مطبوعہ انڈیا۔

بالکل تیار تھا، لیکن آخر الذکر نے اسے ہندوستان ٹھہرنے پر مجبور کیا'' (۱)۔

کئی اور کتابوں میں بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے (۲)۔

ایک اور جگہ بھی آپ کا ذکر کیا گیا ہے (۳)۔

ایک اور مقام پر بھی آپ کا ذکر کیا گیا ہے (۴)۔

آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے:

''حضرت استاذ علامہ مولانا الحاج المولوی غلام رسول صاحب کی وفات پر عام افسوس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ دفتر میں اشاعت کی غرض سے بہت سے مراثی وصول ہوئے، جن میں اپنے اپنے حزن وقلق کا اظہار

(۱) مولانا سید محمد میاں: تحریک شیخ الہند، انگریزی سرکار کی زبان میں، لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ، ص: ۲۲۵۔

(۲) مولانا سعید الرحمٰن قاری: تجلیات رحمانی (سوانح مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری) راولپنڈی ۱۹۶۹ء، ان کے تلامذہ میں ص: ۳۱ پر آپ کا نام آیا ہے۔ سند دیوبند کی عکسی تصویر پر دستخط ثبت ہیں۔ مولانا خان زمان: حل العویص، کانپور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء، ص: ۱۱۰، ۱۱۲۔

(۳) کفایت اللہ، مفتی، دہلوی: النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص: ۳۰ پر مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، یکم شعبان ۱۳۳۴ھ کے دستخط کے ساتھ آپ کے بھی دستخط موجود ہیں۔

(۴) میاں اصغر حسین، مولانا، دیوبندی: کلیات شیخ الہند، لاہور ۱۹۷۶ء، ص: ۱۹۔

کیا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ رسالہ کے صفحات کی کمی کی وجہ سے ان سب کو درج کیا جانا دشوار ہے، اس لئے ہم ان میں سے چند نظمیں حضرات ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اس سلسلے میں اولاً اشعار مولوی محمد ابراہیم صاحب مسقطی کے درج کئے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف دارالعلوم کے ان ممتاز طلبہ میں سے ہیں کہ جن پر دارالعلوم کے اکابر کو بجا اعتماد ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ اپنے آپ کو نہ صرف علم میں قابل مدح ثابت کریں گے، بلکہ اسلام کی خدمات، صلاح وتقوی میں بھی قابل اقتداء ہوں گے۔

کاتب سطور کو ان سے ایک خصوصیت زائد یہ ہے کہ ان کی سعادت کی وجہ سے وہ ان کو اپنا قوت بازو سمجھتا ہے۔ خداوند عالم ان کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرماوے۔

محمد اعزاز علی عفی عنہ

انعي إلى دار العلوم وأهلها — وكل صد ظمآن بالعلم هائم

امامهم بحر العلوم وحبرها — ونجم هدهم شيخهم ذوالمكارم

جمالهم سمح الخلائق ماجداً — ومرجع اهل الفضل عند العظائم

لظمان علم علة بعد نهلة — بأنهاره من كل علم خضارم

وكان غلاما للرسول وسيدا — لنا ولإعلاء الهدى أي خادم

ليغتبط الأحياء مماثوى به ثوى روضتة حضراء في جنب قاسم (رحمه الله)
لتبكيهما دار العلوم كليهما المشيد وبأني أسها خير عالم
فأمسى العمي يسطو بكفيه قاهراً وأضحى الهدى من غير حام وعاصم
أرى الجهل في الآفاق يفشو فيغطش فهل بارق للعلم يبدو لشائم
الهفي شموع العلمين تتابعوا بقيت وحيدا في ظلام قوائم
بهم كان لي من لذة العيش منزل أراني غدالة اليوم مابين ماتم
أيا ضيف موت أنت شر نوازل وأنت لخير العيش شر هواضم
ألا يابني الإسلام أين حماتكم وقد جن ليل الكفر في متفاقم
ولست أرى فيكم من الخير بعد ما تولوا فصرتم مفغة لقشائم
وليس لكم من أسوة بنبيكم فأمركم المختل ليس بقائم
جرت عبرات من شوء نى غدوة عليهم وهل يجدي البكاء بمعالم
وأحسبني يوما سأركب كارها على ألة حدباء طعم العلاقم
أتحسب أني لاأبا لك خالد كذبت ورب البيت لست بدائم
فلاتغترر نفساً بطول بقائها سترجع يوما عند أعدل حاكم
هنالك تجزى كل نفس جزائها عن الله لاتغنى ندامة نادم
فيا رب حاسبنا بجاه محمد حسابا يسيرا أنت أكرم كارم
ملانا كما بين السماء وأرضها ذنوبا كبارا أنت أكبر كاتم

ويارب فاجمع بيننا ونبينا بجنٰت عدن أنت أرحم راحم
ويارب فاصفح عن جرائر نفسنا وما سول الشيطان واغفر جرائم (۱)

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''ذیل کی نظم مولوی محمد شفیع صاحب معین المدرسین دارالعلوم دیوبند نے بغرض اشاعت دفتر میں بھیجی ہے۔ اس میں بھی حضرت استاذ مولانا غلام رسول صاحب قدس سرہ کی وفات کا تذکرہ ہے۔ ہم اس کو نہایت خوشی کے ساتھ درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ عربی علم ادب سے تعلق رکھنے والے حضرات جس طرح کہ مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف سے واقف ہوں گے، اسی طرح یہ بھی معلوم کرسکیں گے کہ علماء عربی ادب سے ناواقف نہیں ہوتے ہیں''۔ (مولوی اعزاز علی عفی عنہ)

''هذا ما أنشدت في مرثية من ثوى بالتراب بعد ما فات الأقران والأتراب الفاضل اليلمعي والكامل اللوذعي أستاذ أساتذة الهند مولانا وشيخنا المولوي غلام رسول طاب

---

(۱) مولانا محمد ابراہیم: القاسم: التقویض والتطنیب، دارالعلوم دیوبند، ربیع الاول ۱۳۳۷ھ، ص: ۱تا۴۔

اللّٰہ ثراه وجعل الجنة مثواه، المدرس في دارالعلوم بديوبند.
وقدتوفي لسبع عشر مضين من محرم الحرام. (س: ۱۳۳۷ھ)

أحلما نرى أم نرى انقلاباً … فحير ناظرنا واللبابا
نرى انقلب الدهر ظهرا لبطن … ولايتزايد إلا اضطرابا
فما للرياض رياض العلوم … معطلة خاويات خرابا
كنان العنادل عس القماري … قداعتاضت اليوم نسرا غرابا
فانصت سجع الحمام ونغم … العنادل واعتاض عنه النعابا
ومالـلعلوم وذيها نرى في … جميعهم قلقا واضطرابا
فماللشيوخ يضجّون ضبحا … وما للشباب فشقوا الثيابا
ومالي أراني حزينا عميدا … كئيبا ترى في جفوني الربابا
إذا هاتف صاح بي وهو ينعي … كريم السجايا رضيا خطابا
نعي باسق الخلق حرا كريما … ملاذ الغريب إذا الشرنابا
حليما صفوحا لزلات أحبا … به والعدو إذ عراه سبابا
غلام الرسول ومولى الأنام … رضى الفعال وأحسن دأبا
ترى صدره مرجعا لعلوم … يرى بعضها فيهم ومأبا

أبيا زكيا جليلا نبيلا … إذا زرته تلق فيه عجابا
قد اختار لله في بدء ريعانه … هجرا وطأنه واغترابا
فيا من تغيب عنا فأضحى … صفي النعيم علينا عذابا
وعدنا حيارى نقاسي الهموما … مشوقين في طلعه منذ غابا
نرى شدة الموت في طيب عيش … فمالذ نوم ولاالطعم طابا
نبت كل داربنا واجتوينا … الأراضي من سهلها والصعابا
ويا من طلبنا مثيلك فيضا … فاتعبنا كل تعب طلابا
إلى من نلوذ إذا الجهل أبدى … لنا ناجذيه وأحرق نابا
إلى من نلوذ إذا مغلفات … الفنون تعيى العقول جوابا
فهل راجع أنت بعد أفول … وهل رافع عنك ذاك الحجابا
وأنى الرجوع لمن قد حوته … اللحود إذا الجسم ساوى الترابا
فيا قمرًا كيف غيبت ليلا … تزيد البدور بها اقترابا
لعشر مضين وسبع اتين … عليها إذا الصبح أضحى قرابا
ولما التمست من الطبع عام … الوفاة وقلبي من الحزن ذابا
أجاب لنا ونعما اجابا … أتبكونه وهو خير ثوابا
۱۳۳۷ھ
إلهي ويامن إليك الإياب … غدا ثم إن عليك الحسابا

افض من شابيب فضل عميم   على القبر واجعله روضا ربابا

(وأنا العبدالضعيف المدعو ب محمد شفيع الديوبندي المتعلم

بدارالعلوم ۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ) (۱)

(۱) مولانا محمد شفیع: مرثیہ عربی۔(التقویض والتطنیب) القاسم، دارالعلوم دیوبند، ربیع الاول ۱۳۳۷ھ، ص:۴۰، ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ، ص:۱......۲۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''ذیل کے اشعار دارالعلوم کے ہونہار فیض یافتہ مولوی انوار الحق صاحب اعظم گڑھی کے ہیں۔ آپ کے اشعار میں ایک قسم کا درد ہے جس کو ذوق سلیم ہی معلوم کرسکتا ہے اوران میں مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف کو اچھے اورسلیس طریقے میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین بہت محظوظ ہوں گے''۔(محمد اعزاز علی)

مرثية الفاضل النحر الأعظم النفريس الغطمطم الغطريف المفخم البارع الورع التقي الفائق الحبر النقي قدوة العلماء زبدة الأولياء جامع المعقول والمنقول حاوي الفروع والأصول شيخنا ومولانا غلام رسول برد الله مضجعه وماواه بشآبيب بقائه ونور مرقده ومثواه بأنوار الائه.

اكفهر اليوم حتى عاد كالليل البهيم   قلت ماذا قيل ريح عاصف يوم عقيم

دارت الأفلاك ضبح الناس وانشق القمر   صاحت الجنات يا للبوس من خطب جسيم

سالت العبرات هما سجّرات أنهارها   ذابت الأكباد حزنا عند ماغار النجوم

قدرأيت القوم صرعى خشعا أبصارهم   أصبحت روض المعا خاويات كالصريم

قلت كيف الأرض قالوا زلزلت زلزالها   قلت مما قيل من فقدان مولانا الفخيم

جامع المعقول والمنقول طبن مصقع   باقر في الفقه بحر العلم معطاع هضوم

يلمعي لوذعي لين دمث شفيق   شيخ أهل العلم طرّا ناصر الدين القويم

كل ما للمرء خير كان من أوصافه   زاهد ورع تقي دين سلس رحيم

سيد شيخ جليل أيد شرخ نبيل   مفلق حبر نبيه مدره قيل وسيم

مجده مجد أثيل قوله قول جميل   وجهه بدر منير خلقه خلق عظيم

ذنبه ذنب قليل وهو مغفور له   خيره خير كثير زاده زاد يدوم

فضله فضل عميم صدره كنز العلوم   قلبه حي من الآيات الذكر الحكيم

كان مساكاً لحبل الله يرجو الآخرة   مستكينا خاشعا من خشية الله العليم

كان سباقا إلى الخيرات عمار الورى   عائذا بالله من وسواس شيطان رجيم

فات منا بارع من كان في أقرانه   فائقا حتى تنادوا فوق ذي علم عليم

قدوة الأبرار لما حل نادى قبره   أنت حبي أنت خلي أنت لي ود صميم

مرحبا أهلا وسهلا أن أرضي واسعة   إنني روض مريح خط في دار النعيم

موته خطب جليل يا إله العالمين   إنما ندعوك صبرا إنك البر الرحيم

موته موت الورى بل موته موت الهدى   صاح جند اللّٰه صار العلم إذ ذاك اليتيم

صار دارالعلم دار الهم من هجرانه   ليت نفسي قبله ضاعت وعادت كالرميم

قيل غالته المنايا قلت كلا إنه   فاق في أوصافه حتى ارتقا فوق النجوم ۱۹۱۸ء

راح في روح وريحان وجنت النعيم   فائزا بالوصل إن اللّٰه تواب رحيم

غاب رأس الزهد غطريف السماحة والتقى   قلت عام الوصل نادى ذالك الفوز العظيم ۱۳۳۷ھ

خضت في تاريخه الهجرى فنادى هاتف   هو مغفور ومسرور له أجر كريم

رب نور قبره واسكب يعاليل البقي   أنت حسبي أنت ربي أنت ذوا لفضل العظيم ۱۳۳۷ھ

(۱)

(۱) مولانا نور الحق: التقویض والتطنیب، القاسم (ماہنامہ) دارالعلوم دیوبند، ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ، ص:۳،۴،۵۔

مولانا محمد صدیق مردانی (۱)

۱۲۵۳ھ/۱۸۳۸ء............۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء

آپ ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۸ء کو مولوی رحمت اللہ کے گھر ''ڈاگئی'' مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر علاقے کے علماء سے پڑھتے رہے۔ زاں بعد رامپور میں تحصیل علم میں لگے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور عمر علم کی خدمت میں لگا دی۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''آپ کے علم کا شہرہ تمام علاقے میں پھیل گیا۔ دور دراز علاقوں سے طلبہ جوق در جوق آتے اور آپ کے علم سے فیض پاتے۔ تقریباً چالیس سال تک علوم متداولہ کا اور خصوصیت کے ساتھ حدیث مبارک کا درس دیا۔ آخری عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے، مگر پھر بھی تمام دن کتب درسیہ کا زبانی درس دیتے''۔

میبذی پر حاشیہ بنام ''صدیقیہ'' لکھا۔ آپ کے زہد وتقوی اور پرہیزگاری

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا مفتی محمد فرید استاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور سے لیا گیا۔

کی وجہ سے ہر ایک شخص آپ پر اعتماد کرتا تھا(۱)۔

تصنیفی خدمات

آپ نے شرح ہدایۃ الحکمۃ کی ایک شرح لکھی جو مطبوعہ ہے۔

وصال

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء کو آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت عمر اکہتر سال کے قریب تھی۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، بار اول، ج:۲، ص:۱۶۱۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ ''میبذی'' پر حاشیہ لکھا اور مولانا مفتی محمد فرید صاحب کا کہنا ہے کہ شرح ہدایۃ الحکمۃ کی شرح لکھی ہے۔ مفتی صاحب کی روایت ثقہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود درس نظامی کی تدریس کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب تذکرہ نے ''میبذی'' پر بھی حاشیہ لکھا ہو، مگر طبع نہ ہوا ہو۔

مولانا قاضی نور عالم ہزاروی (۱)

م ۱۹۲۰ء

آپ ''برٹ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں قاضی نور محمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا علم باوجود تحقیق کے نہیں ہوسکا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر کیمبلپور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ''مظاہر علوم'' سہارنپور میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ''برٹ'' واپس آئے، پھر وہاں سے ''لبرکوٹ'' اور لبرکوٹ سے ''مانسہرہ'' آنا ہوا۔ یہاں جمعہ خاں سواتی کے اصرار پر مسجد ٹیاں والی میں امامت کے ساتھ تدریس کا آغاز فرمایا اور زندگی بھر تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ممتاز تلامذہ میں مولانا حمید الدین مانسہروی، مولانا محمد اسحاق مانسہروی، مولانا احمد گل، مولانا عبدالحق ساکن سرپنہ اور مولانا عبدالکریم (۳) ساکن لبرکوٹ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے مولانا عبداللہ خالد صاحب خطیب جامع مانسہرہ سے لیا گیا۔

(۲) سند آپ کے پوتے مولوی عبداللہ خالد صاحب کے پاس ہے۔

(۳) علامہ عبدالحئی الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء، ج: ۸ میں ان کے اساتذہ میں آپ کا نام آیا ہے۔

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شادی

آپ کا نکاح خواجہ گل محمد صاحب اخونزادہ (خلیفہ مجاز خواجہ سلیمان تونسوی) ساکن حویلیاں گاؤں ضلع ایبٹ آباد کی دختر سے ہوا۔

وصال

۱۹۲۰ء میں آپ کا مانسہرہ میں وصال ہوا اور ''کاہو والی زیارت'' میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند قاضی احمد حسن، قاضی غلام نبی اور مولانا قاضی عبدالحق فاضل دیوبند تھے (۱)۔

(۱) مولانا عبدالحق دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل کے فاضل تھے۔ والد کی جگہ جامع مسجد مانسہرہ میں خطیب رہے۔ اب ان کی جگہ ان کے فرزند مولانا عبداللہ خالد کام کر رہے ہیں۔

مولانا قاضی محمد اسحاق بالاکوٹی (۱)

............م ۱۹۲۲ء

آپ قاضی رحیم داد خان کے گھر ''بالاکوٹ'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔آپ کی صحیح تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا۔ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کرنے کے بعد مولانا احمد فاضل دیوبند سکندرپوری ہری پور ہزارہ کی خدمت میں پہنچے اوران سے تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔اپنے بڑے بھائی قاضی محمد اسماعیل کے ہم درس رہے۔

فراغت کے بعد گیدڑپور مانسہرہ کے قاضی مقرر ہوئے۔قضاء کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔۱۳۱۷ھ کو جب آپ کے بڑے بھائی بالاکوٹ میں انتقال کر گئے،تو آپ گیدڑپور سے ان کی جگہ پر آگئے اور قضاء کے ساتھ آخر وقت تک تدریس کرتے رہے۔آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''قاضی محمد اسماعیل کے چھوٹے بھائی قاضی محمد اسحاق صاحب بھی نہایت صاحب علم وفضل انسان تھے۔اپنے برادر اکبر قاضی محمد اسماعیل صاحب کے ہم درس تھے۔ان کے ساتھ ہی تعلیم کے مراحل طے کئے۔سند فراغت حاصل کرنے کے بعد گیدڑپور مضافات مانسہرہ میں قاضی مقرر ہوئے۔اپنے بھائی قاضی محمد اسماعیل کی وفات کے بعد بالاکوٹ چلے آئے اور پھر یہاں کا منصب قضاء ان کے سپرد ہوا۔۱۹۲۲ء میں وفات پائی''(۲)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد قاضی حمید الحق بالاکوٹی سے لیا گیا۔

(۲) پیام شاہجہان پوری: شہادت گاہ بالاکوٹ، لاہور ۱۹۷۱ء، ص:۱۷۸۔

مولانا عبدالرحمٰن گنجوی ہزاروی (۱)

۱۸۵۳ء............۱۹۲۳ء

آپ ۱۸۵۳ء کو ''گنجہ''،تحصیل ہری پور میں مولانا ظہیر الدین کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا جو عہد مغلیہ سے منصب قضاء پر فائز چلا آرہا تھا۔

درسیات کی اکثر کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔دوبارہ دورۂ حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھ کر سند حاصل کی (۳)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد کچھ عرصہ ''گنجہ'' میں تدریس کی، پھر ''سانگہ'' اور سانگہ کے بعد ''سلہڈ'' اورزاں بعد ''گیدڑپور'' میں تدریس کی، پھر ''موضع شاہ خیل بانڈی''،ایبٹ آباد اور پھر وہاں سے ۱۹۰۰ء میں ''جامع مسجد صدر''،ایبٹ آباد

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی مسعود الرحمٰن ایم اے بی ٹی انسپکٹر آف سکولز ہزارہ (سابقاً) سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۱۔

(۳) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، مطبوعہ میرٹھ، حصہ اول، ص:۱۹۶ (ممتاز تلامذہ میں آپ کا نام آیا ہے)۔

میں خطیب مقرر ہوئے۔خطابت کے ساتھ عمر بھر تدریس کا شغل جاری رہا۔

وصال: یکم ربیع الاول ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۳ء کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے آبائی گاؤں ’’گنجہ‘‘ میں دفن کیے گئے۔

اولاد: اولاد میں دو فرزند مولوی مسعود الرحمٰن صاحب ایم اے اور عاشق الٰہی صاحب بقید حیات ہیں۔آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ’’آپ بلند پایہ محدث، متقی اور خوددار عالم تھے۔لوگ آپ کی بے حد عزت اور احترام کرتے تھے۔آپ نے یکم ربیع الاول ۱۳۴۰ھ/۹ نومبر ۱۹۲۳ء میں بمقام گنجہ طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘(۱)۔

بیعت کا تعلق: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے تھا۔

ممتاز تلامذہ

۱......مولانا حمید الدین مانسہروی، ۲......مولانا سکندر علی صاحب ساکن شاہ محمد ہری پور ہزارہ، ۳......مولانا محمد اسماعیل کوکلوی، ۴......مولوی سلطان میر، ۵......میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ، ۶......مولوی عصمت اللہ صاحب ساکن نواں شہر، ۷...... بابو غلام حیدر سیالکوٹی، ۸......مولوی عبدالرحمٰن عثمانی سلہڑ، ۹......مولانا اسحاق مانسہروی، ۱۰......مولانا عزیز الرحمٰن قاضی پھلڑہ، ۱۱......مولوی فیروز الدین درویش ہری پور ہزارہ۔

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، بار اول، ص: ۶۷۴، و ۶۷۵۔

مولانا عبید اللہ کاکاخیل (۱)

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء............۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء

آپ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء کو حضرت مولانا میاں عبداللہ صاحب کے گھر ’’زیارت کاکاخیل‘‘، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی ومتوسط تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں لگے رہے۔

تصانیف

۱......عیسائیت کے رد میں: الأجوبة المنيفة للأسئلة السخيفة، نامی کتاب لکھی ہے۔قلمی ہے۔

۲......سلم العلوم کی شرح: علم منطق کی مشہور کتاب سلم العلوم کی عربی زبان میں شرح لکھی ہے، جو طبع نہ ہو سکی۔

۳......ہدایۃ النحو کے نام سے ہدایۃ النحو کی شرح لکھی ہے، یہ بھی قلمی ہے۔

۴......شرح آمنت باللہ، والد ماجد اور بھائی کی طرح آمنت باللہ کی شرح لکھی ہے (قلمی)۔

وصال: ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء کو آپ کا وصال ہوا۔ایک اور جگہ بھی آپ کا نام آیا ہے (۲)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا مفتی سیاح الدین صاحب سے لیا گیا ہے۔

(۲) سیاح الدین، مفتی: تذکرہ شیخ رحمکار، لائل پور ۱۹۵۱ء، ص: ۱۵۵۔

مولانا عمرالدین ہزاروی (۱)

م ۱۹۳۱ء

آپ جناب قمرالدین بن علاءالدین بن مرادبخش بن گل محمد کے گھر ''کوٹ نجیب اللہ'' ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا علم باوجود تحقیق کے نہیں ہوسکا۔

ابتدائی تعلیم اپنے چچازاد مولانا فیض عالم صاحب اور علاقے کے دیگر علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کی تکمیل مولانا عبیداللہ صاحب کے ہاں بمبئی میں کی۔

فراغت کے بعد نمبر ۹ جالمی محلّہ بمبئی میں امامت وخطابت کے ساتھ ایک عرصہ تک درس وتدریس کرتے رہے۔ آخر عمر میں واپس وطن آئے اور ۲ جنوری ۱۹۳۱ء میں اپنے وطن میں انتقال کیا۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند فضل رسول اور عبدالقادر ہیں۔

تصنیفی خدمات

١ ...... الإجازة في الذكر مع الجنازة

٢ ...... إهلاك الوهابيين بتوهين قبور المسلمين (٢).

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند عبدالقادر صاحب سے لیا گیا۔

(۲) اس کتاب پر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی تقریظ ہے۔

٣ ...... فتوى العلماء بتعظيم آثار العظماء (١).

٤ ...... فتوى الثقاة بجواز سجدة الشكر بعد الصلاة (٢).

٥ ......فوز المؤمنين بشفاعة الشافعين (٣).

صوفیانہ مسلک

آپ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ ''آپ کے مرید اور خلیفہ تھے'' (۴)۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور، بار اول ۱۹۷۲ء، ص: ۳۰۶، ۳۰۷ (کہ یہ فتویٰ ۱۳۱۸ھ میں ''تحفۂ حنفیہ'' میں شائع ہوا)۔

(۲) و (۳) دونوں رسالوں کا علم ''تذکرہ علماء'' سے ہوا۔

(۴) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، بار اول، ص: ۳۰۶۔

مولانا سید عبداللہ قطب شاہ عباسی مردانی (۱)

۱۸۵۰ء......۱۹۳۴ء

آپ ۱۸۵۰ء میں ''طورو''، ضلع مردان میں حبیب شاہ بن عبید اللہ بن فیاض شاہ بن رحمت شاہ بن عصمت اللہ بن عبد الرحیم کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر مختلف مقامات پر مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ زاں بعد سعودی عرب چلے گئے۔ اندازہ یہی ہے کہ تکمیل بھی وہیں سے کی ہوگی۔ حجاز سے واپسی پر میرٹھ آ گئے اور پھر وہیں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں وقت گزرا۔

تصنیفی خدمات

۱......اسماء القرآن، صفحات: ۴۰،............ بڑا سائز

۱۸۹۹ء کو مطبع اوم میرٹھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب میں کلام اللہ کے ۶۷ ناموں کی تشریح کی گئی ہے۔

۲......رسالہ حدیقۂ عرفان

اس میں ایمان کے ۷۷ شعبوں کا بیان ہے۔ مستخرج امام عینی کے موافق ہے۔ اس کا صرف سرورق ملا ہے، کتاب نہیں مل سکی۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے پروفیسر حاجی رشید احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان سے لیا گیا۔

۳......نجوم القرآن فی اطراف القرآن کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب بھی نہیں مل سکی۔

۴......شرح شعب الایمان: اسماء القرآن کے آخری صفحے پر اس کتاب کا اشتہار دیا گیا ہے۔

۵......ہدیۃ القراء:............ کے ۵۲ صفحات، مطبوعہ مطبع ہاشمی، میرٹھ۔ آپ نے تصریح کی ہے کہ یہ مولانا محمد اسحاق کی تالیف ہے۔ تصحیح ودرستگی کی خدمت آپ نے انجام دی۔ یہ علم قراءت کی کتاب مقدمۃ الجزری کی فارسی نظم میں شرح ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک عمدہ شاعر بھی تھے۔

نواب آف طورو کے کہنے پر میرٹھ سے ''طورو'' آ گئے۔ یہاں آجانے کے بعد بھی میرٹھ آمد ورفت کا سلسلہ رہا کرتا تھا۔

صاحبزادہ سر عبد القیوم کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔ اسلامیہ کالج کی تحریک کے دوران ان کے دست وبازو بنے۔ ۱۹۱۲ء میں جب اسلامیہ کالج پشاور کی تاسیس ہوئی، تو آپ اس کے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔ تاسیس کے موقع پر آپ نے ایک شاندار تقریر بھی کی تھی (۱)۔

(۱) رپورٹ ابتدائی دار العلوم اسلامیہ سرحد پشاور، ۵ جون ۱۹۱۲ء، ص: ۵ پر آپ کی تقریر کا تذکرہ آیا ہے۔ واعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے سرحد، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ، لاہور، باراول، مئی ۱۹۶۶ء، ص: ۶۱۷۔

۱۹۱۲ء تا ۱۹۳۴ء اس منصب پر فائز رہے اور تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال

۱۹۳۴ء میں نمونیہ کے شدید حملہ سے آپ کا وصال ہوا اور موضع ''معیار'' میں ''مزار چندو بابا'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اولاد

آپ کی پہلی شادی سعودی عرب میں ہوئی، وہ اہلیہ آپ کے ساتھ میرٹھ آئیں، وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی تھی۔ دوسرا نکاح میرٹھ میں ہوا، وہ اہلیہ بھی میرٹھ کے عرصۂ قیام میں انتقال کر گئیں۔ ان کے بطن سے بھی ایک لڑکی تھی۔ تیسری شادی ''طورو'' کے معزز خاندان پٹھان کے فرد احمد خاں کی دختر ''ولا جان'' سے ہوئی۔ آپ کی اولاد میں کل چار لڑکیاں اور تین لڑکے حبیب الرسول شاہ، ڈاکٹر عبدالغنی شاہ اور شاہ علی عباس تھے۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''اسلامیہ کالج میں جب فسٹ ایر میں داخل ہوا، تو کالج کے ڈین مولانا قطب شاہ عباسی نے ہمیں درس قرآن مجید دینا شروع کیا۔ انہوں نے ہمیں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھائی۔ میں اگرچہ گھر میں تفسیر پڑھ چکا تھا، لیکن قبلہ ڈین صاحب نے جب ام الکتاب کی تفسیر بیان کی تو مجھ پر کئی مقامات کھلے۔ میں نے ان سے سراجی جو میراث کی ایک مشکل کتاب ہے، پڑھی۔ منطق اور

فلسفۂ اسلامی کے بعض رسائل بھی حضرت ڈین نے مجھے پڑھائے۔ حضرت ڈین کو ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر پورا عبور تھا، انہوں نے وہ بھی مجھے پڑھایا۔ کالج کے مادی اور گمراہ ماحول میں حضرت ڈین میرے لئے ایک روشنی کا مینار ثابت ہوئے''(۱)۔ ایک اور جگہ بھی آپ کا ذکر آیا ہے(۲)۔

نمونۂ کلام

بعد حمد خالق ونعت نبی — التماس گوش کن اے متقی
ہدیۃ القرا است نام این کتاب — درکمال وحسن و خوبی انتخاب
فاضلی ذوالاحترامی درانام — کرد تالیفش برائے خاص و عام
از ضروریات تجوید اندریں — جمع کردہ از برائے قارئین
مشفقم حافظ حیاءالدین را — نسخہ بد زین کتاب بے بھا
پیش من آورد ایں شرح متین — کرد ظاہر التماس ایں چنیں
کیں رسالہ نادر وبس بے بہا — طالب تجوید قرآن را دوا

(۱) عمر فاروق خان: مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، مطبوعہ جنوری ۱۹۷۰ء، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ص: ۹۶، ۹۷ (کتاب کے آخری صفحات میں مصنف کے خودنوشت حالات زندگی میں یہ عبارت آئی ہے)۔

(۲) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ص: ۶۶۱ (مولانا غلام ربانی لودہی کے اساتذہ میں)۔

ہست در علم قراءت انتخاب   بے نظیر و بے مثال و لاجواب
لیک بس بوسیدہ وپارینہ ہست   در کتابت ہم بسا دیرینہ ہست
سقم شعری وعروضی نیز ہم   رفتہ است از سہو ناسخ بیش وکم
گر دوش تصحیح از لطف جناب   اجر باشد پیش یزداں بے حساب
التماس او پذیر فتم بدل   گوزدور چرخ بودم مضمحل
ہمتے بستم برائے ایں مہام   بہر اجر خویش ونفع خاص وعام
سہل پیمودم بہ نصح ایں جادہ را   ساختم دو آتشہ ایں بادہ را
جا بجا در صحت سقم وخلل   اضطرارً اکردہ ام ردوبدل
ہم تراجم ثبت کردم اندریں   از مقام وصل وفصل اے مرد دیں
آنچہ از الحاق آمد اندرآں   اصل وفرعش رادروکردم عیاں
محنت ورنجیکہ بردم صبح وشام   نام ایزد گشت مقصودم تمام
بعد از تصحیح شد چوں لاجواب   حیف باشد تا بماند در حجاب
فکر طبعش در دلم روزن گرفت   از برائے بخیہ سوزن گرفت
یک بیک حل عقدہ سر بستہ شد   غنچہ پژمردہ دل بشگفتہ شد
حکمت خلاق عالم را بہ بیں   کو مہیا ساخت اسبابش چنیں
یعنی یک از مشفقان نیک نام   محسن بندہ وجیہ الدین بنام
والدش کان حیا رفعت مآب   حاجی وحافظ رفیع الدین جناب

ہمت خود را بہ طبعش بر گماشت   بہر اجر روز فردا تخم کاشت
کرد فرمایش بہ طبع ایں کتاب   خرمنے اندوخت از مزد و ثواب
طبع شد بالآخر ایں گنج مرام   گشتم از توفیق یزداں شادکام
سال تصحیحش بفکرم چوں رسید   سیزدہ صد نوردہ آمد (۱۳۱۹ھ) پدید
ہرچہ از سہو وخطا کردم دریں   کن معافم یا الہ العالمین (۱)

---

(۱) مولانا سید قطب شاہ عباسی: ہدیۃ القراء، خاتمہ از طرف مصحح، ص:۵۰،۵۱۔

مولانا منہاج الدین ہزاروی (۱)

م ۱۹۳۶ء

آپ ''کوٹ نجیب اللہ''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی، پھر ہندوستان کا رخ کیا اور ''گنگوہ'' میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۱)۔

علم طب کی تحصیل بھی کی، لیکن اس کی تفصیلات کا علم نہ ہو سکا۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ایک عرصہ تک ملتان میں تدریس کرتے رہے، پھر وطن واپس آئے اور گولڑہ شریف میں مفتی مقرر ہوئے۔آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''مولوی منہاج الدین صاحب ساکن ''کوٹ نجیب اللہ'' ایک بڑے عالم اور حاذق طبیب تھے''۔

علوم عربیہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد اور طریقت وتصوف

(۱) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، مطبوعہ میرٹھ، باراول، حصہ اول، ص: ۱۹۷۔

(حضرت گنگوہی کے ممتاز تلامذہ میں بیسویں نمبر پر آپ کا نام آیا ہے)۔

میں گنگوہ شریف کے مرید تھے۔کافی عرصہ ملتان میں مدرس رہے۔اپنے زمانے میں ممتاز مناظر دین مانے جاتے تھے۔کئی سال دربار گولڑہ شریف میں مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے (۱)۔

وفات

۱۹۳۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں مولوی حکیم فرید الدین ساکن ہری پور تھے، جو ۱۹۶۸ء کو وفات پا گئے۔ایک اور جگہ بھی ممتاز علماء کے ضمن میں آپ کا نام آیا ہے (۱)۔

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، باراول، ص: ۶۷۶۔

(۲) مولانا فیض احمد: مہر منیر سوانح حیات سید پیر مہر علی شاہ صاحب، لاہور ۱۹۷۳ء، ص: ۲۱۸ و ۲۲۱۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے دعوت مناظرہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ودیگر علماء کے ساتھ آپ کا نام ۶۴ ویں نمبر پر آیا ہے)۔

مولانا قاضی حنیف اللہ ہزاروی (۱)

۱۸۵۲ء......۱۹۳۷ء

آپ ۱۸۵۲ء کو سید لطیف اللہ بن سید عبید اللہ کے گھر ''تراوڑہ'' اوگی مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب شیخ رحمکار سے جا ملتا ہے (۲)۔

ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی، پھر ''انّہی'' گجرات میں پڑھتے رہے، اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی جانا ہوا۔ دہلی کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور سے سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے۔

تدریس

منصب قضاء کے ساتھ آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ جامع مسجد ''تراوڑہ'' میں ہمیشہ ساٹھ، ستر طلبہ رہا کرتے تھے۔ علاقہ ٹکری، دیشاں، الائی، سوات، اگرور، تناول اور کونٹی کے اکثر علماء آپ کے

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند قاضی ثناء اللہ ندیم سے لیا گیا۔

(۲) مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل: تذکرہ شیخ رحمکار، مطبوعہ ۱۹۵۱ء، ص: ۱۷۰ پر یہ تذکرہ بھی موجود ہے کہ ''مولانا لطیف اللہ صاحب کے صاحبزادے بحرالعلوم مولانا شاہ حنیف اللہ مرحوم ومغفور کے علوم سے سارا علاقہ روشن ومنور ہو گیا تھا۔ ان کے تلامذہ کثرت کے ساتھ اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے ہیں''۔ ص: ۱۶۹ تا ۱۷۰ (خاندان کا تذکرہ)۔

تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال

۱۱ نومبر ۱۹۳۷ء کو آپ کا ''تراوڑہ'' میں وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں قاضی ثناء اللہ ندیم، قاضی فصیح اللہ ایم اے اور قاضی مختار اللہ شاہ بقید حیات ہیں۔

ممتاز تلامذہ

ممتاز تلامذہ میں مولانا احمد شیر ہزاروی استاذ دارالعلوم دیوبند (سابقاً)، ''شمد ہڑہ'' کے قاضی فضل الرحمٰن وعبدالحنان اور جامع اوگی کے خطیب مولانا عبدالمنان قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد عرفان ہزاروی

۱۸۸۹ء............۱۹۳۹ء

آپ ''پکھوال''، مانسہرہ ہزارہ میں محمد جی بن محمد علی کے گھر ۱۸۸۹ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر بمبئی، دہلی وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ یوسفیہ منیڈ ہو علی گڑھ سے سندالفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں تدریس پہ مامور ہوئے (۱) اور ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد قومی تحریکات میں حصہ لیتے ہوئے میدان میں آ گئے اور علی برادران کے ہمراہ خدمات انجام دیتے رہے۔ پہلے جمعیۃ العلماء ہند کے معتمد مالیات، پھر خلافت کے معتمد رہے۔ ''الجمعیۃ'' دہلی کے نگران و مدیر بھی تھے۔

وصال

۱۴، اپریل ۱۹۳۹ء کو وصال ہوا اور بمبئی میں دفن کئے گئے۔ ڈاکٹر شیر بہادر پنی آپ کا یوں تعارف کراتے ہیں:

(۱) ابو یحییٰ امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، مطبوعہ ۱۲۵۶ھ/ ۱۹۲۸ء، حیدر برقی پریس دہلی، ص: ۴۴۴ (مولانا عصمت اللہ بن محمد اسماعیل کے سوانحی تذکرہ میں ان کے اساتذہ میں آخری نام ''مولانا محمد عرفان ہزاروی'' کا ہے)۔

''پورا نام ابوالمعارف محمد عرفان، آپ ذات کے تنولی اور موضع پکھوال تحصیل مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ درسگاہ مینڈھو سے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ تحریک خلافت میں مولانا محمد اسحاق مانسہروی کے ساتھ شامل رہے اور ان کے ساتھ ہی گرفتار ہوئے۔ رہائی کے بعد بمبئی چلے گئے اور مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے رفیق کار رہے اور آخر دم تک ساتھ دیا۔ کئی دفعہ جیل گئے۔ بہت بڑے عالم اور فلسفی تھے اور بہترین معلّم، تقریر دل پذیر ہوتی تھی۔ بہت ہی مستقل مزاج مجاہد تھے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جو وفد سلطان عبدالعزیز بن سعود کی دعوت پر (مؤتمر اسلامی کے انعقاد کے انتظام کے لئے) بھیجا گیا، اس میں مولانا ظفر علی خان اور شعیب قریشی کی معیت میں آپ کو مرکزی جماعت خلافت نے بھیجا، جس سے آپ کا کل ہند پایہ کا لیڈر رہونا ثابت ہوتا ہے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء میں صبح دس بجے حرکت قلب بند ہو جانے سے موت واقع ہوئی۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا (۱)۔

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، باراول، ص: ۶۵۸۔ (اس اقتباس میں مولانا کی تاریخ وفات ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء لکھی گئی ہے۔ صحیح تاریخ وفات ۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء ہے۔ آپ کے بھتیجے عبدالقیوم (م ۱۹۷۴ء) کے ہاں مولانا کا فوٹو مع تاریخ وفات ۱۴، اپریل ۱۹۳۹ء موجود ہے جو میں نے خود دیکھا ہے)۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

''مولانا محمد عرفان صاحب معتمد خلافت بمبئی کی ناگہانی وفات کی خبر اخباروں کے ذریعے آپ تک پہنچی ہوگی۔ مرحوم ہزارہ سرحد کے رہنے والے تھے اور سلسلہ خیرآباد کے عالم معقولات اور مدرس تھے۔

۱۹۲۰ء کی قومی تحریکات نے درس وتدریس کی مسند سے اٹھا کر قوم وملت کے اعلیٰ کاموں سے ان کو وابستہ کردیا۔ ان کی سب سے مخلصانہ خدمت ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں ملکانوں کے فتنۂ ارتداد کے موقع پر ان کی جانبازی، ایثار ومحبت ہے۔ ان کے علاقوں میں بیسیوں میل پیادہ اور بھوکے پیاسے سفر کرنا اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں مارے مارے پھرنا ان کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے۔

اس کے بعد انہوں نے جمعیۃ العلماء دہلی سے وابستہ ہوکر جمعیۃ کے کاموں کو کچھ زمانہ تک انجام دیا اور شریف حجاز اور ابن سعود کی لڑائی کے زمانے میں حجاز جاکر معاملات کی تحقیقات کے لیے نامزد ہوئے۔

پھر ۱۹۲۶ء میں موتمر اسلام کی شرکت کے لئے گئے اور وہاں سے واپسی پر وہ بمبئی کی مجلس خلافت کے کاموں میں مصروف ہوگئے اور اسی مصروفیت میں ان کی زندگی کے آخر سال بسر ہوئے، ان کی عمر اس وقت پچاس سے زیادہ نہ ہوگی۔ بلند وبالا مضبوط وقوی تھے۔

ایک دفعہ وہ قومی تحریکوں کے سلسلہ میں قید بھی ہوئے تھے اور اس قید میں انہوں نے یہ سعادت پائی کہ حافظ قرآن ہوئے۔

مرحوم نہایت دوست پرور، ہنس مکھ، ظریف اور فیاض تھے۔ صوبۂ سرحد سے وہ مدتوں جلاوطن رہے۔ جلاوطنی کا دور ختم ہوا تب بھی وطن جاکر اپنی خدمات کی وسعت کو انہوں نے محدود کرنا پسند نہیں کیا اور تمام عمر مجرد رہے اور اسی طرح پوری زندگی گزاردی۔ ایک طرف وہ فقیر بے نوا تھے، دوسری طرف حد درجہ غیور وشریف۔ غالب کا مصرعہ آج بھی صادق آتا ہے:

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''۔(۱)

(ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء)

ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں کہ

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی: یادرفتگان، مکتبہ الشرق آرام باغ کراچی ۱۹۵۵ء، ص: ۲۲۲و۲۲۳۔

''مولانا سے میری پہلی ملاقات ۱۹۲۴ء میں دہلی میں ہوئی تھی، جہاں وہ عرصۂ دراز سے مقیم تھے۔ وہ رہنے والے تو تھے سرحد کے، مگر برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں ''دیس نکالا'' ملا ہوا تھا.................. انہوں نے سرحد میں قیام کرنے کے بجائے مستقل طور پر بمبئی میں سکونت اختیار کر لی اور خلافت کمیٹی سے وابستہ ہوگئے۔ وہ اس کے مالی سیکریٹری تھے۔ ہزارہ ان کا وطن تھا، لیکن وہ اردو ایسی اچھی بولتے تھے کہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ سرحد جیسے پشتو زدہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پشتو تو خیر ان کی مادری زبان تھی۔ عربی میں بھی وہ منتہی تھے اور بے تکان بولتے تھے۔ فارسی پر بھی انہیں کافی عبور تھا۔ وہ دنیائے اسلام کی تاریخ سے بھی خوب واقف تھے اور دل میں اسلام کا سچا درد رکھتے تھے۔ ان کی تقریر بہت مؤثر ہوتی تھی۔

ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ایک دن میں نے کہا: ''مولانا! آپ میں قیادت کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ آپ دنیائے اسلام کا دورہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ تو خلافت کمیٹی کے مالی معتمد ہو کر رہ گئے ہیں''۔ میری باتوں کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ''میں خود بھی انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں رہتا ہوں۔ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب میں دنیائے اسلام کی خدمت کے لئے اٹھوں گا''۔ مگر وہ وقت کبھی نہیں آیا.................. مولانا بہت قناعت پسند آدمی تھے.................. انہیں دوسروں کی خدمت کرنے میں بڑا مزا

آتا تھا۔ ہمہ وقت ہر شخص کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔

مولانا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ میں شریک تھے۔ یکا یک ان کی طبیعت بگڑنی شروع ہوگئی۔ وہاں انہوں نے جنجر کی بوتل منگوا کر پی۔ پیتے ہی انہیں قے ہوئی، مگر اس کے باوجود وہ جلسہ میں بیٹھے رہے۔ ان کی حالت ہر لحظہ غیر ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر عثمان سوبانی انہیں حکیم مرزا حیدر بیگ کے پاس لے گئے، جن کا دفتر (مطب) لیگ کے دفتر کے عین سامنے محمد علی روڈ پر واقع ہے۔ حکیم صاحب نے تسکین قلب کے لئے پینے کو مفرح شربت کا گلاس دیا اور ساتھ ہی سوبانی صاحب کو تاکید کر دی کہ انہیں جلد سے جلد خلافت ہاؤس پہنچا دیا جائے۔ وہاں پہنچتے ہی انہیں پھر قے ہوئی اور وہ دو تین منٹ میں اپنے رب سے جا ملے۔

انتقال کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ میں بھی فوراً خلافت ہاؤس پہنچا، دیکھا کہ مولانا چارپائی پر دراز ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو رہے ہیں۔ ان پر مردنی کے آثار بالکل نمایاں نہ تھے۔ میں نے جاتے ہی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر تجہیز و تکفین میں لگ گیا۔

جس شان سے ان کا جنازہ اٹھا اس کی یاد ہمیشہ رہے گی۔ اس کے ہمراہ ہر فرقہ اور ملت کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ جلوس کوئی میل بھر لمبا ہوگا۔ جنازہ کی چارپائی میں لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے، تاکہ

سینکڑوں آدمی بیک وقت انہیں کندھا دے سکیں۔

ایسا لمبا ماتمی جلوس میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ تاریخ انتقال ۱۴، اپریل ۱۹۳۹ء ہے''(۱)۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ

''اوہو! یہ ہیں مولانا عرفاں، محمد علی کے چہیتے، شوکت علی کے لاڈلے، بنارس جیل کے اسٹیٹ پرزنر شاہی قیدی! کون اخبار بین ہوگا جو اس مرد مجاہد پیشہ عالم سے واقف نہ ہو۔ بہت بڑے عالم تھے۔ جامع منقول ومعقول،

---

(۱) ضیاء الدین احمد برنی بی اے، عظمت رفتہ، مطبوعہ کراچی، ص: ۳۷۷ تا ۳۸۱۔
(اس کتاب کے ص: ۴۶۶ پر مولانا مفتی کفایت اللہ، مولوی مظہر الدین حبیب احمد ندوی، ضیاء الدین برنی کے ساتھ گروپ فوٹو دیا گیا ہے)۔

بہترین معلّم تھے۔ فلسفہ کو اس طرح سمجھائیں کہ سہل ممتنع معلوم ہونے لگے۔ حافظے کا یہ عالم کہ عربی کے ہزارہا اشعار یاد، ممالک عربیہ کا سفر کئی بار کر چکے تھے۔ عربی عربوں کی طرح بالکل ان کے لب ولہجے میں بولتے تھے۔

سرحد کے رہنے والے تھے۔ مزاج لکھنؤ والوں کا پایا۔ ہمت واستقامت میں اول وآخر پٹھان تھے۔ ''شدھی'' اور ''سنگھٹن'' کی تحریک کے زمانے میں فاقے کر کر کے، چنے پھانک پھانک کے، یا پیادہ چل چل کے، گرمی کی دوپہر اور لُو کے طوفانوں میں ملکانہ راجپوتوں کو ''شدھی'' سے بچانے کی مہم بغیر کسی مزد وصلہ کی تمنا کے مہینوں غایت درجہ استقلال اور پامردی کے ساتھ نام ونمود اور شہرت سے بے نیاز ہو کر جاری رکھی۔

کئی برس تک دہلی کی جمعیۃ العلماء کے سیکریٹری رہے، پھر مجلس خلافت کے سیکریٹری ہو کر بمبئی آئے اور یہاں سے مر کر نکلے۔ جہاں رہے آنریری، کپڑا دوست بنوا دیتے تھے، کھانا دفتر میں کھا لیتے تھے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔

یہ ان کا اصول حیات تھا۔

ارباب جمیعۃ سے ان کے بڑے گہرے روابط تھے، لیکن جب یہ سوال پیدا ہوا کہ ارباب جمیعۃ یا ارباب خلافت میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں، تو وہ بے تامل ارباب جمیعۃ کی گود سے علی برادران کے دل میں آ کر بیٹھ گئے۔

علی برادران ان کے علم وفضل، ایثار وقربانی، جرأت واستقامت کا احترام کرتے تھے اور یہ غیر مشروط طور پر انہیں اپنا قائد ورہنما مانتے تھے‘‘ (۱)۔

’’......خلافت ہاؤس میں سب سے زیادہ تنومند، صحت ور، مضبوط اور توانا ہستی مولانا کی تھی۔ وہ بیمار بہت کم پڑتے تھے، لیکن جب وقت آ گیا تو دفعۃً وہ بھی اسی طرح رخصت ہوگئے اس دنیا سے، جیسے برسوں کے بیمار رخصت ہوتے ہیں۔

ایسا حادثہ میری نظر سے کوئی نہیں گزرا تھا۔ ایک جھٹکا سا لگا میرے دل پر، وہ دن ہے اور آج کا دن، اختلاج قلب کا مستقل مریض ہوں۔ اب بھی جب تصور کرتا ہوں مولانا کی ناگہانی وفات کا تو دل ہل جاتا ہے۔ خدا مغفرت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا‘‘ (۲)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

(۱) رئیس احمد جعفری: دید وشنید، مطبوعہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور، بار اول ۱۹۴۸ء، ص: ۱۵۰، ۱۵۲۔

(۲) ایضاً، ص: ۱۵۹۔

ایضاً، ص: ۲۲، ۳۴، ۳۵، ۵۵، ۵۶، ۱۵۰، ۱۵۹، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۸، ۲۸۸، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۶، ۴۷۶، ۵۰۸، ۵۷۰......۵۷۶، پر آپ کے نام کا کسی نہ کسی صورت تذکرہ کیا گیا ہے۔

’’آہ! ہمارے عزیز ترین دوست، مخلص ترین رفیق کار، باشندگان ہند کے پرخلوص رہنما اور ملت اسلامیہ کے مجاہد سردار ابوالمعارف محمد عرفاں ہمیشہ کے لئے اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ موت کی لذت چکھنا ہمارا ایمان ہے، لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ کہ عالم کی موت عالم کی موت ہوا کرتی ہے۔ جرنیل کی موت فوج کی موت کے مترادف ہے اور بادشاہ کی موت کو ملک کی موت کہا جاتا ہے۔ مرنے کو تو ہم سب ایک نہ ایک دن مریں گے، لیکن مولانا عرفان کی موت سے نہ صرف یہ کہ ہم میں ایک دوست اور رفیق کار دنیا سے اٹھ گیا، بلکہ پوری ملت کا محبوب باقی نہ رہا۔

آہ! ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ابھی مولانا شوکت علی کی وفات کا داغ ہر ساعت درد کی ٹھیس پیدا کررہا تھا کہ اس پر عرفان کی جدائی نے اسے ایک اور چرکہ دیا۔ مسلمان جس طرح اپنے دوسرے زعماء کو روتے رہے، وہ عرفان کو بھی روتے رہیں گے۔ نہ ان کی آج تک کسی نے جگہ لی اور نہ ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر آتا ہے۔

مولانا عرفان کی پیدائش صوبۂ سرحد کے ضلع ہزارہ کی پہاڑیوں میں ہوئی۔ ملک کی فضا اور آزادی کی ہوا بچپن ہی سے موجود تھی۔ ابتدائی تعلیم مانسہرہ ایبٹ آباد میں حاصل کرنے کے بعد حصول علم کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس وقت آپ بہت ہی کم عمر تھے، لیکن جذبۂ شوق نے انہیں علی گڑھ پہنچا دیا۔

وہاں آپ ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بنارس میں قیام کیا، پھر دیو بند میں متعلم اور معلّم دونوں حیثیتوں سے دکھائی دیئے (۱)۔

قرآن و حدیث اور دیگر علوم میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ بڑے بڑے علامہ برابری کا دعویٰ نہیں کر سکے۔ عربی بلا تکلف اور پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ بولتے تھے اور اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ جب مصر گئے، تو ایک جلسہ میں اس جدید عربی پر جو ان دنوں عالم اسلام میں رائج ہے، شدت سے نکتہ چینی کی، جس پر علمائے مصر محو حیرت تھے اور انہوں نے کھلے اجلاس میں اعتراف کیا کہ مولانا محمد عرفان فصیح ترین عربی بولنے والوں میں شمار کیئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح اردو زبان پر بھی وہ قدرت حاصل تھی کہ یو پی اور دہلی کے باشندوں کو آپ سے گفتگو کرنے میں خاص احتیاط برتنی پڑتی تھی اور زبان کے سلسلے میں آپ کا فیصلہ ناقابل تردید ہوتا تھا............ اس زمانہ میں تحریک خلافت زوروں پر تھی، آپ نے اس میں شمولیت کی۔ علماء میں بلند مرتبہ تو تھا ہی، جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے میں شامل کرلیا اور جمعیۃ کا

(۱) دیو بند میں آپ کے متعلم اور معلّم ہونے کی بات درست نہیں ہے۔ روزنامہ ''خلافت''، ممبئی کے مدیر یوسفی صاحب کو سہو ہوا ہے۔

معتمد مالیات بنا دیا اور اخبار ''الجمعیۃ'' آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا رہا۔

۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں جب جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس پشاور میں منعقد ہوا تو ہر سرحدی نے مولانا محمد عرفان کو اجلاس میں شامل دیکھنا چاہا، لیکن حکومت آمادہ نہ ہوسکی، بالآخر نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان مرحوم کی کوشش سے جو مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، آپ کو سرزمین سرحد پر قدم رکھنے کی اجازت ملی اور وہ بھی صرف پانچ دن کے لیے اور ان پانچ دن کے لئے ضلع ہزارہ گھر جانے کا بھی ذکر تھا۔

............جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کے پروگرام کی تکمیل کے لیے آپ نے ہندوستان کا کونا کونا چھان مارا، رنگون اور سنگاپور تک اس سلسلہ میں تشریف لے جاچکے تھے۔ عالم اسلام سے آپ کو خاص طور سے دلچسپی تھی اور عالم اسلام کی سیاست کا جس قدر علم و واقفیت آپ کو حاصل تھی، شاید ہی ہندوستان کا کوئی اور رہنما آپ کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔

دو دفعہ حجاز کا سفر کیا اور ابھی بہت دن نہیں گزرے کہ مجلس خلافت کے نمائندے کی حیثیت سے آپ نے فلسطین کانفرنس منعقدہ قاہرہ میں شمولیت کی۔ مصر کے بعد آپ نے فلسطین کی راہ لی............ اور دنیا نے دیکھا کہ جہاں ایک طرف مجاہدین دشمنوں پر آگ برسا رہے تھے اور دوسری طرف گورا فوج کا ایک اشارہ ہر شخص کی زندگی ختم کرنے کو کافی تھا، لیکن اس پر خطر میدان کارزار

میں وہ مولانا محمد عرفان تھا، جو تن تنہا موٹر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا مجاہدین تک پہنچا............آپ نے اپنے سفر کے مختصر حالات روزنامہ ''خلافت'' میں لکھنے شروع کیئے، لیکن افسوس کہ وہ سلسلہ ناتمام رہ گیا۔اس پر جنوری گذشتہ میں آل انڈیا یا خلافت کمیٹی کی مجلس انتظامیہ نے آپ سے خواہش کی کہ وہ اپنے ان مضامین کی روشنی میں پورا سفرنامہ مرتب کریں، تاکہ دنیا کو علم ہو سکے کہ فلسطین کے عربوں پر کیا گزر رہی ہے، لیکن افسوس کہ اب یہ خواہش تاقیامت پوری نہ ہو سکے گی''(۱)۔

اسی طرح ایک مرثیہ بھی شائع ہوا

اس قدر جلد جدائی کا سبب جان گئے / ان کو شوکت نے بلایا تھا کہ عرفان گئے
اس قدر جلد زمانہ سے جو عرفان گئے / قوم نے بات نہ مانی تو برا مان گئے
جوہر وشوکت جمال و کمال عرفاں / سچے خادم تھے یہ سب قوم پہ قربان گئے
بات سچی ہے مگر کہنے سے شرماتا ہوں / ہیں مسلماں مگر صاحب ایمان گئے

(۱) خلافت: بمبئی ہفت روزہ ۲۳، اپریل ۱۹۳۹ء، ص: ۶ (تعزیتی مضمون یوسفی صاحب کے قلم سے)۔

اب نہ جوہر ہیں نہ شوکت ہیں نہ جمال وکمال عرفاں / ہائے سب قوم مسلماں کے نگہباں گئے
کیسے کیسے ہیں ملے خاک میں رہبر اپنے / کیسے کیسے دل بیتاب کے ارمان گئے
دل کو تھامے ہوئے بیٹھے ہیں خلافت والے / کیا کوئی اور خلافت کے نگہبان گئے
چل دیئے خلد کو سب راہ بتانے والے / پہلے شوکت گئے اور بعد کو عرفان گئے (۱)

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''مفتی کفایت اللہ دہلوی نے اس موقع (شدہی تحریک) پر سب سے پہلا تبلیغی وفد ان علاقوں میں روانہ کیا، جہاں آریہ سماج کی شدہی کی تحریک کا زور تھا۔ اس وفد کے صدر مولانا عرفان مرحوم (مدیر اول اخبار ''الجمعیۃ'') اور نائب صدر مولانا وحید حسن صاحب ٹونکی تھے(۲)۔

آپ نے مؤتمر اسلامی حجاز میں شرکت کی۔ پہلے وفد کے ارکان میں آپ کا نام موجود ہے، مگر جانہ سکے۔ یہ وفد ۱۸ دسمبر ۱۹۲۴ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں عازم حجاز ہوا تھا۔ باقی دوسرے موقعوں پر شریک

(۱) خلافت: بمبئی ہفت روزہ ۲۳، اپریل ۱۹۳۹ء، ص: ۱۴، از محشر امروہی۔

(۲) عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان، مطبوعہ لاہور، ص: ۴۲۱۔ (مفتی کفایت اللہ کے تذکرے میں)۔ نیز ص: ۴۳۳ پر ''مؤتمر حجاز'' میں بطور سیکرٹری وفد اور ص: ۴۳۸ پر ''مؤتمر فلسطین'' میں سبجیکٹ کمیٹی کے ۱۸، ارکان میں ایک آپ کا نام ہے۔

رہے''(۱)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''نہایت صاحب علم، ذی فہم، شگفتہ مزاج اور مخلص بزرگ تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بہت بے غرضانہ خدمت کی۔ اللہ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے''(۲)۔

ایک اور مقام پر بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے:

''۱۹۲۶ء میں جب سلطان ابن سعود نے مکہ معظّمہ میں عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی، اس کی صدارت اس خاکسار کے حصے میں آئی اور جمعیۃ العلماء کے وفد کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ممبر حافظ احمد سعید صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا عبدالحلیم صدیقی صاحب اور مولانا عرفان صاحب مرحوم تھے''(۳)۔

ایک اور جگہ بھی آپ کا نام نظر سے گزرا ہے(۴)۔

(۱) سید سلیمان ندوی: مسئلہ حجاز، مطبوعہ بمبئی۔

(۲) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: خط بنام من، حوالہ ۳۶۰، مؤرخہ ۱۲ فروری ۱۹۷۳ء۔

(۳) مولانا سید سلیمان ندوی: وفیات: مولانا شبیر احمد عثمانی، معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۵۰ء، ص: ۳۰۲۔

(۴) قاضی محمد عبدالغفار: حیات اجمل، ص: ۳۸۹۔

مولانا حافظ عبدالحمید ہزاروی (۱)

م ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

آپ وادئ کونش، تحصیل مانسہرہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''جالگلی'' میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں ہوسکی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ جی جالگلی والے سے حاصل کی (۲)۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دور دراز کا سفر کیا اور ۱۲ سال کے بعد تکمیل کر کے واپس آئے (۳)۔

امامت: واپس آ کر جالگلی، ملوکڑہ، ملکاں اور جیتمنگ وغیرہ مقامات پر امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تصنیف: ا...... تحفۃ الاحباب المشہور بہ انوار الشہداء، کے نام سے ایک ضخیم فارسی دیوان ۱۳۱۸ھ تا ۱۳۲۸ھ کے عرصہ میں مرتب کیا۔ یہ دیوان تیرہ ہزار سات سو شعروں پر مشتمل ہے۔ بعض اشعار عربی میں بھی ہیں۔ اشعار زیادہ تر توحید، نعت، مدح صحابہ پر ہیں (۴)۔

انتقال: آخر عمر چکار، آزاد کشمیر کے علاقے ''گھنچتر'' کے کسی گاؤں میں جا ٹھہرے اور امامت اختیار کر لی۔ وہیں ۱۳۴۳ھ/۱۹۱۵ء میں انتقال کیا اور وہیں دفن کئے گئے۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد خواص خان کے مضمون وادئ کونش کا گمنام فردوسی ثانی مولوی عبدالحمید صاحب سے لیا گیا جو ''نشیمن''، ایبٹ آباد، ۹، اکتوبر ۱۹۷۳ء میں چھپا۔

(۲) حافظ جی کے نام سے شہرت پائی ہوگی، نام کچھ اور ہوگا، معلوم نہیں ہوسکا۔

(۳) مضمون میں تصریح نہیں تھی کہ کس مدرسہ سے فراغت حاصل کی۔

(۴) یہ کتاب موصوف کے پوتے مولوی فیض محمد کے پاس محفوظ ہے، جو خواص خان صاحب نے خود دیکھی ہے۔

مولانا محمد اسماعیل کوکلوی ہزاروی

۱۸۶۵ء............۱۹۴۰ء

آپ ۱۸۶۵ء کو جناب مدت خاں کے گاؤں ''کوکل''، تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم مدرسہ عالیہ رامپور میں حاصل کی اور وہیں سے سند الفراغ حاصل کی (۱)۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل نہ تھے (۲)۔ فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور عمر تدریس میں گزری۔ آپ علم نحو کے مانے ہوئے اساتذہ میں سے تھے۔ ہزارہ کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال: ماہ شوال ۱۳۵۹ھ/۲۱ نومبر ۱۹۴۰ء بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا اور کوکل کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں آپ کے دو فرزند مولوی محمد اسحاق اور مولوی عبدالقیوم نیر ہیں۔

ممتاز تلامذہ: آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبدالحنان صاحب ساکن جرید فاضل دیوبند، مولانا فضل حق ساکن شوہال (مانسہرہ) فاضل دیوبند، مولانا عبدالمالک ساکن شوہال فاضل دیوبند، مولانا قاضی صدرالدین ہری پور، مولانا محمد نعمان بیدڑوی، مولانا محمد اسحاق خطیب فاضل دیوبند، مولانا انور شاہ دیشانوی فاضل صدیقیہ دہلی اور مولانا قاضی محمد یونس بالاکوٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ ہزارہ کے ممتاز عالم مولانا سکندر علی فاضل مظاہر علوم کے بھائی تھے۔

(۱) روایت مولانا عبدالحلیم فاضل دیوبند (۱۳۶۲ھ) ساکن کوکل معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول حویلیاں، ہزارہ۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۲، ص:۳۰۹، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''فاضل دیوبند تھے''۔ ''فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ'' میں نام موجود نہیں ہے۔

جناب مولانا عبداللہ پٹھوار صاحب (۱)

۱۸۶۷ء............۱۹۴۰ء

آپ ''مہار بالا'' نزد دہمتوڑ ایبٹ آباد ہزارہ میں ۱۸۶۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہمتوڑ میں مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب سے حاصل کی، پھر کاکول میں مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا احمد جی صاحب سے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ زاں بعد مولانا غلام جیلانی صاحب آف گڑوال (مانسہرہ) سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں چھ سال ان کی خدمت میں رہ کر پڑھیں، پھر مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب ہزارہ مرحوم کے ہمراہ مولانا حمیدالدین صاحب سے علم منطق اور علم ادب کی کتابیں پڑھیں۔

تکمیل شاہ محمد ہری پور ہزارہ کے مولانا سکندر علی صاحب سابق استاذ مظاہر علوم سہارنپور سے کی۔

فراغت کے بعد دو تین سال ہری پور ہائی سکول میں عربی کے استاذ رہے، پھر مدرسہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں چھ سال تک تدریس کرتے رہے۔

(۱) آپ کے حالات زیادہ تر مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سے لئے گئے ہیں۔ موصوف ان کے شاگرد اور مدرسہ احمد المدارس ہری پور کے شیخ الحدیث ہیں۔ ایک کتاب تفریح الجنان فی تفسیر ام القرآن، لمولانا عبدالقادر فاضل دیوبند پر عربی زبان میں آپ کی تقریظ شائع ہوئی ہے، ص: ۱۳۰، ۱۳۱۔

''علی خان'' ہری پور ہزارہ میں اپنا مکان تھا۔ وہاں زندگی کے آخری ایام تک تدریس کرتے رہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں سے ایک مولانا خلیل الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث احمد المدارس ہری پور ہزارہ بھی ہیں۔

آپ ''پٹھوارا استاذ'' کے نام سے مشہور تھے۔

آپ فن تقریر وتحریر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف میں ایک ''قرع اللبیب علی سمع الخطیب'' ہے جو مولانا فضل الرحمٰن خطیب مسجد اہل حدیث ہری پور کی کتاب کے رد میں ہے۔

۱۹۴۰ء میں آپ کا وصال ہوا(۱)۔

(۱) قاری فیوض الرحمٰن: علمائے دیوبند سرحد کی تصنیفی خدمات، الرشید دیوبند نمبر، لاہور ۱۹۷۵ء، ص: ۴۰۸۔

مولانا احمد شیر ہزاروی(۱) استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء......۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء

آپ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء کو مولوی محمد شریف بن مولوی سبقت اللہ بن مولوی لطف اللہ اخون صاحب کے گھر ''ترند'' علاقہ ٹکری ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی نام ''احمد'' تھا۔ ایام طفولیت کے ایک واقعہ سے آپ کے تایا صاحب نے ''شیر'' کا اضافہ کردیا، چنانچہ بعد میں اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مشہور عالم مولانا قاضی حنیف اللہ صاحب ''قاضی تڑاوڑہ'' (اوگی ہزارہ) سے حاصل کی، پھر کچھ عرصہ ہری پور میں تعلیم حاصل کی۔ زاں بعد چند کتابیں حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ سے پڑھیں اور انہی کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد میمن سنگھ بنگال کے ایک مدرسہ میں بطور صدر مدرس ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء تک تدریس کی۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کو دارالعلوم دیوبند میں تدریس پہ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند حافظ محمد یعقوب صاحب سے لیا گیا۔

مامور ہوئے اور ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں (۱)۔ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں مدرسہ امدادیہ ضلع مظفر نگر میں بطور شیخ الحدیث آپ کا تقرر ہوا۔ اس دوران پہلا، دوسرا اور تیسرا حج بھی کیا۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء میں انجمن اسلامیہ نیلکنڈ حیدر آباد دکن میں بطور صدر مدرس آپ کی تقرری ہوئی اور ساتھ ہی جامع مسجد میں خطیب بھی مقرر ہوئے۔ ایک عرصہ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد وطن واپس آئے اور پھر اپنے علاقے میں تدریس شروع کر دی۔

وصال: ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء کو مسجد میں فرض نماز پڑھتے ہوئے آپ کا انتقال ہوا اور گاؤں کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

صوفیانہ مسلک: بیعت کا تعلق حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے تھا۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند حافظ محمد یعقوب، مولانا بشیر احمد اور محمد شریف بقید حیات ہیں۔

ممتاز تلامذہ: ممتاز تلامذہ میں مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، علامہ شمس الحق افغانی، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری (۲) اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ دیوبند، صفر ۱۳۸۵ھ/ جون ۱۹۶۵ء، ص: ۱۱۱، تحت عدد: ۵۹۔

(۲) قاری سعید الرحمٰن مولانا: تجلیات رحمانی (مولانا عبدالرحمٰن کی سوانح) راولپنڈی ۱۹۶۹ء، ص: ۳۱، پر ان کے اساتذہ میں آپ کا نام آیا ہے۔

مولانا فضل الحق ہزاروی (۱)

۱۸۹۵ء............۱۹۴۲ء

آپ ۱۸۹۵ء کو مولوی میر عبداللہ بن مولوی محمود قریشی کے گھر ''شوہال نجف خاں''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد چھٹے سال ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریس: فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور اپنے آبائی گاؤں کے سامنے ''شوہال معزاللہ خاں'' میں مسجد کی امامت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا۔ اس چھوٹے سے گاؤں میں ہمیشہ تیس چالیس کے قریب طلبہ آپ سے پڑھتے رہے۔ آخری سالوں میں کتب حدیث زیر درس رہا کرتی تھیں۔ علاقے کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال:

۱۹۴۲ء کو اسی گاؤں میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں دو فرزند مولوی حفظ الرحمٰن اور ہدایت الرحمٰن اور تین دختران ہیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی حفظ الرحمٰن سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، قلمی، ص: ۴۔

جناب مولانا محمد اشرف صاحب مانسہروی (۱)

۱۹۰۰ء..........۱۹۴۲ء

آپ ۵ صفر ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء کو جناب مولوی محمد عالم سواتی (جہانگیری) کے گھر ''چکیاہ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ''چکیاہ'' مانسہرہ سے جانب شرق تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقے کے دوسرے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ایک سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۴۳ھ کو دوسرے سال علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مولانا میاں اصغر حسین صاحب اور مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزاروی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ ''فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ'' میں ۸۹ ویں نمبر پر آپ کا نام موجود ہے۔ عربی سند کے علاوہ دارالعلوم کی طرف سے اردو زبان میں بھی آپ کو ایک سرٹیفکیٹ دیا گیا، اس کا نمبر ۱۱۳۱ ہے۔

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور جامع مسجد مانسہرہ میں ۱۰ سال تک خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ ساتھ ہی سکول میں معلّم دینیات بھی رہے۔ درس نظامی کی کتب بھی زیر درس رہیں۔

نوابزادہ عبداللطیف خاں پڑھنہ (مانسہرہ) کے شدید اصرار پر ''پڑھنہ''

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے فرزند جناب بھائی مسعود الرحمٰن صاحب حال سول کوارٹرز کوہاٹ روڈ پشاور سے لیا گیا۔

چلے گئے اور تقریباً تین سال تک ان کے منصب قضاء پر فائز رہے۔

۱۹۳۲ء کو بھلوال ضلع سرگودھا کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ وہاں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے۔ آپ اتنے صلح کن تھے کہ ہر سال ''مذاہب عالم'' کا بھلوال میں جلسہ کرواتے۔ آپ کے اس طریق سے کئی ہندو گھرانے حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ وہاں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

وصال: ۲۷ نومبر ۱۹۴۲ء کو اختلاج قلب کے دورے سے وہیں وصال ہوا۔ آپ کے سوگ میں بھلوال کے بازار بند کر دیئے گئے اور ہندو مسلم سب نے آپ کے وصال پر افسوس کا اظہار کیا۔ وہاں نماز جنازہ کے بعد تابوت میں ڈال کر آپ کو ''چکیاء'' لایا گیا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

حیات مسیح پر آپ کا ایک غیر مطبوعہ پمفلٹ ملا ہے جس کے کل ۲۶ صفحات ہیں۔

اخلاق: آپ نہایت خوبصورت اور خوب سیرت عالم دین تھے۔ قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آواز بھی خوب دی تھی جو ایک بار آپ کو سنتا، گرویدہ ہو جاتا تھا۔

اولاد: آپ کی اولاد میں دو فرزند جناب مسعود الرحمٰن صاحب اور جناب ڈاکٹر ریاض احمد صاحب (انچارج کنٹونمنٹ جنرل ہسپتال پشاور) اور تین دختران ہیں۔ سب ہی صاحب اولاد ہیں۔

مولانا حمید الدین الہزاروی

۱۸۸۲ء............۱۹۴۳ء

آپ ۱۸۸۲ء کو محلّہ کنگڑ مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولوی رحمت اللّٰہ تھا۔ ابتدائی تعلیم مولانا قاضی نور عالم، مولوی حزب الحق اور مولوی مطیع اللہ سے حاصل کی۔ زاں بعد چند کتابیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن گنجوی سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، پھر رامپور جا کر ایک عرب عالم سے بھی استفادہ کیا۔

تدریسی خدمات

۱۹۰۴ء کو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے آپ کو ''مصباح العلوم'' بریلی میں برائے تدریس بھیجا گیا۔ آپ نے پہلے ہی تدریسی سال میں اپنے عرب استاذ کے کہنے پر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا، پھر وطن آئے اور آتے ہی مانسہرہ میں ''سرکاری قاضی'' مقرر ہوئے۔

مانسہرہ مڈل سکول کو جب ہائی بنانے کی کوشش ہوئی تو سکول کے لئے آپ کی خدمات پہلے اعزازی اور پھر مستقل ''مدرس عربی'' کی حیثیت سے لے لی گئیں۔ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۳ء آپ نے سکول میں تدریس کی۔ سکول کی ملازمت

کے ساتھ ہمیشہ درس نظامی کی بلند پایہ کتب زیر درس رہیں۔ ۱۹۱۱ء تا ۱۹۴۳ء مسجد محلّہ کنگڑ میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ علاقے کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''مولوی حمید الدین صاحب مرحوم مانسہرہ کے جید عالم تھے۔ سرکاری سکول میں عمر بھر مدرس رہے اور فارغ وقت میں درس نظامی کی بڑی کتابوں کی تدریس بھی ہمیشہ جاری رکھی۔ آپ سنجیدہ خاموش اور خوددار عالم تھے۔ ذاتی وجاہت اور خودداری کے بدرجۂ اتم مظہر تھے۔ عقیدۃً انگریزی حکومت کے خلاف تھے''(۱)۔

۱۹۴۳ء کے آغاز میں سکول کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کی طرف آپ کو لیکچرر (عربی) لے لینے کی پیشکش کی گئی، جسے آپ نے چند گھریلو مجبوریوں کی بناء پر قبول نہ کیا۔

وصال: ۱۲ جون ۱۹۴۳ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''چٹی ڈھیری'' کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

اولاد: اولاد نرینہ زندہ نہیں رہی، البتہ آپ کی چار دختر اں بقید حیات ہیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان: تاریخ ہزارہ، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۲۶۸۔

"مولانا حميد الدين الهزاروي"

"الشيخ الفاضل حميد الدين بن رحمة الله الحنفي الهزاروي أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول. ولد ونشأ ب "مانسهره" قرية من أعمال هزاره وقرأ العلم على أساتذة بلاده ثم سافر إلى ديوبند ورامپور وقرأ المنطق والحكمة على مولانا فضل حق الرامپوري وعلى غيره من العلماء ثم ولي التدريس ببلدة بريلى.وهو باهر الذكاء، جيد الفزيحة. له اليد الطولى في الفنون الأدبية" (۱).

تصنیف

علم میراث پر ایک کتاب ''ڈھائی ورقہ میراث'' منظوم مشرح بزبان پنجابی لکھی جو میاں محمد نظیر و محمد ظہیر تاجران کتب مانسہرہ کی فرمائش پر فیروز سنز لاہور سے شائع ہوئی۔ بڑے سائز کے ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو حاشیہ بھی آپ کے قلم سے ہے۔

(۱) مولانا حکیم عبدالحیٔ الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء، ج: ۸، ص: ۱۲۵۔

(حاشیہ میں مصنف کے فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ہمیں مولانا کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا)۔

مولانا مفتی عبدالرحیم پوپلزئی (۱) مفتی سرحد، پشاور

۱۸۹۰ء.......................۱۹۴۴ء

آپ ۱۸۹۰ء کو مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم بن مولانا محمد امین کے گھر پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ پشاور کے ایک مشہور علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ''پوپلزئی خاندان''، جس سے آپ تعلق رکھتے تھے، دراصل پوپل خان کی طرف منسوب ہے، جو آپ کے آباؤ اجداد میں ایک معروف شخصیت کے حامل تھے۔ پوپل خان کا شجرہ نسب احمد شاہ ابدالی سے جاملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔

''۱۹۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا سفر کیا۔ رامپور، دھلی اور مینڈھو کی درسگاہوں کے ممتاز علماء سے استفادہ کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ وہاں داخلہ لیا اور ۱۹۱۲ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند کے ارشاد پر آپ نے مسجد

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھائی مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی پشاوری سے لیا گیا۔

(۲) عمر فاروق خان: مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، مطبوعہ سندھ ساگرا کادمی لاہور، جنوری ۱۹۷۰ء، ص: ۱۰، وانوار الحسن: تجلیات عثمانی، ص: ۴۴، بحوالہ مولانا محمد میاں: علمائے حق، حصہ اول، ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲، ممتاز تلامذہ میں۔

قاسم علی خاں، قصہ خوانی پشاور میں تدریس کا آغاز کیا۔ ذہین اور منتہی طلبہ کو گھر (محلّہ گاڑی خانہ) میں بھی پڑھایا کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں دور دراز سے طلبہ آ آ کر پڑھنے لگے۔ ساتھ ہی افتاء کا سلسلہ بھی تھا۔

۱۹۱۹،۲۰ میں عدم تعاون کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۷ء میں پشاور سے ایک ہفت روزہ ''سرفروش'' جاری کیا۔ کہا گیا ہے کہ ''صوبہ سرحد کی سیاسی پیداوار میں اس اخبار کو بہت دخل رہا ہے''(۱)۔

''نوجوان بہادر سبھا'' کے نام سے ایک اصلاحی جماعت بنائی۔ آزاد قبائل کا ۱۹۲۹ء میں دورہ کر کے انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا۔ آپ کی ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی بناء پر آپ کو ۳۰ اپریل ۱۹۳۰ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاندھی اروِن پیکٹ کے تحت رہا ہوئے۔

۱۹۳۱ء کے اواخر میں ''اتمان زئی'' کے عظیم الشان جلسہ میں انگریز سامراج کے خلاف جب صدائے احتجاج بلند کی، تو اس کی پاداش میں آپ کو تین سال قید کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۴ء میں رہا ہوئے اور جب رہا ہوئے تو پشاور میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران آپ نے سفر حج کی تیاری کی۔ اولاً آپ کو حکومت سے اجازت نہ ملی۔ جب آپ نے احکام کو توڑنے کی دھمکی دی، تو حکومت نے بامر مجبوری اجازت دے دی۔ آپ حجاز میں سرکاری مہمان

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص: ۲۶۰۔

رہے اور دو سال وہاں قیام رہا۔ اس اثناء میں وہاں کے کتب خانوں سے خوب خوب استفادہ کرتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں وہاں سے واپسی ہوئی۔

۱۹۳۶ء میں نواب آف طورو کی زیادتیوں کے خلاف اور غرباء کی امداد کے تحت میدان میں نکل آئے اور تحریک ''غلہ ڈھیر'' کا آغاز ہوا پھر آپ کو ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۸ء میں پھر انہی غریب پرورانہ جذبات کے تحت ضلع ہزارہ میں ہزارہ کسان کانفرنس منعقد کر کے مزارعین کے مطالبات، پامال حقوق واپس دلانے کی کامیاب کوشش کی اور اس کی شرعی حیثیت کے لیے تائیدی فتوی بھی دیا۔ ۱۹۳۹ء میں مزارعین کے مطالبات منظور کروا لیئے۔

۱۹۳۹ء کے اواخر میں جب برطانوی حکومت نے غریب وزیرستانیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، تو آپ نے اس ظلم و جبر کے خلاف بنوں میں جلسے کر کے حکومت کو عوامی جذبات سے آگاہ کیا۔ اس کلمہ حق کے اظہار میں ۵ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ ایڈوائزری دور حکومت میں بنوں نہ جانے کی شرط پر رہائی موقوف کی گئی، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

''جب میں اس حکومت کو ہی عملاً تسلیم نہیں کرتا تو کسی شرط قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

آخر تین سال کے بعد رہا کر دیے گئے۔

وصال

اس قید کے دوران پلورسی کا شکار ہوئے اور چند ماہ کی علالت کے بعد ۱۲ مئی ۱۹۴۴ء کو واصل بحق ہوئے اور مسجد ''قاسم علی خاں'' کے احاطے میں دفن کیے گئے۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''صوبۂ سرحد، کابل، قندہار، تاشقند اور آزاد قبائل میں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں (۱)۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، بار اول، ص: ۲۶۵۔

مولانا سکندر علی ہزاروی

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء.........۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

آپ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء کو مدت خاں صاحب کے گھر ''کوکل'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ اعوان تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ پہلے رامپور میں اور پھر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔

تکمیل مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں کی (۱)۔

تدریس

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''اسی سال مولوی عبدالکریم صاحب مدرس چہارم نے اپنا استعفیٰ دیا جو مولانا موصوف کے مکرر اصرار پر منظور کرلیا گیا اور ان کے قائم مقام مولوی سکندر صاحب (جنہوں نے ریاست رامپور میں رہ کر معقول وریاضی کی تعلیم حاصل کی اور علم حدیث اسی مدرسہ میں حاصل کیا) کو کر دیا گیا'' (۲)۔

آپ نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء تا ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ء مظاہر علوم سہارنپور میں

(۱) مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، مطبوعہ دیوبند ۱۳۹۲ھ، ص: ۹۶۔

(۲) ایضاً، ص: ۹۶و۹۷۔

تدریسی خدمات سرانجام دیں(۱)۔

زاں بعد مدرسہ رحمانیہ دہلی میں آٹھ سال، جامعہ معینیہ اجمیر شریف میں ایک سال، مولانا ظہور احمد بگوی بھیرہ ضلع سرگودھا کے مدرسے میں ایک سال، مکھڈ شریف (کیمبلپور) میں ایک سال تک تدریس کی، پھر واپس وطن آئے اور ''شاہ محمد'' ہزارہ میں سکونت اختیار کی۔ وہاں بھی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہزارہ کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال

۱۰رجب ۱۳۶۳ھ/جون ۱۹۴۴ء کو آپ کا ۶۳ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں اکلوتے بیٹے مودود الحق تھے۔ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔

---

(۱) مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، مطبوعہ دیوبند ۱۳۹۲ھ، ص:۱۶۰۔

(امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ج:۲، ص:۲۹۴، پر آپ کی فراغت دیوبند اور پھر دار العلوم دیوبند میں تدریس دونوں باتیں غلط لکھی ہیں)۔

مولانا قاضی عبداللہ فضلی پشاوری(۱)

۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء.........۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء

آپ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء کے قریب پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام محمد علی اور دادا کا نام سید علی تھا۔ دونوں اپنے علاقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ جائے ولادت ''سفید ڈھیری'' مقابل اسلامیہ کالج پشاور ہے۔

درس نظامی کی شروع سے آخر تک تمام کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھ کر ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء کے لگ بھگ فراغت حاصل کی۔ آپ علم فقہ اور علم ادب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔

تدریس

پھر پہلے اپنے والد صاحب کی معیت میں اور ان کے ریاست امب دربند کے قاضی القضاۃ ہو کر چلے آنے کے بعد مستقل طور پر ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کے قریب شیر گڑھ ہزارہ میں ریاست امب کی طرف سے قاضی مقرر ہوئے۔ شیر گڑھ کی جامع مسجد نواب محمد اکرم خاں والی ریاست سے بنوائی۔ علاقہ شیر گڑھ کی تمام مساجد میں ائمہ کا تقرر اور ان کی نگرانی کرتے رہے۔ شرعی حدود کی نگرانی اور نماز باجماعت

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند قاضی عبیداللہ فضلی حلیم ایم اے (اردو) استاذ گورنمنٹ کالج اوگی، ہزارہ سے لیا گیا۔

کے اہتمام کے لیے پوری ریاست میں محاسب مقرر کیے۔ ریاست کی انتظامی عدالتوں پر بھی دارالقضاء کو بالادستی حاصل تھی۔

شاعرانہ ذوق: آپ عربی، فارسی، اردو اور پشتو کے شاعر بھی تھے۔ ''فضلی'' تخلص کیا کرتے تھے۔

نمونہ کلام

قدم مولی بدرگاهت زدم من	که تکیه گاه من جز آں حرم نیست
دل پر درد خواہم روز و شب من	تو میدانی جز ایں غم در دلم نیست
من آں گم گشته راه جنونم	که هیچ از عقل وهوشم در سرم نیست
عجب سلطانی افتاده بدستم	که پروائے جنان و کوثرم نیست
دلم رخشنده شد از حسن جاناں	چه حاجت گر بخانه خاورم نیست
بکن زا لطاف خود پیمانه ام پُر	بغیر از تو شہا چوں ملجا ام نیست
تو اے فضلی عتاب از در گهش رو	که روتا بنده هرگز محترم نیست(۱)

وصال: آپ کا وصال ۱۳۶۵ھ/۳ مئی ۱۹۴۶ھ کو شیر گڑھ ہزارہ میں ہوا اور یہیں تدفین ہوئی۔

اولاد: اولاد میں آپ کے چار فرزند قاضی صبغت اللہ، قاضی عبدالرزاق، قاضی محمد حمید اور قاضی عبیداللہ فضلی حلیم ہیں۔

(۱) آپ کا کلام چاروں زبانوں میں آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔

مولانا قاضی مضیئ الدین پشاوری (۱)

۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء..................۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء

آپ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کو مولانا قاضی زین العابدین بن قاضی عبدالعظیم کے گھر ''رزڑ''، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے بعد ''صاحب حق'' کے نام سے شہرت پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا گل بابا سے حاصل کی (۲)، پھر ''صریخ'' علاقہ دوآبہ چارسدہ کے مشہور عالم دین مولانا حبیب اللہ بن مولانا مزمل سے پڑھتے رہے (۳)۔ تکمیل مولانا فضل قادر المعروف ''خفہ ملا'' صاحب ساکن ترنگ زئی چارسدہ پشاور سے کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد ۴۰ سال تک اپنے گاؤں میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے ہاں سو، ایک سو بیس کے قریب طلبہ رہا کرتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں باقاعدہ ''دارالعلوم عربیہ رزڑ'' کی بنیاد رکھی، جو آپ کے بعد

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا صبیح الدین فاضل دیوبند، مہتمم دارالعلوم عربیہ رزڑ سے لیا گیا۔

(۲) (امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ج:۲، ص:۱۹۰، پر یہ عبارت ہے کہ ''اپنے والد اور بھائی گل بابا صاحب سے تعلیم کی تکمیل کی''۔ گل بابا کا اصلی نام حسن الدین تھا اور وہ آپ کے چچا لگتے تھے، بھائی نہیں)۔

(۳) مولانا مزمل کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ قاضی مبارک (علم منطق کی کتاب) کی شرح انہوں نے لکھی، جو مطبوعہ ہے۔

بھی کامیابی سے چل رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں ''جمعیۃ علماء افغان'' کا آپ کو صدر منتخب کر دیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں شریعت بل منظور کروانے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تین مرتبہ آپ کو حج کی سعادت ملی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ احمد سنوسی اور مولانا عبدالفتاح (۱) بن مولانا محمد رضوان مکی نے آپ کو ''دلائل الخیرات'' کی اجازت سے نوازا۔

وصال

۸ شعبان ۱۳۶۵ھ/۹ جولائی ۱۹۴۶ء بروز پیر آپ کا وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں مولانا زکی الدین فاضل دیوبند (مرحوم)، مولانا صبیح الدین فاضل دیوبند اور پروفیسر احسان الدین ایم اے اُستاذ اسلامیہ کالج پشاور ہیں۔

تلامذہ

ممتاز تلامذہ میں مولانا سید گل بادشاہ طوروی مردانی، مولانا فضل صمدانی ساکن ''بابڑہ'' اور مولانا مسرت شاہ کاکاخیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء، ج:۲، ص:۱۹۱، پر ان کا نام عبدالمفتاح لکھا ہے، جو درست نہیں۔

مولانا عبدالجمیل طوروی (۱)

۱۸۵۹ء............۱۹۴۶ء

آپ ۱۸۵۹ء کے قریب مولانا حفیظ اللہ صاحب کے گھر ''طورو''، ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی۔ حفظ قرآن کے بعد علاقہ کے علماء سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا رخ کیا اور معروف اہل علم سے پڑھتے رہے۔ تحصیل علم کے سلسلے میں زیادہ وقت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے ہاں گزارا اور انہی سے تکمیل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ریاست جونا گڑھ، ویلور (مدراس) اور فتح پوری دہلی میں ایک عرصہ تک بطور صدر مدرس اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ فتح پوری کے عرصۂ تدریس میں علامہ انور شاہ کشمیری نے آپ سے امور عامہ کے چند اسباق پڑھے تھے (۲)۔

پھر وطن واپس آئے تو والیٔ سوات کی خواہش پر بطور مشیر اور استاذ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا سید امین الحق صاحب فاضل دیوبند صوبائی خطیب پنجاب سے لیا گیا۔

(۲) مولانا موصوف ہی کی روایت ہے کہ میں نے اپنے چچا مولانا عبدالجمیل صاحب سے اور پھر دوبارہ علامہ انور شاہ کشمیری سے خود سنا ہے۔

خدمات انجام دیں۔

زاں بعد واپس ''طورو'' آئے اور ایک عرصہ تک وہاں بھی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

وصال

۱۹۴۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان موضع ''خاؤ'' کے قریب دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں آپ کے تین فرزند مولوی لطف اللہ، مولوی عنایت اللہ اور حافظ امانت اللہ ہیں۔

مولانا قاضی عبدالسلام سلیم ہزاروی (۱)

۱۸۹۸ء.............................۱۹۴۶ء

آپ ۱۸۹۸ء کو ریاست ''امب'' دربند، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا قاضی محمد علی اور دادا کا نام سید علی تھا۔

تعلیم

درس نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی، پھر مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فراغت حاصل کی۔دہلی سے علوم شرقیہ کی سندات حاصل کیں۔

تدریس

فراغت کے بعد چند سال نمبر ا گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں اسلامیات کی تدریس کی، پھر استعفیٰ دے کر حجاز چلے گئے، وہاں چار پانچ سال کے قریب قیام رہا۔اس اثناء میں مدرسہ ''صولتیہ'' مکہ مکرمہ اور ''نظامیہ'' مدینہ منورہ میں ادب عربی کی تدریس کرتے رہے (۲)۔حجاز سے واپسی کے بعد ٹیچرز ٹریننگ سکول ریاست ''میسور'' میں ادب عربی کے استاذ مقرر ہوئے اور آخر وقت تک تدریس کرتے رہے۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد قاضی عبید اللہ حلیم ایم اے ساکن شیر گڑھ اوگی ہزارہ سے لیا گیا، جو صاحب ترجمہ کے بھتیجے ہیں۔

(۲) الجذبۃ الشوقیۃ، ص:۱۔

وصال: وہیں ۱۹۴۶ء کے لگ بھگ آپ کا انتقال ہوا۔

اولاد

اولاد میں ایک فرزند مولانا حافظ قاری حکیم عبدالرحمٰن ہی کا علم ہوسکا ہے۔

شعری ذوق

آپ عربی، فارسی، اردو اور پشتو چاروں زبانوں میں شعری ذوق رکھتے تھے۔آپ کے کلام کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱......روض الأزهار: مطبوعہ لکشمی پریس راولپنڈی، تاریخ طباعت ندارد۔ یہ ان قصیدوں کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد کی شان میں کہے تھے۔زبان عربی اور فارسی ہے۔

۲...... نالۂ درد: یہ چار مرثیوں کا مجموعہ ہے، جو چار زبانوں عربی، فارسی، اردو اور پشتو میں ہے۔فضل لطیف رئیس بدرگہ مالاکنڈ ایجنسی کے ایماء پر قاضی عرفان الدین ساکن بٹ خیلہ سوات کی شہادت پر لکھے گئے تھے۔مشہور عالم پریس دہلی سے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء کو شائع ہوئے۔

۲...... الجذبة الشوقية إلى الحضرة النبوية:

روضۂ نبوی پر ۱۱۷، اشعار کا جو نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا، یہ ان کا مجموعہ ہے۔ سرورق مدینہ منورہ میں اور قصیدہ مولانا محمد عرفان ہزاروی کے اہتمام سے مطبع خلافت بمبئی نمبر ۹ سے شائع ہوا۔

مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی (۱) صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر

۱۹۰۰ء............۱۹۴۷ء

آپ ۱۹۰۰ء کو ''دوبندی'' (۲) نزد خانپور ہری پور ہزارہ میں جناب برہان الدین صاحب (۳) کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر کیمبلپور، زاں بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تین سال تک پڑھتے رہے۔اعلیٰ تعلیم کے لیے امرتسر چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) سے بھی چند کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دو سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کی اور تیسرے سال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی حافظ عبیدالرحمٰن خطیب جامع ایم اے او کالج لاہور سے لیا گیا۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، بار اول، ج:۲،ص:۳۴۷۔گاؤں کا نام ''دربندی'' لکھا ہے جو غلط ہے۔

(۳) ایضاً، میں آپ کے والد کے نام کے ساتھ ''مولانا'' لکھا ہے۔آپ کے والد عالم نہیں تھے، اس لیے یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس نام کے ایک اور عالم ضرور ہوگزرے ہیں، مگر وہ مولوی عبدالقیوم فاضل دیوبند کے والد اور ''غازی'' کے رہنے والے تھے۔وہ ۱۳۱۲ھ کے فاضل دیوبند تھے۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مدرسہ ''نصرۃ الحق'' امرتسر میں تین سال تدریس کی، پھر مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں صدر مدرس کی حیثیت سے ۲۵ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال: تقسیم ملک سے کوئی دو ماہ پہلے امرتسر سے بیمار ہو کر اپنے گاؤں ''دوبندی'' چلے آئے اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو فجر کی اذان کے وقت آپ کا وصال ہوا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ کے فرزند مولوی حافظ عبیدالرحمٰن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور ''دوبندی'' کے ذاتی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

صوفیانہ مسلک: بیعت کا تعلق مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا۔ ایک کتاب بھی ان کے دفاع میں لکھی۔

اولاد: اولاد نرینہ میں مولوی حافظ عبیدالرحمٰن، مولوی حافظ حبیب الرحمٰن اور حافظ الطاف الرحمٰن ہیں۔

ممتاز تلامذہ

۱......مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی خلف مولانا نوراحمد پسرور امرتسری۔

۲......حضرت مولانا عبداللہ صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف ضلع میانوالی۔

۳......استاذ القرّاء جناب قاری کریم بخش صاحب امرتسری۔

۴......استاذ القرّاء جناب حافظ قاری فضل کریم صاحب، بانی مدرسہ

تجوید القرآن، موتی بازار لاہور۔

۵......مولانا سید عطاء المنعم بن حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری۔

۶......مولانا فخر الدین بن مولانا نصیرالدین غورغشتوی۔

۷......مولانا محمد عثمان، مہتمم مدرسہ عثمانیہ شمس آباد (کیمبلپور)۔

۸......استاذ القراء جناب قاری محمد اسماعیل صاحب، لاہور۔

۹......جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور۔

۱۰......اُستاذ القراء قاری محمد شریف بانی دارالقراء ماڈل ٹاؤن لاہور۔

تصانیف: تصانیف میں الطلاق الدفعي في الطلاق الرجعي، أحكام الأحبار بأحكام الأخيار اور رفع الملا م عن شيخ الإسلام، تین کتابیں مطبوعہ چھوڑیں۔

آپ کے بارے میں مولانا بہاء الحق قاسمی لکھتے ہیں کہ

''مولانا مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مرحوم ومغفور''

''حضرت مفتی عبدالرحمٰن مرحوم ومغفور نمونۂ سلف بزرگ تھے۔ آپ نے حضرت مفتی غلام مصطفیٰ صاحب سے اصول وفنون کی کتابیں پڑھیں تھیں۔ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں اپنے وطن ہزارہ میں جا کر فوت ہوئے۔ آپ مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں مدرس تھے''(۱)۔

---

(۱) مولانا بہاء الحق قاسمی: تذکرۂ اسلاف، لاہور ۱۹۶۲ء، ص: ۱۶۰۔ (اپنے والد کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے)۔

مولانا احمد جان بفوی ہزاروی (۱)

۱۸۸۷ء............۱۹۴۷ء

آپ ۱۸۸۷ء کو ''بفہ'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔آپ مولانا گل حسن بفوی کے چھوٹے بھائی ہیں۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر حضرت مولانا غلام رسول صاحب کے ساتھ دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ پانچ سات سال کے عرصے میں وہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور بفہ سے دو میل کے فاصلے پر مغربی جانب ایک گاؤں ''نوکوٹ'' میں امامت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ سات سال تک جاری رکھا، پھر ''گلبرگہ'' حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں

(۱) آپ کے بھتیجے جناب مولانا محمد اسحاق صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر بیورو آف کریکلولیم سے مواد لیا گیا، جو پھر شیخ الہند کے چند تلامذہ کے عنوان سے میرے قلم سے ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور، رمضان ۱۳۹۳ھ کے صفحہ ۲۷، ۲۸ پر شائع ہوا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص:۲، قلمی۔

اسلامیات کے ناظم مدارس مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۶ء تک زندہ تھے، اس کے بعد لاپتہ ہیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''۸......احمد جاں مولوی............ دیوبند کے مدرسہ کے معلّم مولوی غلام رسول کا بھتیجا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب مولانا محمود حسن نے عزیر گل کو جہاد کی تیاری کا پتہ چلانے کے لئے آزاد علاقے کو بھیجا تو یہ ان کے ہمراہ گیا تھا.....''(۱)۔

(۱) مولانا سید محمد میاں: تحریک شیخ الہند، انگریزی سرکار کی زبان میں ''ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا'' (انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ) لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، ص:۳۹۰۔

مولانا حبیب اللہ زروبی مردانی (۱)

۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء............۱۳۹۸ھ/۱۹۴۹ء

آپ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء کو ''زروبی''، تحصیل صوابی، مردان میں مولانا امان اللہ بن ملا میر بن مولانا عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر مولانا محمد صدیق فاضلِ دیوبند ساکن ڈاگئی سے تعلیم حاصل کر کے تکمیل کی۔

تدریس

سات سال کی تدریس کے بعد دوبارہ ''زروبی'' سے ڈاگئی اور پھر مولانا عبدالحکیم صاحب ساکن صوابی مردان سے صحاح ستہ کی تکمیل کر کے ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء کو سند الفراغ حاصل کی۔ آپ نے مدرسہ مکھڈ کیمبلپور، دارالعلوم مطلع العلوم اور دارالعلوم اسلامیہ ہوتی مردان میں بطور صدر مدرس ۱۴ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے گاؤں میں مسلسل ۲۲ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال

۳ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ/۳ جون ۱۹۴۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا مفتی محمد فرید دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور سے وہاں جا کر حاصل کیا۔

اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند مولوی محمد زاہد اور مولوی مفتی محمد فرید ہیں۔

تصنیفی خدمات

''خیالی''، ''میر زاہد'' اور ''اصول الشاشی'' کی شرحیں لکھی ہیں جو آپ کی اولاد کے پاس قلمی موجود ہیں۔

ممتاز تلامذہ

۱......مولانا عبدالہادی، شیخ التفسیر صوابی، مردان۔

۲......مولانا عبدالرحمٰن، شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی۔

۳......مولانا حمداللہ شیخ الحدیث، دارالعلوم ڈاگئی، مردان۔

۴......مولانا عبدالحلیم، استاذ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور۔

۵......مولانا مفتی محمد فرید، مفتی دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور۔

۶......مولانا فضل الٰہی، استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ، اکوڑہ۔

۷......مولانا شمس الہادی، صدر مدرس دارالعلوم تورڈھیر، مردان۔

مولانا نقیب احمد اوچوی (۱)

۱۸۹۸ء..........۱۹۴۹ء

آپ ۱۸۹۸ء کو ''اوچ''، ضلع دیر میں صاحبزادہ شریف احمد بن خواجہ احمد بن مرید احمد کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو ''صاحبزادگان اوچ'' کے نام سے اپنے علاقے میں مشہور ہیں۔ قومیت کے لحاظ سے آپ ''صدیقی'' ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقے کے دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء کو امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ محمد رسول خاں ہزاروی، مولانا میاں اصغر حسین اور مولانا اعزاز علی صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء کو علامہ محمد اشرف علی تھانوی کے ہاں تھانہ بھون حاضری دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے (۲)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے ریاض احمد صاحب کراکری سٹور بازار تخت بھائی (مردان) سے لیا گیا۔

(۲) حضرت تھانوی کے ساتھ آپ کی خط و کتابت کا ایک رجسٹر محفوظ ہے۔

حضرت تھانوی نے آپ کو اپنے مدرسہ ''امدادالعلوم'' میں برائے تدریس رکھ لیا۔ تین چار سال تک آپ نے مختلف علوم وفنون کی کتب کے علاوہ کتب حدیث کا درس دیا۔

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء کو حضرت تھانوی کی اجازت سے وطن واپس آئے اور پھر اپنے وطن میں آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت عطا فرمائی۔

وصال: اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ''اوچ'' میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اولاد: اولاد میں آپ کے صرف ایک فرزند مختار احمد تھے جو دارالعلوم دیوبند میں آخری کتابیں پڑھ رہے تھے، اس دوران ٹی بی کا شکار ہو کر آپ سے کچھ پہلے انتقال کیا۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبدالودود صاحب قریشی بانی جامعہ اشرفیہ پشاور، مولانا شمس الحق فرید پوری، مولانا عزیز الحق صاحب دیوبندی، مولانا گل محمد سواتی اور مولانا فضل معبود صاحب فاضل جامعہ ازہر (مصر) قائم مقام صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی شامل ہیں۔

شاعری

آپ عربی اور پشتو کے قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ ''خمسہ اشعار'' کا انداز

یوں ہے:

كفى تجريد مرء للتحلي   وذا نور فيهدى للتجلي
أعاب على التفرد والتولي   ألام على التجنب والتخلي
فقلت لهم ألا هذا شعاري
رأيت الناس زيدا ثم عمرا   سهرت العمر سهرا ثم سهرا
وطيت الأرض وعرا ثم وعرا   لقد طوفت في الآفاق دهرا
وجبت القفر والبيد الصحارى
سئمت من البقاع ومن لديها   عجمت لها فما أرنو إليها
ودنيا قمصتني حلتيها   وجربت البلاد ومن عليها
وميزت الصغار من الكبار
رأيت بليغهم وكذا فصيحا   عرفت حسينهم وكذا قبيحا
ولم أر قط من غمي فتوحا   فإني لم أجد أحدا نصوحا
يقيني من وقوعي في عوارى
فلايستب حين عزبت عنه   وليس يمن بي إن طبت عنه
ولايغتا مني إن خبت عنه   ولايغتابني إن غبت عنه
ولايؤذي إذا هو في جوار
احبتنا أحباء العطايا   وما فيهم خليل ذو السجايا

حسبتهم صديقي في الهدايا   رأيتهم عدوي في المنايا
واحبا بي إذا انا ذو مهار
وجدت الخير في قطع وصرم   فما في الناس من أرباب سلم
ومالي مونس من أهل حلم   ولكن الكتاب كتاب علم
سميري في الليالي والنهاري
يعاهدني إذا عصفت سمومي   ويطربني إذا اشتدت غمومي
وياسوني إذا نقرت كلومي   يواسيني إذا هجمت همومي
ويونسني إذا أنا في الدمار
حبيبي مخلصى خلي حميمي   رفيقي صاحبي أبدا زعيمي
فيكلوني إذا كلت نجومي   يواسيي إذا هجمت همومي
ويونسني إذا أنا في الدمار
ينادني إذا أنا في البرايا   يعاونني إذا أنا في المنايا
دليلي في الوساوس والعمايا   خليلي فيالهواجس والرزايا
أنيسي مونسى حامي الذمار
فليس نظيره خل لعمري   سعود شقاوتي وشفاء صدري
وكاشف ظلمتي ودواء عسري   طريفي تالدي وولي أمري
أحب ذخائري وكذا ضماري

يعد حسرة الحرمان عني — يصرف ريبة الأزمان عني
يفرج شدة الأشجان عن٢ي — يدافع عسكر الأحزان عني
ويهديني إذا أنا في السمار

ينشطني إذا ما ضقت صدرا — ويسعدني إذا مارمت أمرا
به نوري إذا ماشئت بد را — به سكري إذا ما شئت خمرا
ومنه إفاقتي وبه خمار

ولومي أيها اللوام رمتم — فيا عجبا بذلك كيف دمتم
عذلتم هائما وبذاك قمتم — فهلا أيها اللوام لمتم
خلي القلب من قطف الثمار

ولي حين التخلي من رشاد — سكون القلب بعد من فساد
وأثمار بعيدة من نفاد — ثمار فنون علم باجتهاد
وتقريب لما يدريه دار

فتعظيمي من الغارات عندي — وتكريمي من العطبات عندي
وتجريدي من القربات عندي — خمولي أطيب الحالات عندي
وإعزازي(١) لديهم فيه عاري (٢)

(۱) مولانا اعزاز علی استاذ دارالعلوم دیوبند مراد ہیں۔

(۲) ماہنامہ ''القاسم'' دیوبند ۱۳۴۴ھ۔

ایک نعتیہ قصیدہ کے اشعار درج ذیل ہیں:

حمدا كثيرا لرب الناس لم يزل — ذي الجود والمجد خلاق بلامثل
هو القديم الذي عمت فواضله — وقد تبرء من نقص ومن خلل
فبعد حمد إله الخلق مقتدر — أتى بذكر نبي خاتم الرسل
بدر الدجى كشف الأظلام نيره — لله أخلاقه أحلى من العسل
في الشرق والغرب امتدت شريعته — حتى تضوع في سهل وفي جبل
سعى وشمر حتى دان كلهم — بوعظه وقتا العسالة الذبل
خير المواعظ وعظ البيض والأسل — وأفضل الذكر ذا الحرب والجدل
فلاتذكر لقاسي القلب ذي دجل — ألابسيفك صمصام لدى الجلل
يارب صل صلاة غير نافدة — على النبي وكل الآل كالرمل
كذا الصلاة على الأصحاب قاطبة — لاسيما أربع منهم ذوي الوصل
من حسن نيتهم أمضت عزائمهم — وكلهم فاز حقا غاية الأمل
ياسيد الرسل ذا عز وذا شرف — أنظر إلي بلطف غير منفصل
واشفع لعبدك عاص مذنب دنف — من كثرة الذنب والأثام في خجل
نعوذ بالله من أشرار أنفسنا — نعوذ بالله من علم بلاعمل (١)

ایک اور نعتیہ قصیدہ قابل مطالعہ ہے:

(۱) یوم الخمیس من ربیع الأول ۱۳۴۴ھ کو یہ قصیدہ لکھا۔

لاتلوموني على حب اللمي   أيها اللوام من أهل التهم
أيها المغرور في لذاته   لاتلم فاللوم ضرب من لمم
ياخلي القلب عن نار الهوى   نم هنيئا إن عيني لم تنم
حر قلبي زاد من هجران من   قلبه قد صار مني في شيم
لاقني يوما حبيبي مسرعا   قائلا ياللنقيب المحتشم
قلت ياروحي لقد أهلكتني   قال لاتحزن بذا جف القلم
مالهذا العين تبكي دائما   مالهذا الدمع يجري كالديم
يالطيف الخلق قتال الهوى   ياشريف الخلق ذا البدر الأتم
يابديع الحسن ذا الوجه الحسن   يانظير الشمس قلبي يضطرم
مالمن يهواك سلوة ساعة   لازمان البعد لاوقت الأمم
إن دنا يبكي مخافة بعده   إن نأى فالنأي قطاع النسم
فاح سرى فوح مسك باديا   من جموع جاريات والسقم
كيف يخفى ما بدت آثاره   من هزاك أو شبوب أو هرم
ليس لي إخفاء ماتحت الحشا   فاعتذرني يالذيذ المبتسم
صرت ملقى في المهالك والنوى   مر عمري في الكبائر واللمم
فابلغن مني أياريح الصبا   إن تسر يوما إلى أرض الحرم
تحفة ذات الفوائح والشمم   في جناب ذي النباهة والشيم

النبي الهاشمي المحترم   ذي العناية والفخامة والكرم
قل له من بعد ذلك خاضعا   أيها الفخر الأعارب والعجم
يرتجى منك النقيب لنظرة   لفتة تكفيه يابحر الكرم
كن شفيعا حين لامأوى له   يارسول الله يا كهف الأمم
يارفيع القدر ياخير الورى   ياأمين الله حفاظ الذمم
ياإمام المرسلين وخيرهم   أنت مولى الخلق أنت المحترم
أنت شمس أنت بدر في الورى   أنت نور الله محاء الظلم
رحمة للخلق مهداة لهم   قبلة من ترب أرضك تغتنم
أنت ظلي يوم لا ظل لهم   أنت ساق أنت هاد في العمم

”انشودة النقيب في ذكر ديار الحبيب“ کے اشعار درج ذیل ہیں:

لقد شاقني الركب الحجازي غدوة   فقلبي لهذا الشوق لازال يطرب
أروح وأغد وا ذا حنين وحسرة   إذا شمت ركبا غاديا وهو يذهب
فطوبى لزوار المدينة كلهم   وأَنا بعاد كل بعد وخيب
أيا خير خلق ليس من توسل   فكيف إلى خدام بابك أقرب
وإن غبت عنكم لاأبالي فإنه   سواء لديكم شاهدون وغيب
فذكرك لِلعُشَّاق أولى وأطيب   وذكرك للمشتاق أحلى وأعذب
هداك هدى خير وحق ورحمة   ومن يدعي من غير هديك يكذب

وأنت شفيع الناس هاد لجمعهم	وهديا وسمتا أنت أعلى وأنجب
يـريـد ويرجو قطرة من بحاركم	نـقيـب حزين هائم وهو مذنب
عـليـه صـلاة الله تـوفى بقدره	وصـحبتـه والآل مـادام يكتب

تصنیفی خدمات: اسی طرح مولانا گل قریشی، علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (۱)، مولانا اعزاز علی صاحب، حکیم حافظ محمد اجمل خان پر آپ کے قصائد محفوظ ہیں۔

ان قصائد و مراثی کے علاوہ جن کتابوں پر آپ کے مفید حواشی ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱......گلستان سعدی: مطبوعہ حاشیہ فارسی و پشتو (پشتو شعر میں شیخ سعدی کا مفہوم ادا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں)۔۲...... بوستان سعدی۔۳......انشائے دلکشا ۴......زلیخا۔۵......سکندر نامہ۔۶......شمہ (علم نحو کے مفید رسالہ پر حواشی)۔

جن کتابوں پر آپ نے حواشی لکھے ہیں ان کی کل تعداد ۱۴ ہے (۲) اور یہ تمام شروح و حواشی ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء کے زمانے میں لکھے ہیں اور اسی عرصہ میں شائع ہوئے (۳)۔

(۱) مولانا ریحان گل قریشی کا مرثیہ ۱۸، اشعار پر مشتمل ہے، اور ''گلستان'' کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ باقی تین حضرات پر جو قصائد آپ نے لکھے ہیں، وہ آپ کے ''مجموعہ کلام'' میں محفوظ ہیں۔ یہ مختصر سا مجموعہ ''حسامی'' کتاب کے ہمراہ چند صفحات میں مجلد ہے۔

(۲) روایت ریاض احمد صاحب۔

(۳) روایت ریاض احمد صاحب (مولانا نقیب احمد صاحب کے بھتیجے ہیں)۔

مولانا محمد ابراہیم بازارگئی، بنیر، سوات (۱)

۱۹۲۰ء............۱۹۵۱ء

آپ ''بازارگئی'' بنیر سوات میں مولانا قاضی عبدالمجید صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد اور دیگر علماء سے کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ فتح پوری دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۱ء میں دورۂ حدیث کے امتحان میں اول آئے۔

تدریس

فراغت کے بعد مولانا عبداللہ قندھاری کی خدمت میں اجمیر پہنچے اور ان سے منطق و فلسفہ و ریاضی کی چند بلند پایہ کتب پڑھیں، پھر مدرسہ صوفیہ حنفیہ میں مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی مسجد گھنٹہ گھر اجمیر میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۴ء میں والیٔ سوات کے ارشاد پر دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف سوات میں تدریس پر مامور ہوئے، پھر والیٔ سوات نے انہیں بطور اتالیق اپنے ہاں بلا لیا۔ اس دوران میں میاں گل عبدالودود اور ان کے فرزند شہزادہ سلطان روم کے اتالیق رہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے والد صاحب سے لیا گیا اور راقم کے قلم سے ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک محرم ۱۳۹۶ھ، ص: ۴۸، ۴۹ پر شائع ہوا۔

وصال

۱۱شعبان ۱۳۷۰ھ بروز جمعرات ۱۹۵۱/ء کوٹی بی سے آپ کا انتقال ہوا اوراپنے آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

تصانیف

۱......خیر الکلام فی شہر صیام (اردو) رمضان شریف کے بارے میں آپ کی یہ کتاب قیام اجمیر کے دوران شائع ہوئی۔

۲......کتاب الصرف

۳......اشکال ریاضی

۴......خطبۂ جمعہ

۵......فتاوی ودودیہ، جلداول ودوم

۶......قصیدہ مدحیہ (عربی، والئ سوات کی مدح میں)

یہ سب مطبوعہ ہیں (۱)۔

آپ عربی، اردو، فارسی اور پشتو کے شاعر بھی تھے (۲)۔

(۱) نمبر۱اورنمبر۶ کے علاوہ باقی کتب پشاور ہی سے طبع ہوکر شائع ہوئیں۔

(۲) ایک ''مناجاۃ'' فتاوی ودودیہ کے صفحہ اول پر بھی شائع ہوئی ہے۔

مولانا محمد حسین پسوالی ہزاروی (۱)

۱۸۷۱ء............۱۹۵۱ء

آپ ۱۸۷۱ء کو جناب سید احمد صاحب کے گھر ''پسوال'' ڈاک خانہ سرائے نعمت خاں، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر مدرسہ غزنویہ امرتسر میں حضرت مولانا محمد معصوم ہزاروی سے علم معقول، معانی اور فقہ کی کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم دیوبند میں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے۔ تکمیل مدرسہ سلفیہ امرتسر میں مولانا عبدالجبار غزنوی سے کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اسی مدرسہ (۳) میں تدریس پر مامور ہوئے اور پچاس سال کے قریب اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس اثناء میں علم نحو، معانی اور کتب حدیث زیر درس رہیں۔

شادی: آپ کی علمی قابلیت اور حسنِ عمل سے متاثر ہوکر مولانا عبدالجبّار صاحب غزنوی نے اپنی دختر جو (مولانا داؤد غزنوی کی حقیقی بہن تھیں) کا آپ سے نکاح

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا محبّ الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند استاذ احمد المدارس سکندر پور ہری پور ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) مولانا امام خان نوشہروی: اہل حدیث کی علمی خدمات، الاہور، ثنائی پریس، باراول ۱۳۹۱ھ، ص:۲۱ وص:۱۷۲۔

(۳) ایضاً، ص:۱۷۲ (اساتذہ میں)۔

کر دیا۔

واپسی: ۱۹۴۷ء کو تقسیم ملک کی وجہ سے وطن واپس آنا ہوا۔ آپ کا قیمتی کتب خانہ جو امرتسر میں رہ گیا تھا، اس کا صدمہ آخر تک رہا۔

وصال

۱۹۵۱ء میں اپنے وطن میں آپ کا وصال ہوا، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند حافظ عبدالولی اور حافظ عبدالقدوس صاحبان اور ایک دختر جو آپ کے بھتیجے مولانا محبّ الرحمٰن فاضل دیوبند کے عقد میں ہیں۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق مولانا محمد اشرف علی تھانوی سے تھا۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں پاک و ہند میں موجود ہیں۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''جن حضرات نے دارالعلوم تقویۃ الاسلام سے فارغ ہونے کے بعد تدریس یا تبلیغ کا کام اپنی زندگی میں جاری رکھا......ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں: مولانا محمد حسین ہزاروی (سابق مدرس دارالعلوم) (۱)۔

(۱) ابوبکر غزنوی سید، مولانا: حضرت مولانا داؤد غزنوی، لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء، بار اول، ص: ۴۶۱۔

مولانا عبدالودود مردانی

۱۸۷۰ء............۱۹۵۲ء

ولادت

آپ ۱۸۷۰ء (۱) کے قریب ''دوبیان''، تحصیل صوابی ضلع مردان میں مولانا عبدالرحمٰن کے گھر پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ والد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے لڑکے نہ تھے (۲)۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، پھر شہباز گڑھ ضلع مردان میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے مدرسہ ''اشاعۃ العلوم'' بانس بریلی میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں اس مدرسے سے سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذۂ حدیث میں مولانا محمود حسن، مولانا محمد یٰسین اور مولانا عبدالعزیز خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دستار بندی کے موقع پر آپ کو ۵۰۰ سو روپے انعام ملے۔ آپ نے اس رقم سے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

(۱) پروفیسر احمد سعید نے بزم اشرف کے چراغ، لاہور مئی ۱۹۷۵ء، ص: ۱۶۲ پر آپ کی تاریخ ولادت بغیر تحقیق ۱۸۹۰ء لکھی ہے۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے، جب کہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں مدرسہ ''اشاعۃ العلوم''، بریلی سے سند الفراغ بھی حاصل کر چکے تھے۔

(۲) اسی طرح ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں کہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے، آپ کے دوسرے بھائی کا نام عبدالجلیل تھا۔

تدریس

حج سے واپسی کے بعد دو سال تک مدرسہ ''اشاعۃ العلوم'' میں تدریس کرتے رہے۔ پھر اجمیر شریف کے مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ جب واپس وطن آئے، تو آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دوسرا حج ۱۹۵۱ء میں کیا۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا۔ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر تکمیل سلوک کرتے رہے۔ بالآخر خلافت سے سرفراز کئے گئے(۱)۔

وصال

۵،اپریل ۱۹۵۲ء بروز پیر صبح سویرے آپ کا وصال ہوا اور ''دوبیان'' میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں آپ کے تین فرزند مولوی عبدالمقصود، مولوی عبدالمسجود اور مولوی عبدالسلام ہیں(۲)۔

---

(۱) عزیز الرحمٰن مفتی: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی ۱۹۶۴ء، ص:۳۲۶، نمبر ۱۵ پر آپ کا نام آیا ہے، بحوالہ ''اشرف السوانح'' ج:۲، ص:۱۳۵ تا ۱۳۸۔

(۲) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی عبدالمسجود سے لیا گیا۔

مولانا غلام یحییٰ ہزاروی

۱۸۷۳ء............۱۹۵۳ء

آپ ۱۸۷۳ء کو ''مورکلاں''، تحصیل ایبٹ آباد، ضلع ہزارہ میں مولانا عبدالرحمٰن ''اخون زادہ'' کے گھر پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب قطب شاہی توسط سے محمد بن حنفیہ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ سرکاری کاغذات میں ''قطب شاہی اعوان'' کا اندراج موجود ہے(۱)۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر دو سال تک علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں رامپور میں پہنچے، وہاں مولانا فضل حق رامپوری سے پڑھتے رہے۔ بعد میں اپنے استاذ کے ساتھ بھوپال چلے گئے۔ وہاں قاضیٔ شہر مولانا عبدالحق محشّی قاضی مبارک سے بھی پڑھتے رہے۔ پھر خیرآباد میں مولانا عبدالعزیز انبیٹھوی سے منطق کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ زاں بعد ریاست ٹونک پہنچے۔ وہاں مولانا حکیم برکات احمد، حضرت مولانا سیف الرحمٰن پشاوری اور مولانا محمد پردل خاں قندہاری سے مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ بھوپال سے بہٹنہ اور بہٹنہ سے امروھہ سے ہوتے ہوئے مدرسہ عبدالرب دہلی میں

---

(۱) مولانا محمد اسماعیل ذبیح: استاذ العلماء حضرت علامہ غلام یحییٰ کے سبق آموز حالات زندگی، روزنامہ ''سیاست'' کانپور ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۲۔

حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی سے علم ادب اور علم حدیث کی تکمیل کی۔

اعلیٰ تعلیم

دوبارہ دورۂ حدیث مولانا احمد حسن امروہی سے پڑھ کر ۲۷ سال کی عمر میں سندالفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد دارالعلوم کانپور میں بطور صدر مدرس ڈیڑھ سال، مدرسہ فیض عام میں چند سال، جامع العلوم پٹکا پور میں ۸ سال، مدرسہ الٰہیات میں کئی سال، مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں چار سال اور پھر مدرسہ الٰہیات میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ نصف صدی تک علم وحکمت کے موتی بکھیرنے کے بعد ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء بعد نماز مغرب سوا سات بجے شام کانپور میں انتقال کر گئے۔ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء کو ''محمد علی پارک'' چمن گنج میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور سپرد خاک کر دئے گئے (۱)۔

خبر انتقال

آپ کی خبر انتقال جلی عنوان سے ان الفاظ میں شائع ہوئی:

''علم وفضل کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ حضرت مولانا غلام

(۱) مولانا محمد اسماعیل ذبیح: استاذ العلماء حضرت علامہ غلام یحیٰ کے سبق آموز حالات زندگی کے بالاقساط مضمون سے مواد حاصل کیا گیا ہے۔

یحییٰ کا انتقال پرملال نماز جنازہ آج ٹھیک دو بجے دن کو محمد علی پارک میں پڑھائی جائے گی۔ تین بجے دن کو عیدگاہ میں سپرد خاک کر دیئے جائیں گئے۔ ہندوستانی مسلمان ایک عظیم اسلامی شخصیت سے محروم ہو گئے۔

کانپور

۱۳ فروری آج بعد نماز مغرب سوا سات بجے شام مولانا غلام یحییٰ کا انتقال ہو گیا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون.

حضرت مولانا غلام یحییٰ کی علالت نے گذشتہ ایک ہفتے سے نازک شکل اختیار کر لی تھی اور کمزوری نے زندگی کی ہر امید ختم کر دی تھی۔ حضرت مولانا مرحوم کی علالت کی اطلاع پا کر آپ کے بڑے بیٹے محمد اسماعیل ذبیح پاکستان سے یکم فروری کو آئے تھے، مگر آپ کے دوسرے بیٹے محمد اسحٰق علمی ایڈیٹر ''سیاست'' کانپور جو تحریک ناموس رسول کے سلسلہ نظر بند ہیں، انتقال کے وقت اپنے والد ماجد کے آخری دیدار سے محروم اور بدستور نظر بند رہے۔

حضرت مولانا مرحوم ہندوستان میں علم وفضل کا چراغ تھے اور آپ کے شاگردوں کا سلسلہ ہندوستان میں ہی نہیں، بلکہ پاکستان اور افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ خصوصیت سے آپ کو تفسیر قرآن پاک کے جدید اسلوب پر جو قدرت حاصل تھی، اس کے فیض نے بہت سے دماغوں کو منور کیا۔ فلسفہ کلام، فقہ، معانی، اور دیگر علوم عربی و دینی میں حضرت مولانا مرحوم یادگار علماء میں سے

تھے۔آپ کے وصال نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک عظیم شخصیت سے محروم کردیا ہے اور آپ کی جگہ کا پر ہونا مشکل ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین کا پروگرام

آج سینچر ۱۴ فروری کو حضرت مولانا غلام یحییٰ مرحوم کا جسد خاکی مکان ملحق دفتر ''سیاست جدید'' چمن گنج سے دو بجے کے قریب اٹھ کر محمد علی پارک چمن گنج جائے گا، وہاں نماز جنازہ ہوگی۔اس کے بعد نماز جنازہ عیدگاہ جائے گا، جہاں تدفین عمل میں لائی جائے گی۔

ایصال ثواب

حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی مورخہ ۱۵ فروری یوم اتوار صبح سات بجے مسجد شفیع آباد چمن گنج میں ہوگی اور ختم شریف ساڑھے نو بجے ہوگا۔

حضرت مولانا کے مستوسلین سے التماس ہے کہ وہ ہر شہر میں ختم قرآن اور ایصال ثواب کا انتظام فرمائیں۔مرحوم کی عظیم روح کو ہم یہی نذرانہ پیش کر سکتے ہیں''(۱)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''کانپور کے مسلمان عام ہڑتال کر کے مولانا غلام یحییٰ صاحب کی

(۱) روزنامہ ''سیاست جدید'' کانپور، ص:۱، ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء۔

وفات کا غم منائیں۔مولانا اسحاق علی صاحب کے والد ماجد مولانا غلام یحییٰ صاحب کی وفات کے پیش نظر میں کانپور کے تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آج اپنا کاروبار بند رکھیں اور مولانا موصوف کے جلوس جنازہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوکر اپنے غم کا اظہار کریں''(۱)۔

یہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ

''دفتر روزنامہ سیاست جدید میں تعطیل''

''مولانا اسحاق علمی کے والد بزرگوار مولانا یحییٰ صاحب کی وفات کے غم میں آج دفتر روزنامہ ''سیاست جدید'' بند رہے گا، اس لئے قارئین و بیرونجات کے ایجنٹ حضرات کل ۱۵ فروری کو سیاست جدید کا انتظار نہ فرمائیں''(۲)۔

چند تعزیتی قرار دادیں

مہرسٹی اسکول میں مولانا کی تعزیت

''کانپور ۱۴ فروری۔آج مولانا غلام یحییٰ صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر ملتے ہی اسکول بند کر دیا گیا۔مولانا مدارس اسلامیہ کے سچے ہمدرد تھے۔ نیز اس مدرسے کی ترقی کے لئے مولانا نے اکثر سیکریٹری صاحب اسکول کو بیش

(۱) روزنامہ ''سیاست'' ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۱، حکیم سید آل حسن رضوی۔

(۲) ایضاً (مینیجر)۔

قیمت مشورے دیئے تھے۔طلبہ نے مولانا کے جنازے میں بھی شرکت کی تھی۔ہم سب طلبہ اس سانحے پر مولانا موصوف کے چھوٹے صاحبزادے یوسف میاں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔خدا انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین'' (۱)۔

مسلم کلب میں تعزیتی جلسہ

مؤرخہ ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء بروز پیر بوقت ساڑھے تین بجے دن مسلم کلب ٹپکا پور میں ''انجمن ترقی اسلام'' کی طرف سے ایک تعزیتی جلسہ حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب کے لئے منعقد ہونا طے پایا ہے۔جلسہ کے بعد مولانا مرحوم کے لیے قرآن خوانی کا بھی پروگرام ہے، لہذا جملہ مسلمانان محلّہ سے پرزور گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت فرما کر جلسہ کو کامیاب بنائیں اور مولانا مرحوم کے لئے ایصال ثواب کریں'' (۲)۔

''مولانا غلام یحییٰ کا انتقال ایک خلا ہے جو پر نہیں ہوسکتا''

مولانا اسحاق علمی صاحب کے پدر بزرگوار کے انتقال کی خبر سن کر اراکین سیرت کمیٹی علی گڑھ کو بے حد صدمہ ہوا۔مولانائے محترم کی ذات مسلمانان ہند کے لئے ایک غیر مترقبہ نعمت تھی۔ایسے مادیت کے زمانے میں ایک بے بدل عالم دین کا اٹھ جانا حقیقت میں مسلمانان ہند کے لئے ایک بڑی

(۱) روزنامہ ''سیاست جدید'' ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۲، سید محمد علی برائے طلبہ۔

(۲) ایضاً من جانب عمید احمد صائب لکھنوی سیکرٹری انجمن ترقی اسلام کان پور۔

آزمائش ہے۔حضرت مولانا کے انتقال سے مذہبی صف میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ پر نہیں ہوسکتا۔اس حادثہ جانکاہ میں سیرت کمیٹی علی گڑھ کے اراکین آپ کے غم میں پورے پورے شریک ہیں۔جناب رفیع الدین صاحب صدر اور اراکین سیرت کمیٹی علی گڑھ کی جانب سے پسماندگان کے ساتھ گہری ہمدردی ظاہر فرما دیجئے۔اراکین سیرت کمیٹی دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔آمین، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ثم آمین'' (۱)۔

صوبہ بہار میں حضرت علامہ غلام یحییٰ کے ایصال ثواب کے لئے مختلف شہروں میں ختم کلام پاک کیا گیا

صوبہ بہار میں جہاں استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام یحییٰ صاحب کے شاگردان کا ایک وسیع حلقہ پھیلا ہے، جب انتقال کی خبر پہنچی تو تمام واقف کار حلقوں میں شدید رنج کا اظہار کیا گیا اور مختلف مقامات: بہار شریف، پٹنہ، گیا، مونگیر، بھاگل پور، پورینہ وغیرہ میں فاتحہ اور ختم کلام پاک سے ایصال

(۱) روزنامہ ''سیاست جدید'' کانپور ۲۲ فروری، ص:۲، من جانب لودھی خاں سیکرٹری سیرت کمیٹی علی گڑھ۔

ثواب کیا گیا''(۱)۔

آستانہ عالیہ خواجہ نظام الدین اولیاء میں مولانا غلام یحییٰ کا غم رحلت کی اطلاع موصول ہوتے ہی ایصال ثواب وفاتحہ خوانی

دہلی:۲۱ فروری۔ آستانہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی کے سجادہ نشین خواجہ اسلام الدین نظامی نے اپنی ایک اطلاع میں بتایا ہے کہ مولانا غلام یحییٰ کی رحلت کی خبر موصول ہوتے ہی آستانہ عالیہ پر فوراً قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا اور ایصال ثواب ہوا۔ خواجہ اسلام الدین نظامی صاحب نے مولانا اسحاق علمی کے نام اپنے ایک خط میں اپنی دلی تعزیت کا اظہار کیا ہے اور صبر واستقلال کی دعا کی ہے''(۲)۔

''آہ! مولانا غلام یحییٰ صاحب''

''اخبار سیاست مؤرخہ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء میں حال وفات حسرت آیات جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم پدر بزرگوار جناب مولانا اسحاق

(۱) روزمانہ''سیاست جدید'' کانپور،ص:۱۔
(۲) روزمانہ''سیاست جدید'' کانپور ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء،ص:۱۔

علمی صاحب نظر سے گزرا۔ سخت افسوس وصدمہ ہوا۔ افسوس صد ہزار افسوس! آج وہ آفتاب علم وشریعت ہماری نظر سے پوشیدہ ہوگیا جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور تھا۔

اللہ پاک سے التجا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور مولانا اسماعیل صاحب ذبیح ومولانا اسحاق صاحب علمی ودیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے''(۱)۔

مدرسہ تجوید القرآن شاہجہاں پور میں ختم کلام پاک وایصال ثواب

''جناب مولانا حکیم فضل حق صاحب حسرت شاہجہاں پوری اطلاع دیتے ہیں کہ یہاں استاذ العلماء حضرت علامہ غلام یحییٰ صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر بڑے شدید جذبات الم کے ساتھ سنی گئی اور فوراً مدرسہ تجوید القرآن

(۱) روزنامہ''سیاست جدید'' کانپور،۲۳ فروری ۱۹۵۳ء،ص:۲۔
من جانب ہوش رحمانی سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ۔

میں ختم قرآن اور ایصال ثواب کیا گیا‘‘(۱)۔

مدرسہ محمدیہ ٹپکاپور میں مولانا غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب سات قرآن پاک ختم کئے گئے۔مولانا وارثی نے مرحوم کے حالات بیان کئے

کانپور۔ آفتاب علم وفضل حضرت مولانا غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب کے لئے مدرسہ محمدیہ ٹپکاپور میں قرآن خوانی کی گئی، جس میں سات قرآن پاک ختم ہوئے اور مرحوم کی روح پاک کو اس کا ثواب پہنچایا گیا۔ عاشق رسول مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب وارثی نے مولانا مرحوم کے فضائل علمی مختصر طور پر بیان فرمائے اور پسماندگان خصوصاً مولانا اسماعیل ذبیح اور مولانا اسحاق علمی کے لئے دعائے صبر کی گئی‘‘(۲)۔

آفتاب علم وفضل استاذ العلماء حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نماز جنازہ میں بے مثل اجتماع

مولانا اسحاق علمی صاحب تدفین سے صرف چند منٹ پہلے فتحپور سے بذریعہ کار پہنچے۔

(۱) روزنامہ ’’سیاست جدید‘‘ کانپور ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۴۔

(۲) ایضاً، ص:۳۔

............نماز جنازہ میں بے مثل اجتماع:

پروگرام کے مطابق ۳ بجے مولانا محمد علی پارک میں ایک عظیم اور نمائندہ اجتماع نے نماز جنازہ ادا کی۔ مولائے مرحوم کے خاص رفیق اور ہندوستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا خان زمان صاحب نے نماز پڑھائی۔ جنازہ آہستہ آہستہ ایک گھنٹے میں عیدگاہ قبرستان میں پہنچا۔ نماز جنازہ اور تدفین کے وقت اور عیدگاہ میں کانپور کے تمام طبقوں کے لوگ شریک تھے۔ بالخصوص حضرات صوفیاء اور علماء کا تمام طبقہ سمٹ کر جمع ہو گیا تھا۔ لکھنؤ، الہ آباد اور قریبی مقامات سے بھی لوگ شرکت کے لئے آئے تھے‘‘(۱)۔

عثمانیہ اسکول کانپور

وفات حسرت آیات مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم ومغفور آج مؤرخہ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء کو اسکول ہذا میں قرآن خوانی ہو کر ایک جلسہ اساتذہ وطلبہ کا بصدارت جناب سیکرٹری حافظ حمد اللہ صاحب عثمانیہ اسکول منعقد ہوا۔

عثمانیہ اسکول کا یہ جلسہ مرحوم ومغفور کے صاحبزادگان ودیگر اعزہ سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ خداوند کریم

(۱) روزنامہ ’’سیاست جدید‘‘ کانپور ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۴، از قلم نقوی نامہ نگار۔

مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ مرحمت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے‘‘(۱)۔

انجمن شمع ادب

’’تمام اراکین شمع ادب کا یہ ہنگامی جلسہ حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ جلسہ رب کریم سے دست بدعا ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مولانا کے متعلقین خصوصاً مجاہد جلیل حضرت مولانا اسحاق علمی وحضرت مولانا اسماعیل ذبیح ودیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے‘‘(۲)۔

فیض عام اسکول

یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ استاذ العلماء مولانا غلام یحییٰ صاحب طویل علالت کے بعد کل ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو بوقت سات بجے شب رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سانحے کے معلوم ہوتے ہی جناب گرورفیق صاحب صدر فیض عام ایسوسی ایشن اسکول میں تشریف لائے۔ جناب سیکرٹری صاحب فیض عام اسکول نے ہر دو اداروں کو بعد ایصال ثواب

(۱) روزنامہ ’’سیاست جدید‘‘ ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۴، بذریعہ فاروق احمد۔

(۲) ایضاً بذریعہ مجیب الحق سیکرٹری شمع ادب کانپور۔

اور تعزیتی جلسہ مولانا مرحوم کے سوگ میں بند ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ صحن اسکول میں اساتذہ وطلبہ کا اجتماع ہوا، ایصال ثواب کیا گیا۔ اس کے بعد تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پرنسپل فیض عام اسکول کی جانب سے پیش ہو کر پاس ہوئیں اور طے ہوا کہ اس تجویز کی نقلیں مولانا اسماعیل ذبیح خلف اکبر مولانا مرحوم اور اخبارات کو بھیجی جائیں۔

اساتذہ وطلبہ فیض عام اسکول کانپور کا یہ جلسہ فاضل اجل شیخ المعقول استاذ العلماء جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔

مولانا مرحوم مدرسہ فیض عام کے یگانہ روزگار مدرس تھے اور مدرسہ الٰہیات کانپور کے صدر مدرس۔ مولانا مرحوم معقولات میں مجتہدانہ درک رکھتے تھے۔ ایسی باکمال ہستی کی وفات ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ خداوند تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں درجات عالیہ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے‘‘(۱)۔

انجمن پنج تنی

انجمن پنج تنی کانپور ملحقہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا یہ جلسہ مولانا غلام یحییٰ

(۱) روزنامہ ’’سیاست جدید‘‘ کانپور، ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء، ص:۴، بذریعہ اکبر علی صدیقی۔

صاحب کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتا ہے اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص مسلمانان کانپور کے لئے نا قابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ شرکاء جلسہ نے مولانا موصوف کے لئے دعائے مغفرت کی اور دعا کی کہ پروردگار عالم پسماندگان مولانا اسماعیل ذبیح اور مولانا اسحاق علمی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اراکین انجمن کی ہمدردیاں ہر دو سوگواروں کے ساتھ ہیں''(۱)۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع ہے اور تمام اطراف ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے ممتاز ترین مولانا خان زمان ہزاروی، مولانا محمد زمان، مولانا وصی علی صاحب، مولانا کرم علی ملیح آبادی، مولانا شاہ محمد یوسف کانپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اولاد

آپ کا نکاح مولانا عبدالغفور پشاوری (جو ایک عرصہ تک کانپور میں رہے) کی دختر سے ہوا اور ان سے آپ کے تین فرزند اور ایک دختر نیک اختر ہیں۔

بڑے مولانا محمد اسماعیل ذبیح خیبر ہوٹل صدر پشاور، اپنے والد کے شاگرد، جامعہ ملیہ، مدرسہ الٰہیات اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔

(۱) روزنامہ ''سیاست جدید'' کانپور، ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء، ص: ۴، بذریعہ خورشید حسن نقوی آنریری سیکرٹری۔

صحافت کو اپنایا اور حق گوئی کے جرم میں کئی بار سنت یوسفی ادا کی۔

ان سے چھوٹے مولانا محمد اسحاق علمی ہیں جو مدرسہ الٰہیات، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی پڑھتے رہے ہیں۔ ممتاز صحافی اور رہنما ہیں اور سب سے چھوٹے مولوی محمد یوسف صاحب ہیں(۱)۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''مولانا اشرف علی صاحب کے جانے کے بعد مولانا غلام یحییٰ صاحب اس مدرسہ کے مدرس اعلیٰ ہوئے۔ مولانا غلام یحییٰ کے فرزند اکبر جناب مولانا محمد اسماعیل ذبیح جنہوں نے کانپور سے روزنامہ ''قومی اخبار'' جاری کیا تھا، آج کل پشاور میں قیام پذیر ہیں اور گفتار و کردار دونوں کے غازی ہیں۔ ان کے علاوہ کانپور کے مشہور طبیب اور سیاسی رہنما ڈاکٹر عبدالصمد جو ایک زمانے میں یوپی لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر اور کانپور مسلم لیگ کے صدر تھے، کے بہنوئی مولانا خان زمان صاحب (۲) بھی مدرسہ جامع

(۱) مواد مولانا محمد اسماعیل ذبیح صاحب سے لیا گیا۔

(۲) مولانا خان زمان صاحب صدر مدرس جامع العلوم کانپور بھی ہزارہ کے رہنے والے اور صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے ایک تلخیص کی اردو شرح ''حل العویص'' ہے۔

العلوم کے صدر مدرس رہے ہیں''(۱)۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید بن حافظ عبدالرحمٰن بن عبدالوہاب نے اکثر کتب: منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت وغیرہ حضرت غلام یحییٰ صاحب مدرس الحال ''مدرسہ الٰہیات'' کانپور سے پڑھیں''(۲)۔

ایک اور جگہ بھی آپ کا نام آیا ہے(۳)۔

---

(۱) ماہنامہ ''البلاغ''، کراچی، ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ، عبدالرحمٰن خان صاحب مالک مطبع نظامی کانپور، از جناب اشتیاق اظہر صاحب، قسط دوم، ص:۹۷۔

(۲) امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء، جید برقی پریس، ص:۴۱۰۔

(۳) کفایت اللہ، مفتی، دہلوی: النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ، مع ضمیمہ ''المرفوعۃ''، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص:۳۸، پر علمائے کانپور میں سے آپ کے تائیدی دستخط مع پتہ موجود ہیں۔

مولانا فضل ربی ہزاروی(۱)

۱۸۸۳ء............۱۹۵۷ء

آپ مولوی محمود بن عبدالرحمٰن سواتی کے گھر ''بفہ'' ضلع ہزارہ میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی(۲)۔

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں کہ

''آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ایک جوشیلے عالم تھے۔ آپ حکومت افغانستان کی ہیئت تمیزیہ کے رکن کی حیثیت سے بہت ممتاز شخصیت کے مالک تھے''(۳)۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا کسی قدر مواد آپ کے بھتیجے محمد اسحاق ڈپٹی ڈائریکٹر (نصاب) سے لیا گیا (گھریلو امور کی بابت)۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) زیر عدد:۳۹۔

(۳) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، بار اول، مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۶۵ء، ص:۷۲۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ

’’آپ پشاور کے باشندے اور حضرت شیخ الہند کے شاگرد خاص ہیں۔ پشاور میں درس دیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند کا حکم پہنچا کہ تم یاغستان چلے جاؤ اور وہاں لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کرو۔ چونکہ ان کو تقریر بہت اچھی کرنی آتی تھی، اس لئے حاجی ترنگ زئی کے ساتھ مل کر خوب کام کیا۔ جب تحریک فیل ہوگئی، تو حکومت افغانستان کی ملازمت اختیار کر لی‘‘(۱)۔

مولانا سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

’’دارالعلوم کے فارغ التحصیل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور ضلع پشاور کے باشندے ہیں۔ نہایت جوشیلے اور مستقل مزاج جانباز تھے۔ اپنے وطن میں علمی مشاغل میں مشغول تھے۔ مولانا شیخ الہند نے حکم فرمایا کہ آپ یاغستان (آزاد علاقہ) میں چلے جائیں اور وہاں لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کریں اور اس کی تبلیغ میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ چونکہ ان کو تقریر کی مشق دارالعلوم میں رہتے ہوئے بہت اچھی ہوگئی تھی، اس لئے ان کی جوشیلی تقریروں کا وہاں بہت اچھا اثر ہوا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ جانبازی

(۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری: تذکرہ شیخ الہند، مطبوعہ بجنور، بار اول ۱۹۶۵ء، ص: ۱۹۵ (آپ بفہ تحصیل مانسہرہ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ پشاور میں تدریس کرتے تھے۔ پشاور کے اصل باشندے نہ تھے)۔

کے لئے تیار ہوگئے۔ جب حاجی ترنگ زئی صاحب مرحوم نے علم جہاد بلند کیا، تو مولانا فضل ربی صاحب شریک جہاد رہے، پھر شکست کے بعد کابل چلے گئے۔ اپنی علمی استعداد اور اعلیٰ قابلیت کی بناء پر علمی ڈیپارٹمنٹ افغانستان میں ملازم ہوگئے اور آج تک اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ متعلقین ان کے ساتھ ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء‘‘(۱)۔

ڈاکٹر شیر بہادر پنی لکھتے ہیں:

’’مولانا فضل ربی قوم صواتی سے تھے۔ آباء واجداد ’’بٹہ موڑی‘‘ علاقہ نندہیاڑ (ہزارہ) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مولوی محمود صاحب بفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے۔ ۱۹۱۰ء (۲) میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۹۱۴ء کی عالمی جنگ میں علماء ہند و مولانا محمود حسن شیخ الہند و مولانا

(۱) مولانا سید حسین احمد مدنی: نقش حیات، مطبوعہ دیوبند ۱۹۵۴ء، ج:۲، ص: ۱۹۷، ۱۹۸۔

(مادری زبان پشتو تھی، اس لیے پشاور کے باشندے ہونے کی روایت یہاں بھی موجود ہے، حالانکہ آپ بفہ ہزارہ کے باشندے ہیں)۔

(۲) ۱۳۲۷ھ ’’تقویم تاریخ‘‘ کے مطابق ۱۹۰۹ء بنتا ہے۔

عبیداللہ سندھی کے مشن کے مطابق انگریزی حکومت کے خلاف جلسے اور تقریریں کرتے رہے۔ جب ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے، تو آپ مجاہدین چمرقند کے پاس چلے گئے اور ان کے اور آزاد قبائل کے لشکروں میں شامل ہوکر انگریزی فوجوں پر یلغار کرتے رہے۔

۱۹۲۹ء میں شاہ امان اللہ خان کی جنگ آزادی میں ''حملہ ٹل'' کے وقت نادر خان کی فوج میں شامل تھے۔ امان اللہ خان کو افغانستان کا شاہ باقاعدہ تسلیم کئے جانے پر آپ وہاں مفتی مقرر ہوئے۔

مولانا فضل ربی کے مجاہدین چمرقند کے ساتھ شامل ہونے پر ان کے بھائی فضل الٰہی اور ان کے قریبی رشتہ دار مولانا گل حسن کو گرفتار کرلیا گیا۔ آخر الذکر تو ایک سال (۱) بعد رہا ہو گئے، لیکن فضل الٰہی صاحب کو کافی مدت جیل میں گزارنی پڑی۔

پاکستان بن جانے کے بعد اگرچہ مولانا فضل ربی کے داخلۂ سرحد پر سے پابندی ہٹالی گئی تھی، لیکن وہ واپس نہ آئے۔ چند سال بعد کابل میں ہی

(۱) مولانا گل حسن کے فرزند محمد اسحاق صاحب کی روایت ہے کہ ''مولانا گل حسن تین ماہ کے بعد رہا کر دیئے گئے تھے''۔

رحلت فرمائی اور ان کی اولاد شاہ امان اللہ خاں کی دی ہوئی جاگیر(۱) سے مستفید ہورہی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی فضل الٰہی زندہ ہیں اور اپنے گاؤں ''بٹہ موڑی''، نندہیاڑ میں ہیں''(۲)۔

کئی اور کتابوں (۳) میں بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

وصال

۱۵ جنوری ۱۹۵۷ء کو آپ کا کابل میں وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں دو لڑکے رحمت ربی اور فضل باری اور چار لڑکیاں ہیں (۴)۔

(۱) آپ کے بھائی فضل الٰہی کی روایت ہے کہ مولانا کو کابل سے مغرب کی طرف ایک گاؤں ''لوگر'' میں ۲۰۰ جریب زمین دی گئی تھی۔

(۲) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، باراول، ص:۶۷۳۔

(۳) عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان، مطبوعہ لاہور، ص:۲۴۷۔ (یہ وہی عبارت ہے جو ''نقش حیات'' میں حضرت مدنی نے لکھی ہے)۔ مولانا محمد میاں: علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، مطبوعہ دہلی، ص: ۲۶۹۔ مولانا عبیداللہ سندھی: کابل میں سات سال، ص:۷، ۸۔ بی ایم اختر: غفار خان کی کہانی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، باراول، ص:۱۴۔

(۴) (بی بی زبیدہ، حنفیہ، بی بی حافظہ اور بی بی صفیہ۔ بی بی زبیدہ مولانا سیف الرحمٰن کے فرزند عبدالعزیز کے نکاح میں آئیں اور بی بی حنفیہ کا بھا بھڑ ملا کے لڑکے میاں گل جان کے ساتھ عقد ہوا۔ باقی دو کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی)۔

آپ کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ

’’۹۷......فضل ربی: جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

غالباً یہی ہے مولوی فضل ربی عرف ’’ابوالفتح‘‘ ولد محمود آف بفہ تھانہ شنکیاری ضلع ہزارہ۔

پہلے حاجی ترنگ زئی کے قائم کردہ مدرسہ مقام غدر تحصیل مردان میں معلّم تھا۔

۱۹۱۸ء میں ایک جلسہ میں جسے غدر اسکول کے لئے روپیہ جمع کرنے کے واسطے طلب کیا گیا تھا، اس نے نہایت قابل اعتراض تقریر کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربی حال ہی میں دیوبند کے مدرسہ کا متعلّم تھا، جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید بن گیا تھا۔ مولانا کے مکان پر خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، محمود الحسن نے اسے مولوی سیف الرحمٰن فضل محمود وغیرہ کے ہمراہ جہاد کی تبلیغ کے لئے آزاد علاقہ کو بھیجا تھا۔

۱۹۱۵ء کی بہت سی لڑائیوں کے لئے ذمہ دار ہے۔

۱۹۱۶ء میں فضل ربی، فضل محمود اور عبدالعزیز (یاغستان میں انجمن حزب اللہ کا نمائندہ) کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف سے خفیہ مشن پر سردار نصر اللہ سے ملاقات کرنے کابل گیا تھا۔ دس بارہ دن کے بعد واپس

آ گیا تھا۔ اس وقت شاید آزاد علاقہ میں ہے‘‘(۱)۔

(۱) مولانا سید محمد میاں تحریک شیخ الہند، لاہور نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ، ص:۲۲۱۔ (انگریزی سرکار کی زبان میں ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا؟ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ)۔

مولانا خلیل الرحمٰن خان ملاہزاری (۱)

۱۸۷۳ء............۱۹۵۸ء

آپ ۱۸۷۳ء کو جناب قاضی عبدالاحد بن قاضی عبدالمجید بن قاضی محمد جان بن قاضی محمد شعیب بن قاضی عبدالکلیم کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی عبدالمجید صاحب بھی علاقے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ عمر بھر ''ترہاپائین'' میں تدریس کرتے رہے۔ آپ کی ولادت بھی ''ترہاپائین'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر علاقے کے علماء سے پڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ''مظاہر علوم'' سہارنپور میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد وطن واپس آگئے اور ''ترہاپائین'' میں مسند درس کو زینت بخشی۔ آپ جامع عالم تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزری۔ آپ کے حلقۂ درس میں بٹگرام، الائی، کوہستان، چیلاس، سوات، بنیر، باجوڑ اور لکی مروت

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد خواص خان صاحب ساکن ''ہیڑاں'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، مطبوعہ سہارنپور ۱۳۹۲ھ، ص: ۱۰۶۔

تک کے علاقوں کے طلبہ شامل درس رہا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کے لئے خان عطا محمد خان والی ''پھلڑہ'' کے اصرار پر منصب قضاء پر فائز رہے، مگر جلد ہی معذرت کر کے ''ترہاپائین'' میں تدریس کرنے لگے، اس لئے کہ منصب قضاء تدریس میں حائل ہو رہا تھا۔

فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

علاقے کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال

۵ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ/ ۲۶ مارچ ۱۹۵۸ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''ترہاپائین'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند مولوی قاضی محمد یونس صاحب، جناب مفتی محمد ادریس صاحب ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ اور مفتی شفیق الرحمٰن صاحب ہیں۔

مولانا حافظ علی احمد جان پشاوری (۱)

۱۸۸۰ء............۱۹۵۸ء

آپ ۱۸۸۰ء کو صاحبزادہ عبدالقیوم کے گھر پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ پہلے حافظ خان محمد ساکن آسیا (پشاور شہر) سے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے نانا مولانا میاں غلام صمدانی سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد کئی مقامی علماء سے پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث کی تکمیل مولانا محمد ایوب محدث پشاوری سے کر کے سند حاصل کی۔فن تقریر میں مولانا سید محمود شاہ ساکن ڈھینڈہ ہزارہ کے شاگرد تھے۔آپ محافظ دفتر اور مسجد کچہری کے خطیب تھے۔

مسجد محلّہ آسیا میں درس قرآن وحدیث کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رکھا۔

تصنیفی کام

دینی مسائل پر آپ کے چار رسائل مطبوعہ ہیں:

۱......احکام شب براءت

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند صاحبزادہ ممتاز احمد پی سی ایس سیکشن آفیسر (محکمہ تعلیم) پشاور سے لیا گیا۔

۲......فضیلت رمضان

۳......سراج المشکاۃ فی مسائل الزکاۃ (۱)۔

۴......تحفہ عجیب فی بیان معراج الحبیب۔

(مطبوعہ برقی پریس پشاور، سال طباعت ندارد)

وصال

فالج کی بیماری سے ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء کو آپ کا وصال ہوا اور وزیر باغ پشاور کے قریب آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند صاحبزادہ ممتاز احمد ہیں۔

(۱) اس رسالہ کا بنگالی میں ترجمہ آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے شائع کروایا۔

مولانا قاضی عبدالسبحان ہزاروی (۱)

۱۸۹۸ء..........۱۹۵۸ء

آپ ۱۸۹۸ء کو مولانا مظہر جمیل علوی کے گھر ''کھلابٹ''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے دوسرے علماء سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا حمید الدین مانسہروی اور مولانا قطب الدین غورغشتوی کیملپوری سے پڑھتے رہے۔ زاں بعد انھوں نے (گجرات) میں مولانا غلام رسول صاحب سے تعلیم حاصل کی۔

پھر ریاست ٹونک میں مولانا حکیم سید برکات احمد سے اکتساب فیض کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں چھ ماہ کے عرصہ قیام میں مختصر المعانی اور حمد اللہ دو کتابیں مولانا محمد ابراہیم بلیاوی سے پڑھیں۔ تفسیر اور حدیث کی تعلیم اپنے چچا مولانا خلیل سے حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ۴۰ سال کے قریب تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کا گاؤں ایک دارالعلوم بنا ہوا تھا۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے نواسے قاضی انیس الرحمٰن سے لیا گیا ہے۔

(۲) مولانا خلیل: مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔

زندگی کے آخری سالوں میں گجرات شہر کے ایک دینی مدرسہ میں تین سال، شرقپور شریف کے جامعہ اسلامیہ میں دوسال، مدرسہ احسن المدارس راولپنڈی میں ایک سال، مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں ڈیڑھ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال: ۱۲ شوال ۱۳۷۷ھ/۲ مئی ۱۹۵۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: اولاد میں قاضی غلام محمود اور مفتی سیف الرحمٰن اور تین دختران ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱......انوار الاتقیاء فی حیاۃ الانبیاء، ۲......مواہب الرحمٰن فی رد جواہر القرآن (۱) (دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں)۔

(مؤخر الذکر کتاب کے ۳۲۸ صفحات چھوٹا کتابی سائز، دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی)۔ باقی درس نظامی کی بعض کتب پر دوران تدریس آپ حواشی بھی لکھتے رہے، وہ آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں فائض الانوار شرح معانی الآثار، حاشیہ مطول، حاشیہ مختصر المعانی، حاشیہ جامی، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ بخاری شریف، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ مشکاۃ، حاشیہ میرزادہ، شرح ہدایۃ النحو و شرح عبدالرسول شامل ہیں (۲)۔

(۱) سیارہ ڈائجسٹ: قرآن نمبر میں اس کتاب کا ذکر آیا ہے۔ یہ کتاب مولانا غلام اللہ خان صاحب ساکن راولپنڈی کی جواہر القرآن کے رد میں لکھی گئی۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ج:۲، ص:۳۰۳۔

مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی (۱) صدر مدرس امداد الاسلام، میرٹھ

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء......۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

آپ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء کو ''کیابالا''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں جناب اسد خان عرف است خان کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر مزید تعلیم کے حصول کے لئے گلاوٹھی (انڈیا) پہنچے اور وہاں مولانا قاضی غلام نبی ہزاروی سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں علامہ انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ ''امداد الاسلام'' میرٹھ میں بطور مدرس دوم آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۶ سال کی اعلیٰ تدریسی خدمات کے سبب پھر آپ کو صدر مدرس کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ تقسیم ملک تک اسی عہدے پر فائز رہ کر کتب حدیث کا درس دیتے رہے۔ پاک وہند میں آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

تقسیم ملک کی وجہ سے آبائی وطن آنا ہوا، پھر ایک سال جامع مسجد گوجرانوالہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال: گوجرانوالہ سے شعبان کی چھٹیوں میں بیمار ہو کر آئے اور ۷ شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ/ مارچ ۱۹۶۰ء کو وصال ہوا۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد اور پھر رفیق کار مولانا ابرار شاہ فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲۔

مولانا محمود احمد ہزاروی

۱۸۸۸ء............۱۹۶۰ء

آپ ۱۸۸۸ء کو ''ملک پور''، تحصیل مانسہرہ میں گل دین صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱) سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند (۲) حاصل کی۔

تدریس: فراغت علوم کے بعد وطن واپس آئے۔ پہلے مدرسہ اصلاح الرسوم مانسہرہ میں بطور مدرس دوم اور پھر مدرس اول کی حیثیت سے تدریس کی۔ زاں بعد اپنے گاؤں میں تدریس کرتے رہے۔ کچھ عرصہ لاہور، مدرسہ محمدیہ راندہیر سورت لائل پور اور ساہیوال میں بھی تدریس کی۔

وصال: ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو آپ کا وصال ہوا۔

آپ کا تعارف یوں بھی کرایا گیا ہے:

''مولوی محمود احمد صاحب: ہمارے گاؤں (ملک پور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خود اپنی محنت سے زراعت اور تجارت کے ذریعے گاؤں میں اچھی

---

(۱) مولانا محمود حسن کے علاوہ مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد احمد، مولانا غلام رسول بفوی، مولانا محمد رسول خان ہزاروی، مولانا میاں اصغر حسین آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص:۲ (قلمی) (آپ کی سند کا نمبر ۵۹۴ ہے)۔

حیثیت حاصل کر لی تھی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد انہوں نے علاقہ ہی میں دینی تعلیم کا حصول کیا، پھر دیو بند چلے گئے، وہاں سے فارغ ہوئے تو واپس آ کر بدعات اور رسوم کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ خاموش طبیعت کے تھے۔ مولوی صاحب اصلاح رسوم کا مسلسل کام کرتے رہے اور اس علاقہ میں بری رسوم کی کمی ایک حد تک انہی کی بدولت ہوئی۔ علماء سوء نے ان کی بہت مخالفت کی۔ کئی بار اپنے طلبہ سے ان پر حملہ کرانے کی بھی کوشش کی۔ آپ نے انجمن اصلاح رسوم ہزارہ میں کافی کام کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پنجاب میں لائل پور اور منٹگمری کے اضلاع میں بھی آپ نے تبلیغ کا کام کیا اور کئی غیر مسلم ان کی کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہوئے''(۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''میں (عمر فاورق خان) وقتاً فوقتاً مولوی محمود احمد صاحب دیو بندی سے جو حضرت شیخ الہند کے خاموش مگر جلیل القدر شاگرد تھے، دینی علوم کی تحصیل کرتا رہا۔ وہ تصوف وطریقت میں مولانا اشرف علی تھانوی سے فیض یافتہ تھے اور تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ میں کئی ماہ رہے تھے......ان سے میں نے قرآن حکیم کی تفسیر اور ترمذی شریف پڑھی۔ نیز صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں دوران مطالعہ جو مشکل مقامات آئے، وہ ان سے سمجھے''(۲)۔

---

(۱) عمر فاروق خان: مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، مطبوعہ ۱۹۷۰ھ، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، باراول، ص:۱۰۹ (حواشی)۔

(۲) ایضاً، ص:۹۶۔

مولانا محمد خان زمان ہزاروی (۱) صدر مدرس جامع العلوم، کانپور

۱۸۸۳ء......۱۹۶۰ء

ولادت

خود لکھتے ہیں کہ ''میری پیدائش ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ مقام ''منڈہار'' (۲) ضلع ہزارہ ۱۳۱۴ھ تک یہیں قیام رہا، پھر ۱۳۱۸ھ تک موضع اوتر شیشہ میں مقیم رہا۔ غالباً چار سال تک اس عرصہ میں جناب مولانا مولوی محمد رستم صاحب کی خدمت میں رہ کر کتب فارسی وبقدر ضرورت لکھنا وغیرہ حاصل کیا، پھر دوسرے مقامات میں جا کر کتب صرف شروع کیں، مثلا: موضع ''حفیظ بانڈی'' میں مولانا عبدالستار صاحب مرحوم کے پاس قانونچہ کھیوالی شروع کیا۔ یہاں صرف چار ماہ رہا اور پانچ ابواب ثلاثی مجرد پڑھے۔ چھٹا باب شروع ہوا تھا کہ بمقام ''بدہو'' جانے کا اتفاق ہوگیا۔ وہاں جا کر بقیہ ابواب ڈہائی ماہ کے اندر ختم کئے، مولانا عطا رسول کے پاس۔ یہاں جناب قاضی عصمت اللہ صاحب نواں شہری بھی شریک درس تھے۔ جب مراح الارواح شروع ہوئی تو موضع ''پھڑانہ'' ضلع راولپنڈی جانا ہوا۔ یہاں مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کے پاس مراح، نحو میر، شرح مائۃ عامل،

---

(۱) محمد خان زمان ابن محمد الیاس عرف لسہ کلاں ابن عبدالقادر ابن عبدالستار عرف اخوند ابن عبدالحمید ابن ظفر احمد ابن سخی محمد (حل العویص، ج:۱، ص:۱، حاشیہ)۔

(۲) ''منڈہار''، تحصیل مانسہرہ میں ہے۔

نظم مائۃ عامل مع شمہ پڑھیں، پھر خاص راولپنڈی گئے۔ یہاں صرف ایک ماہ رہے، پھر میں ''قصبہ سرائے صالح'' متصل ہری پور چلا گیا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم کے پاس ترکیب شرح مائۃ عامل، ...... ہدایۃ النحو پڑھی، پھر قصبہ ''رجوعیہ'' میں مولانا نادرالدین صاحب مرحوم نحوی کی خدمت میں چلا گیا، پھر مولانا کے ہمراہ نواں شہر آنا ہوا۔ بعدہ ۱۳۲۲ھ میں مولانا کا انتقال ہوگیا اور میں کچھ عرصہ تک بیمار رہا۔ مولانا کی خدمت میں رہ کر یہ کتابیں پڑھیں: کافیہ، الفیہ، فصول اکبری، کنزالدقائق، شرح الیاس، شرح الوقایۃ، اصول الشاشی، کچھ حسامی۔

بعدہ ۴ شوال ۱۳۲۳ھ کو دیوبند چلا گیا اور وہاں ان کتابوں میں شامل ہوا: قال اقول، شرح جامی، نورالانوار۔ اس وقت یہ حضرات مدرسین مدرسہ تھے: حضرت مولانا شیخ الہند مرحوم، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم، مولانا حکیم محمد حسن صاحب (طبیب مدرسہ)، مولانا محمد یاسین صاحب شیرکوٹی، مولانا غلام رسول صاحب مرحوم بفوی اور مولانا محمد احمد صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ تھے اور انہی دنوں میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نائب مہتمم مدرسہ مقرر ہوئے۔ پس ۱۳۲۶ھ ۳ رجب تک ہم یہیں رہے تین سال تک، اور اس عرصہ میں قاضی حمداللہ، مشکاۃ شریف، جلالین شریف، مطول، ہدایہ اولین وغیرہ تک کتابیں پڑھیں اور میرے شریک درس یہ احباب تھے: مولوی فضل ربی صاحب بفوی، مولوی محمد شفیع صاحب مرادآبادی، مولوی احمد صاحب کیرانوی، مولوی نبیہ حسن صاحب دیوبندی

مرحوم، مولوی مرید خواجہ صاحب پنجابی، مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب سورتی، ومولوی فیض الحکم صاحب پشاوری .... وغیرہ وغیرہ، پھر یکم شعبان کو قصبہ امروہہ میں چلا آیا۔ یہاں دو سال رہا، یعنی: ۱۳۲۸ھ تک اور یہاں پر صدرا، شمس بازغہ، توضیح تلویح، بیضاوی شریف، ہدایہ آخرین وکتب صحاح ستہ وکتب ادب وکتب طب پوری کیں اور رمضان المبارک یوم جمعہ ۱۳۲۸ھ کو جامع مسجد میں استاذی حضرت سید احمد حسن صاحب مرحوم موصوف بالقابہ نے اپنے دست مبارک سے چار فارغین کو عمامہ مع سند عطا کیا۔ فارغین مولوی عین الحق صاحب نیپالی، مولوی نورالحق صاحب مانسہروی، مولوی داد محمد صاحب کابلی اور احقر۔ اس وقت یہ حضرات مدرس مدرسہ تھے: حضرت مولانا موصوف الصدر ومولانا محمد امین صاحب رامپوری (جو اس وقت طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر ہیں)، مولانا سید رضا حسن صاحب۔ پھر ۴ شوال ۱۳۲۸ھ کو بمشاورت بعض احباب کانپور چلے آئے، اور ۱۹ ذی قعدہ ۱۹۲۸ء تک مدرسہ مظہر العلوم واقع بیکن گنج میں قیام رہا۔ بعدہ جناب حافظ نورالحسن خان صاحب مہتمم مدرسہ جامع العلوم کانپور نے عاجز کو اپنے مدرسے میں بلالیا۔ اس وقت یہ حضرات مدرسین مدرسہ تھے: جناب مولانا مولوی منفعت علی صاحب مرحوم دیوبندی، جناب مولوی حافظ سعید احمد مرحوم مولانا تھانوی کے بھانجے، چنانچہ اب تک خاکسار یہیں ہے''(۱)۔

(۱) مولانا خانزمان: حل العویص فی شرح تلخیص، کانپور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء، ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲۔

تصانیف

۱......حل العویص فی شرح التلخیص: حصہ اول، مطبوعہ کانپور ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء، بڑے سائز کے ۱۱۴ صفحات۔

حصہ دوم: مطبوعہ کانپور ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء، بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات، رزاقی پریس، مولانا محمد جمیل صاحب انصاری نے قطعۂ تاریخ لکھا:

جناب خانزمان شرح نمودہ عجب شرحیست درآردو بہ تخیص
جمیل آمد مسیحی زکلکم بکن تحریر طرفہ شرح تلخیص

۲......کتاب تہذیب الصرف، ۳......کتاب تہذیب النحو (۱۹۳۲ء) مطبوعہ ۱۳۳۹ء کانپور، مطبع مجیدی بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات (۱)، ۴......شرح اردو کافیہ۔

شادی: کانپور کے مشہور طبیب اور سیاسی رہنما ڈاکٹر عبدالصمد کی بہن آپ کے نکاح میں آئیں، مگر اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''کانپور کے مشہور طبیب اور سیاسی رہنما ڈاکٹر عبدالصمد جو ایک زمانے میں یوپی **لیجسلیٹو** اسمبلی کے ممبر اور کانپور مسلم لیگ کے صدر تھے، کے بہنوئی مولانا خان زمان صاحب بھی مدرسہ ''جامع العلوم'' کانپور کے صدر مدرس رہے ہیں''(۲)۔

(۱) مولانا محمد خانزمان: حل العویص فی شرح تلخیص، کانپور، ص:۱۱۳۔

(۲) اشتیاق اظہر: عبدالرحمٰن خان صاحب مالک مطبع نظامی کانپور۔ البلاغ (ماہنامہ) کراچی، ذیقعدہ وذی الحجہ ۱۳۹۵ھ، ص:۹۶۔

حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی کے مخصوص تلامذہ میں آپ کا ذکر کیا گیا ہے (۱)۔

وصال

۱۹۶۰ء یا اس کے کچھ بعد آپ کا کانپور ہی میں وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے (۲)۔

کہا گیا ہے کہ آپ نے مولانا غلام یحییٰ ہزاروی سے بھی علمی استفادہ کیا ہے (۳)۔

ایک اور کتاب میں بھی آپ کا ذکر کیا گیا ہے (۴)۔

(۱) مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی ۱۹۶۴ء، ص: ۳۶۰، آٹھویں نمبر پر۔

(۲) و (۳) روایت مولانا محمد اسماعیل ذبیح خیبر ہوٹل صدر پشاور، ابن مولانا غلام یحییٰ ہزاروی۔

(۴) کفایت اللہ دہلوی، مفتی: النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص: ۳۸ پر آپ کا نام مع مکمل پتہ ومنصب آیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق مانسہروی

۱۸۵۶ء............۱۹۶۲ء

آپ ۱۸۵۶ء کو جناب خواجہ گل محمد صاحب (۱) کے گھر ''حویلیاں'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ اعوان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر سکندر پور ہری پور ہزارہ میں مولانا عبداللہ صاحب اور مانسہرہ میں مولانا نور عالم صاحب سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عالیہ رامپور پہنچے اور وہیں سے تکمیل کر کے واپس آئے (۲)۔

فراغت کے بعد واپس حویلیاں آئے اور محمد حسین سواتی اور ارسلہ خان سواتی ساکن مانسہرہ کی استدعاء پر جامع مانسہرہ کی خطابت قبول کر کے مانسہرہ چلے گئے، وہاں امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ایسے مقبول ہوئے کہ بس ''مانسہروی'' مشہور ہو گئے۔

۱۹ اگست ۱۹۲۰ء کو تحریک خلافت میں نمایاں حصہ لینے پر حکومت انگلیشیہ نے آپ کو گرفتار کر کے نینی تال جیل بھجوا دیا۔ وہاں سے رہائی کے بعد ہزارہ میں

---

(۱) آپ کے والد خواجہ گل محمد صاحب حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے خلیفہ مجاز تھے۔

(۲) روایت مولانا حافظ قاری حاجی محمد زمان صاحب جدون ساکن ڈھیری کہیال، ایبٹ آباد ہزارہ (مولانا مانسہروی کے ایک قریبی دوست)۔

داخلہ بند کی سزا دی گئی، چنانچہ اس عرصہ میں آپ نے ''ڈھیری شاہاں'' (ٹیکسلا) سے جانب شرقی مولوی عبدالرحمٰن کے ہاں تین چار سال قیام کیا۔ یہاں بھی خطبہ جمعہ کا معمول رہا۔ شائقین مانسہرہ سے بھی پہنچ جاتے تھے۔ پھر جامعہ حنفیہ کے امام وخطیب مقرر ہوئے۔ اور کچھ عرصے بعد محلّہ امام باڑہ کی ''مسجد انگور'' میں منتقل ہو گئے۔ اس مسجد میں ''احیاء العلوم'' کے نام سے ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جس میں دوسرے اساتذہ کے ساتھ آپ بھی تدریس کرتے رہے۔ آپ ہر تحریک میں پیش پیش رہے اور سخت ابتلاء وآزمائش سے دوچار ہوئے، مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ کہا گیا ہے کہ: آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے خلافت اور ہجرت کی تحریک (۲۰،۱۹۱۹ء) میں تمام ضلع ہزارہ کو ہلا دیا (۱)۔

وصال: تمام عمر مجرد رہے۔ ۸ دسمبر ۱۹۶۲ء کو مسجد انگور میں وفات پائی۔ جامعہ حنفیہ راولپنڈی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور وصیت کے مطابق آپ کو حویلیاں لایا گیا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اخبارات ورسائل میں تعزیتی نوٹ شائع ہوئے (۲)۔

---

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ھ، بار اول، ص: ۶۵۷۔

(۲) کوہستان، روزنامہ، راولپنڈی، ۹ دسمبر ۱۹۶۲ء (آپ کی زندگی اور کارناموں پر مشتمل ایک تعزیتی نوٹ شائع ہوا)۔ چٹان ہفت روزہ لاہور، ۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء، ص: ۲۰،۶ (اس مضمون میں آپ کے فاضل دیوبند ہونے کی روایت درست نہیں ہے)۔

مولانا ظفر علی خان لکھتے ہیں کہ ''۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو مجھے راولپنڈی جانے کا اتفاق ہوا جہاں میں نے مسجد انگور میں مولانا محمد اسحٰق مانسہروی کے ہاں قیام کیا۔ مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا کوشک ہے، جس پر انگور کی بیلیں چھائی ہوئی ہیں۔ اس مناسبت سے مسجد کا نام ''مسجد انگور'' ہے۔ یہ بارونق مسجد جہاں قرآن وحدیث کا درس دیا جاتا ہے، مولانا کی سالہا سال کی جانکاہیوں کا نتیجہ ہے۔ مسجد میں بہت سے صاحب ذوق احباب تھے جن کی فرمائش پر مندرجہ ذیل اشعار زبان پر آ گئے۔

چلتا ہے یہاں بادہ توحید کا ساغر — کہتے ہیں فرشتے اسے انگور کی مسجد
ہیں منبر ومحراب سے سطور نمودار — پھر کیوں نہ کہیں ہم کہ یہ ہے نور کی مسجد
ہیں اس کے نمازی رسن دار کے شیدا — ہے معنی اصلی میں یہ منصور کی مسجد
اسحاق کو اللہ حیات ابدی دے — ہے یہ اسی اللہ کے منظور کی مسجد
قیصر کا یہ معبد ہے نہ فغفور کا ہیکل — مشہور ہے دنیا میں یہ مزدور کی مسجد(۱)

آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے:

(۱) مولانا ظفر علی خان: نگارستان، ص: ۲۴۸۔

''مولانا محمد اسحاق مانسہروی آج دنیا میں موجود نہیں، لیکن ان کے کارنامے، ان کی قربانیاں اور ان کی زندگی کے درخشندہ وتابندہ واقعات ہمیشہ زندہ رہیں گے''(۱)۔

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''اطلاع موصول ہوئی کہ ضلع ہزارہ سے دو ہزار پٹھان راولپنڈی کی طرف آ رہے ہیں، لیکن سپرنٹینڈنٹ پولیس نے پیر صاحب گولڑہ شریف کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ان لوگوں کو واپس چلے جانے کی ہدایت دے دیں۔ اس طرح ایک کہن سال، مگر مقبول عام مولوی محمد اسحاق مانسہروی بھی تحریک کی قیادت کے لیے نکل آئے، لیکن حکام ضلع ان کو سمجھانے بجھانے میں کامیاب ہوگئے، بلکہ ان سے ایک تحریری اپیل جاری کرائی کہ لوگ لاقانونی اور بدنظمی پیدا کرنے سے پرہیز کریں''(۲)۔

(۱) شورش کاشمیری: چٹان (ہفت روزہ) لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء، ص: ۲۰۔
(۲) جسٹس منیر: رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ۱۹۵۳ء، ص: ۱۸۶۔

اس طرح کئی اور جگہ پر بھی آپ کا ذکر آیا ہے(۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''۱۹۲۲ء میں محلّہ امام باڑہ میں انگور مسجد کی بنیاد رکھی۔اس میں توسیع کی اور اس مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مسلسل چالیس سال تک اس مسجد انگور میں درس و تدریس دیتے رہے''(۲)۔

آپ کا تذکرہ کئی اور جگہ بھی کیا گیا ہے(۳)۔

---

(۱) خالد گیلانی: ڈائریکٹری راولپنڈی،۱۹۶۲ء،ص:۳۴۹ تا ۳۵۸۔
(آپ کا تفصیلی انٹرویو شائع ہوا) وشورش کاشمیری: بوئے گل، نالۂ دل دود چراغ محفل، جلد اول لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء، صفحہ ۸۷، ۱۵۹، ۱۶۴، اور ۲۰۲۔

(۲) اشرف عطا: کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے، لاہور مئی ۱۹۶۶ء، سندھ ساگر اکاڈمی، ص: ۲۹۰۔

(۳) عبدالقدوس رحمانی ہزاروی: صدیق اکبر، پشاور ۱۳۸۳ھ، منظوم عام پریس (کتاب کا انتساب آپ کے نام ہے)۔

مولانا احمد نور صاحب ہزاروی (۱) استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۸۸۰ء.................۱۹۶۲ء

آپ ۱۸۸۰ء کے قریب ''عنایت آباد بفہ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مولوی احمد جی صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کے والد بھی جید عالم تھے۔ اصلاً آلائی (آزاد قبائل) ہزارہ کے رہنے والے تھے۔۴۰ سال کے قریب ''مونگن''، میں امام رہے اور تدریس کرتے رہے۔

بچپن ''مونگن مچھپول'' (مانسہرہ) میں اپنے ننھیال کے ہاں گزارا۔ وہیں عین جوانی میں تحصیل علم کا شوق دامن گیر ہوا۔ پہلے ہزارہ پھر کیمبلپور کے علماء سے پڑھتے رہے۔اعلیٰ تعلیم کے لیے دیوبند میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند (۳)، مظاہر علوم سہارن پور (۱۳۳۹ھ تا ۱۳۴۲ھ) مدرسہ شاہی مراد آباد اور راندہیر سورت میں اعلیٰ

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرے کا مواد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سکندر پور، ہری پور ہزارہ اور مولانا عبدالقیوم فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲۔

(۳) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲ پر ''استاذ'' دارالعلوم دیوبند کا اندراج موجود ہے۔

تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری ہے۔

شادی: شادی بھی راندہیر سورت میں کی۔ آپ کی اولاد کی تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔

انتقال: راندہیر (سورت) میں ۱۹۶۲ء میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی (۱)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

''دارالعلوم میں آپ کے انتقال پر ایک تعزیتی نوٹ بھی شائع ہوا تھا'' (۲)۔

[آپ وسیع النظر محقق عالم تھے، دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، اور دارالعلوم اشرفیہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت مفتی صاحب کے علاوہ علّامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ، مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ جیسے تلامذہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا، مولانا محمد حسین صاحبؒ کے زمانہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث بنائے گئے، طویل عمر پائی سورت میں انتقال فرمایا، چونکہ اخیر عمر سورت میں گذاری اس لئے چوک بازار جامع مسجد کے قریب قبرستان میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً] (۳)

(۱) روایت مولانا عبدالقیوم فاضل دیوبند۔

(۲) روایت مولانا عبدالقیوم فاضل دیوبند، دارالعلوم (ماہنامہ) میں۔

(۳) حیات عبدالرحیم : ص ۸۵

مولانا گل حسن ہزاروی (۱)

۱۸۷۴ء...............۱۹۶۴ء

آپ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء کو محمد سلیمان بن مولانا محمد نصیر کے گھر ''بفہ'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر حضرت مولانا احمد صاحب سکندرپوری ہزاروی کے ہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ زاں بعد مولانا قطب الدین غورغشتوی سے بھی استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۹۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد واپس ''بفہ'' آ گئے اور اپنی قوم ''لغمانی'' کی مسجد میں اعزازی امامت وخطابت کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ''بفہ'' میں جمعہ کا اجراء آپ ہی نے کرایا تھا۔

تحریک خلافت میں علاقہ ''پکھلی'' کے صدر تھے۔ مولانا محمد اسحاق کے ساتھ مل کر نمایاں کام کیا۔ مولانا فضل ربی (۳) کی رشتہ داری اور تحریک

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند جناب مولانا محمد اسحاق صاحب سے لیا گیا ہے۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ ص:۱۔

(۳) مشہور مجاہد تحریک آزادی مولانا فضل ربی فاضل دیوبند آپ کی پھوپھی زاد بھائی تھے۔

خلافت میں حصہ لینے پر آپ پر مختلف الزامات رکھے گئے اور تین سال قید کی سزا دی گئی۔ ابھی تین ماہ کا عرصہ ہی جیل میں گزرا تھا کہ رہائی ہوگئی (۱)۔

وصال

۱۲ مارچ ۱۹۶۴ء کو بخار کی تکلیف سے ہری پور ہسپتال میں آپ کا وصال ہوا اور ۱۳ مارچ ۱۹۶۴ء کو بفہ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔

اولاد

اولاد میں جناب محمد ابراہیم، جناب حاجی محمد یونس صاحب اور جناب محمد اسحاق سکولوں کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔

---

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، اگست ۱۹۶۹ء، لاہور، دارالشفاء ایبٹ آباد، بار اول، ص: ۶۷۳ (آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے)۔
(استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول بفوی استاذ دارالعلوم دیوبند آپ کے بہنوئی تھے)۔

مولانا زکی الدین پشاوری (۱)

۱۹۰۴ء.................۱۹۶۵ء

آپ ۱۹۰۴ء کے لگ بھگ ''رزڑ''، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں حضرت مولانا مضیئ الدین ''صاحب حق'' کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر موضع ''ڈیرے'' (صوابی) مردان کے میاں صاحب اور مولانا مروت صاحب ساکن نوشہرہ سے چند کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد رسول خان ہزاروی، مولانا اصغر حسین سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد ''دارالعلوم عربیہ رزڑ'' میں اپنے والد صاحب کی معیت میں تدریس کا آغاز کیا۔ والد صاحب کے وصال کے بعد ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم عربیہ کے مہتمم اور جمعیۃ علماء افغان کے صدر مقرر کیے گئے۔

وصال: ۳۶ سال کے قریب اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے کر ۱۹۶۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند رضی الدین سیلاب، ظہیر الدین ایم، اے اور مولوی ریاض الدین ہیں۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد اور چھوٹے بھائی مولانا صبیح الدین فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

مولانا عبدالحنّان ہزاروی

۱۸۹۹ء.........................۱۹۶۶ء

آپ ۱۸۹۹ء کو ''جرید'' علاقہ کاغان، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی محمد امین سے گھر پر حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور فنون کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء کو علامہ انورشاہ کشمیری، علامہ محمد رسول خان ہزاروی، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا اعزاز علی اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی وغیرہم سے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ فراغت دیوبند کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی امیر انجمن خادم الدین لاہور سے ''قاسم العلوم'' میں تفسیر پڑھ کر سند تفسیر حاصل کی۔

خطابت

فراغت کے بعد آسٹریلیا مسجد لاہور میں دس سال کے قریب خطابت کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ تحریر و تقریر میں مہارت رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ بھی رہے، پھر احرار میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا کچھ مواد آپ کے بھتیجوں مولوی وحید الرحمٰن، حفظ الرحمٰن اور ہدایت الرحمٰن سے لیا گیا۔ نیز ماسٹر محبّ الرحمٰن ایس وی (ریٹائرڈ) نے بھی اعانت فرمائی۔

بخاری کے دست و بازو بنے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران قید و بند کی تکالیف بھی برداشت کیں۔

آخر میں ''بھوسہ منڈی'' راولپنڈی کے خطیب اور مدرسہ حنفیہ ورکشاپی محلّہ کے مہتمم تھے۔ اس دوران درس اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

وصال

ماہ اگست ۱۹۶۶ء کو ''بالاکوٹ'' میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

تعزیتی نوٹ

علامہ سید محمد یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں کہ

''مولانا عبدالحنّان صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے۔ حضرت امام العصر محمد انورشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تلمّذ حاصل تھا۔ طالبعلمی کے دور ہی سے علم و خطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اس زمانے میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے۔ نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے۔

عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کے رفیق رہے اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی رہے۔ دینی، سیاسی، غرض ہر موضوع کے لحاظ سے بہترین خطیب تھے۔ ختم نبوت کی تحریک میں قید و بند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے۔

آخر میں راولپنڈی مدرسہ حنفیہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اس طرح قاری محمد امین صاحب کی رفاقت و معیت میں ایک علمی درسگاہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بیکراں اور رضوان ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو، آمین۔

حریفاں بادھا خوردند و رفتند   تہی خم خانہا کردند و رفتند (۱)

مولانا سجاد بخاری لکھتے ہیں کہ

''حضرت مولانا عبدالحنّان! ملک کے مشہور عالم دین جمعیۃ علمائے

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری: بینات، ماہنامہ کراچی، اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص: ۱۱۔

اسلام راولپنڈی کے صدر حضرت مولانا عبدالحنانؒ صاحب (۱) ۷۲ سال کی عمر میں اپنے آبائی گاؤں (۲) میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'' (۳)۔

مولانا سمیع الحق لکھتے ہیں کہ

''مولانا عبدالحنّان صاحب ہزاروی جید عالم بہترین و بے بدل خطیب تھے۔ زندگی بھر ہر دینی و ملی تحریک میں نمایاں حصہ لیا'' (۴)۔

اولاد

اولاد میں آپ کے ایک فرزند مفتی مسعود احمد ہیں۔

آپ کا تذکرہ کئی اور مقامات پر نظر سے گزر رہا ہے (۵)۔

(۱) آپ کی صحیح عمر کوئی ۶۸ سال تھی۔ ۷۲ سال درست نہیں لکھی گئی۔

(۲) آپ کا انتقال بالاکوٹ میں ہوا، جب کہ آبائی گاؤں ''جرید'' تھا۔

(۳) سجاد بخاری: تعلیم القرآن، راولپنڈی، ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء، ص: ۳۸۔

(۴) مولانا سمیع الحق: ''الحق'' اکوڑہ خٹک (پشاور) اکتوبر ۱۹۶۶ء، اداریہ، ص: ۲، ۳۔

(۵) مولانا سید احمد رضا بجنوری: انوار الباری شرح بخاری، بجنور، حصہ دوم، ص: ۲۵۸، پر علامہ انور شاہ کے ممتاز تلامذہ میں۔ سید محمد ازہر، مولانا: حیات انور، دیوبند ۱۹۵۵ء، ص: ۲۹۷ ممتاز تلامذہ میں۔ عبدالحمید خان: مرد مؤمن، لاہور ۱۹۶۴ء، ص: ۱۲۹، حضرت مولانا احمد علی کے ممتاز تلامذہ میں۔ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۶۵۸، ۶۸۶۔ عثمان غنی: آہ مولانا عبدالحنان ہزاروی، خدام الدین (ہفت روزہ) لاہور، ۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء، ص: ۱۴۔ مولانا عبدالحنان: اکابر علماء ومشائخ کی رواداری وحسن ظن: دارالعلوم، جون: ۱۹۶۲ء، ص: ۳۷۔

مولانا شیخ عبدالحمید الھرمزی وزیرستانی (۱)

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء..................۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

آپ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء کو ''ھرمز'' ڈاک خانہ ''میر علی'' نارتھ وزیرستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر کچھ عرصہ تک پشاور میں بھی پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء کو مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا میاں اصغر حسین اور مولانا محمد رسول خاں ہزاروی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد چند ماہ تک خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں رہے۔

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو وطن واپس آئے۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں شادی ہوئی۔

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں دوبارہ تھانہ بھون میں حاضری دی اور تکمیل سلوک

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد محمد حکیم ایم اے لیکچرر اسلامیات گورنمنٹ کالج کوہاٹ سے لیا گیا۔

کے بعد خلافت سے نوازے گئے (۱)۔ پھر وطن واپس آ کر تمام عمر اصلاح رسوم اور تبلیغ و تدریس میں گزار دی۔ ذریعہ معاش کاشتکاری تھا، مگر تدریس میں ذریعہ معاش حائل نہ ہوسکا۔

وصال: ۱۵، ماہ کی علالت کے بعد ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند محمد اسماعیل............ ہیں (۲)۔

تصانیف: تصانیف میں چند رسائل غیر مطبوعہ ہیں (۳)۔

اصلاح خلق

اصلاح خلق باطن کا کام بھی جاری رہا۔ کئی حضرات نے آپ سے تکمیل کر کے خلافت حاصل کی (۴)۔

(۱) خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح، ج:۴، ص: ۱۳۵ تا ۱۳۸، ومفتی عزیز الرحمٰن بجنوری: تذکرہ مشائخ دیو بند، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۴ء، ص:۳۲۴۔

(۲) دوسرے کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

(۳) تصانیف کے نام بھی معلوم نہیں ہوسکے (تحقیق کے باوجود)۔

(۴) آپ کے خلفاء میں خیال محمد مولوی دیو بند، عبداللہ، شیر محمد، صوبیدار محمد دین، محمد حکیم ایم، اے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا مفتی عبداللطیف ڈیروی (۱)

۱۹۳۸ء..............................۱۹۶۸ء

آپ ۲ جنوری ۱۹۳۸ء کو ''عبدالخلیل''، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مولانا کمال الدین صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے ''اکبری خیل'' تھے۔ ناظرہ قرآن مجید وابتدائی تعلیم مولانا محمد صاحب سے حاصل کی۔ مقامی سکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ علم صرف کی کتابیں اپنے چچا مولانا عبداللہ صاحب سے پڑھیں، پھر مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث مولانا مفتی محمود صاحب سے پڑھتے رہے۔ دورۂ حدیث دارالعلوم کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا سحبان محمود صاحبؒ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ دورۂ تفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستیؒ سے پڑھ کر سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ''جامع العلوم'' عیدگاہ بھکر میں دو سال اور ''قاسم العلوم'' ملتان میں سات سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ کی طرف سے مفتی بھی آپ ہی تھے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے چھوٹے بھائی مولوی سعدالدین مدرس جامعہ حلیمہ درہ پینڈو تحصیل لکی مروت ضلع بنوں سے لیا گیا۔

(۲) سکول سرٹیفیکٹ پر یہی تاریخ ولادت ہے۔

وصال: ہیضہ کا شکار ہوئے اور ۲۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو ''قاسم العلوم'' ملتان میں وصال ہوا۔ مولانا مفتی محمود صاحب کی امامت میں ہزاروں مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، پھر آپ کو اپنے وطن لایا گیا اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن کیے گئے۔ میر افق کاظمی نے تاریخی قطعہ لکھا:

ہزار حیف کہ یک مفتی و مدرس دین — زبزم دہر بعہد شباب شد ناگاہ
بگفت میر افق کاظمی سن نقلش — وفات مفتی عبداللطیف حق آگاہ
۱۳۸۸ھ

مرثیہ

بروفات حسرت آیات مولانا عبداللطیف نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان

سمعت اليوم خبرا من قضاء — سفوكا للدموع وللدماء
فذاك الفقد للفلق اللطيف — وذاك الموت للمرء العلاء
فتى في جسمه قلب شريف — فسق في وجهه غرر البهاء
فتى أخياره لاحد عدا — وأذخر شخصه كل الحياء
تولد بالسعادة والهناء — وحصل من علوم الرضاء
فجاء الموت وهو بذكر حق — وفوض نفسه عندالنداء
نداء لاتعضل لاتوخر — نداء لاتحقق بالرجاء
فاخلت نفسه ثوب الفناء — وماحت نفسه ثوب البقاء

تلخص من حياة السجن حتى تمكن جنة عبدالعشاء
ألا ياأيها الشحب الذميم عليك تنبها عن ذا الفناء
أبدت ولا ئا بالك انت توذى عباداً ذات مجد والثّناء
عليك تصببا ياعين بكى عليك افاضة ما فى النساء
لان سماء غارب ارضا تبدّل صرح حسن بالخلاء(۱)

آپ کے بارے میں ''مشہو عالم دین کی وفات'' کے تحت لکھا گیا ہے کہ

''ہمیں یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا ہے کہ مشہور عالم دین، بہترین مفتی، اور قابل قدر دینی کارکن حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو ملتان میں بعارضہ ہیضہ وفات پا گئے ہیں، جن کو غسل دے کر جنازہ پڑھ کر رات ہی کو ان کے وطن ڈیرہ اسماعیل خان روانہ کر دیا گیا ہے......حضرت مفتی صاحب مرحوم کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، اس کے پُر ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی توقع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور مدرسہ قاسم العلوم اور جمعیۃ کو نعم البدل عطا فرمائے''(۲)۔

اولاد: محمد بن عبدالرحمٰن، عبدالماجد اور ایک لڑکی بی بی عائشہ ہیں۔

(۱) محمد عبدالواحد ندیم: رثاء مولانا عبداللطیف، خدام الدین، لاہور ۱۲ جون ۱۹۶۸ء، ص:۱۲۔
(۲) مدیر: مشہور عالم دین کی وفات، خدام الدین، لاہور ۲۶ اپریل ۱۹۶۸ء، ص:۶۔

عبدالغفور عباسی، ہزاروی ثم المدنی(۱) استاذ مدرسہ امینیہ، دہلی

۱۸۹۴ء............۱۹۶۹ء

آپ ۱۸۹۴ء میں ''جد بابر کلی'' کے مغربی کنارے'' ہاشم خیل بانڈہ'' علاقہ چغرزئی در بند ہری پور ہزارہ میں شاہ سید صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ عباسی تھے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ وہیں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے دورۂ حدیث حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں پانچ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس اثناء میں آپ کا قیام مسجد سبیل دہلی میں رہا۔

روحانی مسلک

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فضل علی قریشی ساکن مسکین پور ضلع مظفر گڑھ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے ہاں قیام کر کے خوب ریاضت ومجاہدہ کر کے ان سے خلافت حاصل کی اور جانشین ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا محمد یونس صاحب ساکن پائمال شریف سے خلافت ملی۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا عبداللہ ساکن جد باء بر کلی در بند، ہری پور ہزارہ سے لیا گیا۔

ہجرت مدینہ

۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء کو حج کے ارادے سے حجاز پہنچے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۳۳ سال کے قریب وہاں قیام رہا۔ آپ کی قیام گاہ ایک خانقاہ کی حیثیت رکھتی تھی، جس میں فیض حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔

جن حضرات نے روحانی اسباق کی تکمیل کر کے آپ سے خلافت حاصل کی، ان کی تعداد بھی خاصی ہے، جو عرب و عجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

وصال

یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ/۱۸ مئی ۱۹۶۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''جنت البقیع''، میں دفن کیے گئے۔ تاریخ وصال ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے یوں لکھی:

''بزم جنت یافت از راہ بقیع — رہنمائے راہ دیں عبدالغفور'' (۲)

یکشنبہ یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ — ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء

اولاد: اولاد میں چار فرزند اور چھ دختران ہیں: مولانا عبدالحق فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، عبدالرحمٰن، محمد سعید اور محمد شریف ہیں، جو اب بھی مدینہ منورہ میں قیام

(۱) ان میں مولانا عبدالحق عباسی مدینہ منورہ، مولانا لطف اللہ مدینہ منورہ، شیخ عبداللہ فارسی بحرین، کلیم اللہ شاہ مسکین پور ضلع مظفر گڑھ، مولانا عبدالرشید پھلن پور، مولانا فضل الرحمٰن ہزاروی استاذ حدیث دارالعلوم سرحد پشاور، مولانا سربلند خاں نواکلی، صوابی، مردان، مولانا محمد ادریس انصاری ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد رحیم یار خان، سید علاء الدین دارالسلام شیخوپورہ اور مولانا عبدالمالک چٹاگانگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۲) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: قطعۂ تاریخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی، بینات، شعبان ۱۳۸۹ھ کا آخری شعر، ص:۳۰۔

پذیر ہیں۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں ''مجموعہ دعوات فضلیہ'' (اردو) ''اوراد فضلیہ'' (عربی، اردو) ''اذکار نقشبندیہ'' (عربی، مطبوعہ مصر) اور ''مجموعہ اوراد غفوریہ'' ہیں۔

آپ کے علمی مقام کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ:

''آپ دارالعلوم کے فیض یافتہ اور آخری دورِ طالب علمی میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے مستفید ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ کے ممتاز مشائخ میں سے ہیں۔ اصل سے صوبۂ سرحد کے باشندے ہیں لیکن عرصۂ دراز سے مدینہ طیبہ میں مہاجر کی حیثیت سے مقیم ہیں اور حجازی قومیت اختیار فرما لی ہے۔ آپ پر غلبہ باطنی ارشادات و ہدایت کا ہے۔ سرحدی و پاکستانی لوگ بکثرت آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہیں۔ مدینہ منورہ میں آپ کا مقام سکونت ایک مستقل خانقاہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ہر وقت طالبوں اور مستفیدین کا مجمع لگا رہتا ہے۔ اس وقت حجاز میں آپ ممتاز مشائخ میں شمار ہوتے ہیں'' (۱)۔

کئی جرائد و مجلّات میں آپ کے وصال پر تعزیتی نوٹ اور اداریے

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ ڈائمنڈ آفسٹ پریس دہلی، جون ۱۹۶۵ء، طبع اول، ص:۷۷۔

شائع ہوئے (۱)۔

بعض کتابوں پر آپ کی تقاریظ کا علم بھی ہوا ہے (۲)۔

اسی طرح کئی کتابوں میں آپ کا تذکرہ آیا ہے۔ (۳)

(۱) بینات کراچی (ماہنامہ) جولائی ۱۹۶۹ء، اداریہ از قلم علامہ محمد یوسف بنوری، ص:۲، ۳۔ البلاغ کراچی (ماہنامہ) جولائی، ۱۹۶۹ء مسافران آخرت از حافظ محمد امیر علوی، ص: ۵۳۔ الحق، اکوڑہ، پشاور (ماہنامہ) اداریہ از مولانا سمیع الحق، ص:۲ تا ۴۔ الفرقان، لکھنؤ، ماہنامہ، اگست ۱۹۶۹ء مضمون، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۱۴ تا ۱۶ و ص: ۵۵۔ خدام الدین ہفت روزہ، لاہور مضمون مولانا محمد ادریس انصاری، ص:۱۷، ۱۸، ۲۲ اپریل ۱۹۷۰ء۔ ایضاً، ص:۴، ۵، ۱۳ مارچ ۱۹۷۰ء، و ۹ جنوری ۱۹۷۰ء، ص: ۱۵، ۱۶، ۱۸۔ ایضاً مضمون نصیر ہمایوں، ص:۱۳، ۱۴، ۲۹ اگست ۱۹۶۹ء۔ ایضاً، ص:۱۳، ۱۴ مضمون از محمد ادریس انصاری، ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ء۔ قاری فیوض الرحمٰن: مولانا عبدالغفور صاحب عباسی نقشبندی۔ البلاغ کراچی، ماہ ذی قعدہ وذی الحجہ ۱۳۹۵ھ، ص:۱۱۰ تا ۱۱۲۔

(۲) محمد ادریس انصاری، فیض الغفور، طبع دوم ۱۹۷۱ء، ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد، رحیم یار خان، ص:۳۔

(۳) محمد ادریس انصاری: ذکر الغفور، ناشر ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد بلا تاریخ، ص:۱۰ و ۱۱۳۔ محمد ادریس انصاری: قبولیت دعا اور اس کے طریقے، ایضاً، ص:۲، ۵۶، ۸۵۔ محمد ادریس انصاری: حالات ومقالات صوفیہ، ایضاً (لاہور) بار اول ۱۹۷۴ء، ص:۲۷، ۳۰۲۔ محمد ادریس انصاری: حالات ومقالات صحابہ، ایضاً ۱۹۷۴ء، ص:۳۱۳، ۳۱۴ و مولانا مدرار اللہ: تجلیات صدیقی، کراچی ۱۹۷۴ء، ص:۸۲، ۸۳۔

اور کئی کتابوں میں بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے (۱)۔

(۱) مولانا سید محمد ایوب بنوری: آئینہ دار العلوم سرحد، پشاور ۱۹۶۲ء، منظور عام پریس، ص:۲۱۔ و محمد عبدالرشید: انوار فضلیہ مجددیہ (مجموعہ ملفوظات)، حیدر آباد سندھ ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء، ص:۱۵۳ تا ۲۳۱۔

مولانا عبدالغفور ہزاروی

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء......۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

آپ بروز جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو مولوی عبدالحمید کے گھر ''چنبہ''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مکھڈ (کیمبلپور) میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے۔

زاں بعد جامع فتحیہ دہلی میں مولانا محبّ النبی صاحب، مولانا یار محمد بندیالوی اور مولانا مشتاق احمد کانپوری سے موقوف علیہ کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث بریلی میں مولانا شاہ حامد رضا صاحب سے پڑھا۔ سال فراغت کا علم نہیں ہوسکا۔

تدریس

فراغت کے بعد جامع مسجد حاجی پیر بخش کچہری روڈ گجرات میں اڑھائی سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۵ء میں وزیر آباد (سیالکوٹ) جانا ہوا۔ وہاں جامعہ نظامیہ غوثیہ کی بنیاد رکھی۔ رمضان المبارک میں تفسیر قرآن پڑھانے کا معمول تھا۔ تحریک شہید گنج، کشمیر، پاکستان اور ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں حصہ لیا۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں نے لکھا تھا ۔

میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا   چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا (۱)

مولانا ظفر علی خاں لکھتے ہیں کہ

(۱) منظور حسین قاسم: نوائے وقت، ۳۰ اگست ۱۹۷۴ء (مضمون)۔

''صدر مجلس اتحاد ملت وزیر آباد مولانا عبدالغفور ہزاروی جب بعزم حج بیت اللہ روانہ ہوئے، تو ان کے اعزاز میں رفیق عبداللطیف وزیر آبادی نے ایک پر تکلف دعوت دی، جس میں دوسرے احباب کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ احباب کی طرف سے اس تقریب کے لئے کچھ اشعار کا تقاضہ ہوا، جسے یوں پورا کیا گیا ۔

حج کو جانے والے ہیں عبدالغفور   آسمان برسا رہا ہے ان پہ نور
کس زبان سے ہو بیاں وصف آپ کا   آپ موسیٰ ہیں وزیر آباد طور
جا کے مکے میں کھجوریں کھائیں گے   اور رہے گا ان سے حلوہ دور دور
جا رہے ہیں پینے یثرب کی شراب   جس کے اندر ہے دو عالم کا سرور
جب مواجہ کی سعادت ہو نصیب   یاد رکھیں ہم غریبوں کو ضرور
ہے بریلی ہم صفیر دیوبند   اتحاد باہمی کا ہے ظہور
کانگریس ٹکرا رہی ہے لیگ سے   آرہا ہے عقل گاندھی میں فتور
شعر میری طرح کہہ سکتا نہیں   حقہ پینے کا نہیں جس کو شعور (۱)

وصال

۷ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ/۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو جمعہ کے دن صبح کے بعد واپسی پر لکھنؤ نالے سے گزرتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک کی زد میں آکر آپ کا

(۱) مولانا ظفر علی خاں: چمنستان، ص: ۲۱۰۔

وصال ہوا۔ نماز جنازہ آپ کے استاذ مولانا محبّ النبی صاحب نے پڑھائی۔ وزیر آباد میں دفن کئے گئے (۱)۔

(۱) منظور حسین قاسم: مولانا عبدالغفور ہزاروی، نوائے وقت، ۳۰ اگست ۱۹۷۴ء،

مولانا محمد اسحاق خطیب ہزاروی (۱)

۱۸۹۰ء............۱۹۷۱ء

آپ ''لسان'' علاقہ اپر تناول ہزارہ میں مولانا احمد گل لودہی کے گھر ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے چند درسی کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے دو سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے تیسرے سال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر اور پھر مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

خطابت

۱۹۲۲ء کو ایبٹ آباد صدر کی جامع کے خطیب مقرر ہوئے۔ امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند محمد الیاس لودہی سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص:۳۰۔

وصال

۹ رجب ۱۳۹۱ھ/۳۱، اگست ۱۹۷۱ء بروز منگل بوقت عصر وصال ہوا اور ''پنج پیر'' ایبٹ آباد میں دفن کئے گئے۔

نشتر رامپوری نے تاریخ وصال لکھی جو لوح مزار کی زینت بنی۔

زمانے کی ہر چیز ہے بے ثبات   ہے باقی وقائم خدا ہی کی ذات
سر حادثہ چھوڑ کر لکھو نشتر   ''خطیب ہزارہ'' نے پائی وفات

آپ جید عالم اور نڈر خطیب تھے۔ ۱۹۵۱ء میں پہلا اور ۱۹۶۴ء میں دوسرا حج کیا۔

تصنیفی خدمات

۱......السیف الفارق علی عنق الفاسق، بار دوم، صفحات ۳۲۔
۲......مخزن العلوم شرح سلم العلوم (قلمی)۔
۳......شرح میر قطبی (قلمی)۔
۴......شرح تصریح (قلمی)۔
۵......پردہ (۱)۔

اولاد: اولاد نرینہ میں آفتاب احمد، محمد الیاس لودہی اور محمد انوار ہیں۔

(۱) آپ کی تصانیف میں صرف ۱ اور ۵ ''پردہ'' مطبوعہ ہیں۔ غیر مطبوعہ آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔

مولانا مجیب اللہ لسوندی وزیرستانی

............۱۹۷۱ء

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''استاذ العلماء مولانا مجیب اللہ لسوندی خطیب جنوبی وزیرستان ۱۲ جون ۱۹۷۱ء قبل از نماز ظہر مقام زیارت بدر، تحیۃ الوضوء پڑھتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ پشتو اور فارسی کے مشہور شاعر و ادیب تھے۔ تحریک آزادی اور غازی امان اللہ مرحوم کے بارہ میں انقلابی نظمیں لکھیں۔ ان کی وفات سے وزیرستان کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ قارئین ''الحق'' سے رفع درجات کی دعا ہے''(۱)۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب خطیب جنوبی وزیرستان حضرت مولانا غور غشتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خصوصی اور خلیفہ مجاز ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ قبل از نماز ظہر در نماز تحیۃ الوضوء بتقاضائے الٰہی اس جہاں سے رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

مولانا ایک عالم باعمل تھے۔ تمام عمر رشد وہدایت میں صرف کی۔ رات دن ریاضت اور یاد خداوندی میں مصروف رہے۔ وطن کے عوام وخواص

(۱) ''الحق'' ماہنامہ اکوڑہ خٹک پشاور، شعبان ۱۳۹۱ھ، ص: ۵۷ (ادارہ)۔

آپ سے سیراب اور مستفید ہوتے رہے۔ نہایت سادہ مزاج تھے۔ آپ کے دیکھنے سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت گھر پر علوم ظاہر و باطن اور زائرین کا ہجوم ہوتا اور حضرت خود مہمان نوازی فرماتے۔ ایک مرد مجاہد ہونے کی بناء پر آپ کو حاجی مرزا علی خان نے ''فخر وزیرستان'' کا خطاب دیا تھا، جس کے نعرۂ تکبیر سے برطانیہ جیسی جابر حکومت کے دل میں اب تک ناسور ہے۔ حضرت کا انتقال ایک عظیم نعمت کا زوال ہے اور حضرت کو جنت الفردوس نصیب کریں اور پسماندگان کو اللہ صبر جمیل اور ان کا صحیح جانشین بنائے .... ہم حضرت کے اہل وعیال خصوصاً صاحبزادہ محمود الحسن صاحب کے ساتھ غم میں برابر کے شریک ہیں'' (۱)۔

(۱) خدام الدین ہفت روزہ لاہور (تبلیغ نمبر) ۱۷ ستمبر ۱۹۷۱ء، عنوان ''موت العالم موت العالم''۔

مولانا محمد نعمان بیدڑوی ہزاروی (۱)

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

آپ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کو مولوی زکی اللہ قریشی کے گھر ''بیدڑہ'' ڈاکخانہ دیب گراں، مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خاکی (مانسہرہ) میں حاصل کی، پھر شاہ محمد (ہری پور) مولانا سکندر علی صاحب سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تین سال تک وہاں پڑھتے رہے۔ دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی سے پڑھا۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور آخری وقت تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

وصال: ۱۹ شعبان ۱۳۹۱ھ/۱۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو سول ہسپتال ایبٹ آباد میں آپ کا وصال ہوا اور ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ''بیدڑہ'' کے مشہور قبرستان ''سید ضامن شاہ'' میں دفن کئے گئے۔

اولاد: آپ ہزارہ کے مشہور عالم مولانا حمید الدین مانسہروی کے داماد تھے۔ اولاد میں ایک فرزند محمد منظور اور ایک دختر ثریا ثروت ہیں۔ وفات پر تعزیتی نوٹ بھی شائع ہوا (۲)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے داماد مولوی محمد اشرف صاحب مانسہروی سے لیا گیا۔

(۲) خدام الدین: لاہور ہفت روزہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔

مولانا عبد العلی ہزاروی (۱)

۱۸۷۵ء............۱۹۷۲ء

آپ ۱۸۷۵ء کو مولانا محمود علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ اصل وطن ''بانیان'' علاقہ ٹکری بٹگرام ہزارہ ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد رسول خاں آپ کو اپنے ہمراہ مدرسہ ''امداد الاسلام'' میرٹھ لے گئے۔ وہاں اپنے بڑے بھائی صاحب سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور تین سال تک تدریس کرتے رہے۔ اس دوران قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ زاں بعد عربی مدرسہ نگینہ ضلع بجنور میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر کچھ عرصہ محلّہ شولہ پٹالم مدراس میں رہے۔ زاں بعد ''جامع بڑی میٹ'' میں خطابت کے ساتھ تدریس کرتے رہے۔ اس دوران چمڑے کی تجارت بھی شروع کر دی اور دینی خدمات اعزازی

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی محمد عثمان صاحب سے لیا گیا۔
(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص:۲۔

طور پر انجام دیتے رہے۔

حج

پہلا حج نگینہ سے اور چار بڑی میٹ مدراس سے کئے۔

وصال

۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو حرکت قلب بند ہونے سے وہیں آپ کا وصال ہوا اور ''پرسواکم'' نامی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

''ترجمان الاسلام'' لاہور میں تعزیتی نوٹ بھی شائع ہوا (۱)۔

(۱) ترجمان اسلام، لاہور بابت ۱۶ جون ۱۹۷۲ء۔

مولانا قاضی عبدالرب پشاوری (۱)

۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء......۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

آپ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء کو قصبہ ''زیارت کا کاخیل''، تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں مولانا قاضی درمکنون کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے گھر پہ حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد اسماعیل طوروی مردانی کی خدمت میں ۴ سال رہ کر مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عبدالرب دہلی میں داخلہ لیا۔پہلے تین چار سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالعلی صاحب کے علاوہ مولانا سیف الرحمٰن فتحپوری، مولانا قطب الدین غوغشتوی اور مولانا پردل صاحب کے نام بھی آتے ہیں۔

تدریس

فراغت کے بعد انجمن حمایت اسلام نوشہرہ کے ہائی سکول میں تین سال تک تدریس کی، پھر مدرسہ نصرت الاسلام کاکاخیل کا جب افتتاح ہوا، تو اس میں آپ نے مدرس اول کے منصب پر ۱۶ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔زاں بعد

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا عبدالقدوس صاحب صدر شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی (سابقاً) سے لیا گیا۔

جمرود پشاور میں خطیب مقرر ہوئے اور آخری وقت تک درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کے ذریعے عوام کی اصلاح کرتے رہے۔۱۹۳۵ء میں حج بیت اللہ کی سعادت ملی۔

وصال

آپ ۴۰ سال سے دمہ اور ۱۴ سال سے دل کے مریض تھے۔انہی بیماریوں سے جمادی الاولیٰ شب جمعہ ۱۳۹۲ھ/۳۰ جون ۱۹۷۲ء کو ڈیڑھ بجے آپ کا وصال ہوا۔تعزیتی نوٹ بھی شائع ہوا(۱)۔

تصنیفی خدمات

۱.....پیغمبر اسلام............ جو سیرت النبی کمیٹی پٹی ضلع لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔اس کا پشتو ترجمہ کر کے شائع کروایا گیا۔

۲......قصص القرآن: ۳۰۰ کے قریب صفحات (زیر طباعت)۔

اولاد

اولاد میں مولانا حافظ عبدالقدوس صاحب فاضل دیوبند، مولانا ڈاکٹر عبدالسبوح صاحب فاضل دیوبند پی ایچ ڈی، مولانا حسین احمد، حکیم عطاء الرحمٰن اور ڈاکٹر عتیق الرحمٰن ریڈیالوجسٹ لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور ہیں۔

آپ کا ذکر ایک اور جگہ بھی آیا ہے (۲)۔

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری: بینات (ماہنامہ) کراچی، شعبان ۱۳۹۳ھ/اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص:۱۳۰، اداریہ۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، لاہور ۱۹۷۲ء، ج:۲، ص:۱۵۰ (مولانا عبدالقدوس صاحب کے تذکرہ میں)۔

مولانا شیر زمان ہزاروی (۱)

۱۸۹۱ء............۱۹۷۲ء

آپ ۱۸۹۱ء کو ''بفہ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں جناب لطف اللہ خان سواتی کے گھر پیدا ہوئے۔ پرائمری سکول کی تعلیم مقامی سکول میں مکمل کی۔

دینی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور از اول تا آخر تمام کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مدرسہ رمضان کلکتہ میں ۴ سال تک تدریس کرتے رہے۔ اس عرصۂ تدریس میں سید حسین شہید سہروردی نے آپ سے ایم اے عربی کی کتابیں پڑھیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں چھ ماہ تک ''ریسرچ مولوی'' کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ناظم تعلیمات سلہٹ کے آرڈر پر گورنمنٹ مدرسہ عالیہ سلہٹ تشریف لے گئے اور وہاں ۲۷ سال تک آپ نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ آخر میں ۹ سال تک اس مدرسہ کے پرنسپل

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ براہ راست آپ کے گھر بفہ میں جا کر آپ سے لیا گیا اور قلمی تصانیف کے مسودے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اب یہ مسودے آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ شائع کرانے کی فکر میں ہیں۔

بھی رہے۔

۱۹۴۷ء میں وہاں سے واپسی ہوئی اور پھر بفہ میں قیام رہا۔ کچھ کچھ تدریسی شغل آخر تک رہا۔

وصال: ۱۱ ستمبر ۱۹۷۲ء کو بفہ میں آپ کا وصال ہوا (۱)۔

اولاد: اولاد میں چار فرزند عزیز الرحمٰن، سعید الاسلام، امین الاسلام اور ولی اللہ خان ہیں۔

بیعت: بیعت کا تعلق اپنے استاذ مولانا محمود حسن صاحب سے تھا۔

تصنیفی خدمات

۱......انتباہ الرقود فی حل سنن ابی داؤد (صرف کتاب الصلاۃ)، صفحات ۲۶۰، (قلمی)۔

۲......فرحۃ القاری علی صحیح البخاری، صفحات ۱۶۸ (قلمی)۔

کئی اور کتابوں میں بھی آپ کا تذکرہ نظر سے گزرا ہے (۲)۔

(۱) ہفت روزہ خدام الدین ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء، راقم کا مضمون، ۶، اکتوبر ۱۹۷۲ء، مؤخر الذکر شمارہ میں خبر انتقال شائع ہوئی۔

(۲) محمد نصر اللہ خان: مولانا رحمت علی خان سامی: گجرات ۱۹۶۶ء (مولانا رحمت علی سامی کی کتاب پر اردو تقریظ، ص:۴) وعربی تقریظ، ص:۳۲، ۳۳، وکفایت اللہ مفتی، دہلوی: النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص:۸۰ پر تائیدی دستخط مع پتہ ثبت ہیں۔

مولانا غلام حیدر ہزاروی (۱)

۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء............۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

آپ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں ''نوگرام'' علاقہ الائی بٹگرام ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت کی سند حاصل کی۔ بیعت کا تعلق بھی انہی سے تھا اور انہی سے مجاز بھی ہوئے۔

تدریس: فراغت کے بعد اپنے علاقے میں تدریس کا آغاز کیا اور آخر وقت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال

۴ شعبان ۱۳۹۲ھ/۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء کو آپ کا اپنے گاؤں ''نوگرام'' میں وصال ہوا۔ مولانا نوگرامی کی وفات کے تحت لکھا گیا ہے:

''علمی حلقوں کے لئے یہ خبر موجب غم ہوگی کہ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء مطابق ۴ شعبان ۱۳۹۲ھ علاقہ الائی، بٹگرام ہزارہ کے حضرت مولانا غلام حیدر صاحب نوگرامی انتقال کر گئے۔ ان کی عمر سو سال تھی۔ موصوف حضرت شیخ الہند کے شاگرد خصوصی اور خلیفہ مجاز تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام آلائی بالا کے امیر تھے۔ ساری زندگی درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں بسر کی''۔

(۱) مولانا محمد ایوب: مولانا نوگرامی کی وفات ''الحق'' (ماہنامہ) شوال ۱۳۹۲ھ، ص: ۵۸۔

مولانا قیاس گل کاکاخیل (۱)

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء......۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

آپ حضرت شیخ رحمکار کاکاخیل صاحب کے پوتے شیخ زین العابدین بازگل صاحب کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں زیارت کاکاخیل میں جناب فوائد گل صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔

تربیت ماموں فخر قوم میاں حمید گل صاحب (م دسمبر ۱۹۳۰ء) نے کی اور پھر دارالعلوم دیوبند بھجوایا اور اخراجات کے لیے ماہ بماہ دارالعلوم دیوبند میں انہیں رقم بھیجتے رہے۔ آپ نے نہایت محنت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ دارالعلوم کے ہر امتحان میں امتیازی شان سے کامیاب ہوتے تھے۔

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا میاں اصغر حسین، اور حضرت مولانا رسول خاں ہزاروی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اساتذہ کے ارشاد کے مطابق ''مدرسہ اشاعۃ العلوم

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کی تیاری میں آپ کے شاگرد مولانا مفتی سیاح الدین صاحب سے امداد لی گئی ہے۔

بریلی"میں تدریس کا آغاز کیا اور چند سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ تدریس کرتے رہے، پھر وطن واپس آئے، تو مدرسہ "نصرۃ الاسلام" میں مدرس مقرر ہوئے۔

زاں بعد ہنگو ضلع کوہاٹ کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی طلبہ کو علوم وفنون کی کتب پڑھاتے رہے۔۱۹۳۰-۱۹۴۹ء آپ کا ہنگو میں قیام رہا۔آپ کے تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔

۱۹۵۰ء میں نواب تناول فرید خاں مرحوم نے عقیدت ومحبت کی بناء پر آپ کو ہنگو سے دربند بلالیا اور دربند مسجد کے خطیب مقرر کر دیئے گئے۔

وصال

رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ/اکتوبر ۱۹۷۲ء زیارت کاکا صاحب میں وصال ہوا۔

ایک اور کتاب میں آپ کا ذکر آیا ہے(۱)۔

(۱) سیاح الدین مفتی مولانا: تذکرہ شیخ رحمکار، لائل پور ۱۹۵۱ء، ص:۱۵۲۔

مولانا عبدالعزیز ہزاروی(۱)

۱۹۲۲ء..................۱۹۷۳ء

آپ ۱۹۲۲ء کو "ملوکڑہ"، تحصیل بٹگرام، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور وہیں سے تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنی سے بھی پڑھا(۲)۔

الٰہ آباد یونیورسٹی سے مولوی عالم اور مولوی فاضل اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔فراغت کے بعد لاہور آئے اور پھر آب ودانہ کی کشش نے کوئٹہ پہنچا دیا۔ وہاں اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس دینیات مقرر ہوئے اور ساتھ ہی مدرسہ "مطلع العلوم" میں تدریس بھی کرتے رہے۔پھر "دارالرشاد" کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریس کا شغل جاری رکھا۔ جامع مسجد متصل چمن گیٹ میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔آپ صوبہ بلوچستان جماعت اسلامی کے امیر تھے۔۱۲اپریل ۱۹۷۳ء کو

(۱) سوانحی تذکرہ کے مواد کے سلسلہ میں داؤد کوثر مانسہرہ کا تعاون بھی حاصل رہا۔

(۲) "لیل ونہار" (ہفت روزہ) لاہور، بابت ۱۴ تا ۲۰ اپریل، صاحب مضمون مسلم قریشی، ص:۲۸۔

آپ کا وہیں وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

تصنیفی خدمات

آپ کی تصانیف میں احکام القرآن (اردو ترجمہ)، سوشلزم اور دین و مذہب، سید قطب کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' کے کچھ اجزاء کا نا تمام ترجمہ اور ''سورۂ بقرہ'' زیر طبع ہیں۔

آپ کا تذکرہ کئی جگہ نظر سے گزرا ہے(۱)۔

---

(۱) روزنامہ جسارت کراچی ۲۲ اپریل ۱۹۷۳ء، صاحب مضمون: محمد شہاب الدین (تصویر اور دو خطوط)۔

(''ایشیا'' لاہور (ہفت روزہ) ۲۲ اپریل ۱۹۷۳ء، مولانا مودودی صاحب کا تعزیتی بیان، صفحہ اول اور اندر کے صفحات میں طفیل محمد، متین فکری اور فقیر حسین کے تعزیتی مضامین شائع ہوئے)۔

مولانا محمد فرقان ہزاروی (۱)

۱۹۳۴ء............۱۹۷۳ء

آپ ۱۹۳۴ء کو ''بھنگیاں'' بالاکوٹ تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام خلیل الرحمٰن ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے ماموں مولانا عبد اللطیف فاضل دیوبند سے حاصل کی، پھر مولانا انور شاہ ہزاروی سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور پہنچے۔ یہاں مولانا غازی شاہ سے چند کتب کا درس لیا، پھر ''جامعہ اشرفیہ'' میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۹ء میں مولانا رسول خان ہزاروی اور مولانا ادریس کاندھلوی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد چند مدرسوں میں تدریس کرنے کے بعد آخر میں ''جامعہ مدینہ'' کریم پارک لاہور میں تدریس پہ مامور ہوئے۔ ۸ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس تدریس کے دوران جامعہ مدنیہ سے آتے ہوئے ایک گاڑی کی زد میں آکر واصل بحق ہوئے۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد براہ راست آپ سے لیا گیا تھا۔

مولانا حامد میاں تعزیتی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ

''۱۳ نومبر ۱۹۷۳ء/۱۷ شوال ۱۳۹۳ھ بروز سہ شنبہ جامعہ کے ایک قابل مدرس مولانا فرقان صاحب بالاکوٹی کا منی بس سے ایکسیڈنٹ ہوا......مولانا کے داہنے کان کے اوپر سر میں دوانچ چوڑا اور کافی گہرا زخم آیا تھا۔ خون باہر کم نکلا اور زیادہ اندر ہی اندر جاتا رہا۔اس قدر شدید زخم میں اور بے ہوشی کی کیفیت میں پونے دس بجے شب یہ نوجوان اس دار دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ......مولانا فرقان صاحب نہایت نیک سیرت، خاموش طبع، علم دوست اور تعلیم و تعلّم طبع عالم تھے۔افسوس کہ عمر صرف ۳۹ سال ہوئی..........''(۱)۔

(۱) مولانا حامد میاں: انوار مدینہ، لاہور، ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ/نومبر و دسمبر ۱۹۷۳ء، ص: ۶، ۷، تعزیتی نوٹ۔

مولانا حکیم عبدالحق ڈیروی

۱۹۱۹ء..........۱۹۷۴ء

آپ ۱۹۱۹ء کو توران تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم: اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔علم طب کی تحصیل بھی کی، مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں سے فراغت ہوئی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد اپنے قصبہ ''توران'' میں تدریس کا آغاز کیا اور ایک عرصے تک مطب کے ساتھ تدریس جاری رکھی۔

صوفیانہ مسلک: حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب خانقاہ یٰسین زئی پنیالہ سے ارادت کا تعلق تھا۔

سیاسی مسلک: جمعیۃ علماء اسلام کے امیر تھے۔

وصال

۲۸ جون ۱۹۷۴ء کو بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا اور ''توران'' ہی میں دفن کئے گئے (۱)۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

(۱) آپ کے اس سے زیادہ حالات ابھی تک نہیں مل سکے۔

"حضرت مولانا حکیم عبدالحق فاضل دیوبند سابق امیر جمعیۃ علماء اسلام ڈیرہ اسماعیل خان سکنہ توران علاقہ ٹانک کا تقریباً ۵۵ سال کی عمر میں ۲۸ جون ۱۹۷۴ء بروز جمعہ انتقال ہوا۔

مرحوم نہایت ذہین وفطین عالم تھے۔ ساری زندگی علمی، عملی، سیاسی اور دینی خدمات میں گزاری۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں۔ مولانا مفتی محمود صاحب کے مرشد حضرت حافظ عبدالعزیز قدس سرہ خانقاہ یٰسین زئی پنیالہ سے ارادت کا تعلق تھا۔ کتب تصوف وتفسیر سے خاص شغف تھا۔ مسائل میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایام مرض وفات میں "معارف اولیاء الرحمٰن" کے نام سے ایک مجموعہ مرتب فرمایا اور ایک عجیب وصیت نامہ بھی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے نہایت سرگرم کارکن تھے اور نہایت حاذق طبیب تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو نہایت بہترین مقامات قرب سے نوازے۔ قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے"(۱)۔

(۱) مولانا سمیع الحق: ماہنامہ الحق، جولائی/اگست ۱۹۷۴ء، اکوڑہ خٹک پشاور، تعزیتی نوٹ، ص:۲۶۔

جناب مولانا محمد یوسف صاحب عباسی مردانی (۱)

۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء............۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

آپ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کے لگ بھگ "طورو" ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی پھر متحدہ ہندوستان کی مختلف درسگاہوں میں پڑھتے رہے۔ معقول اور فلسفہ کی آخری کتابیں حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی سے پڑھیں۔ ۱۳۴۶ھ کو ڈابھیل حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے دورۂ حدیث پڑھا۔ امتحان میں مولانا محمد یوسف بنوری اول اور آپ دوم آئے۔

فراغت کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کے ذریعہ "بنارس" میں مسند تدریس پر پہنچے اور ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس اثناء میں تجارت کی طرف مائل ہوئے اور تدریس کے ساتھ تجارت کرنے لگے۔

پھر واپس طورو آئے اور "ھوتی" بازار مردان میں تجارت کرنے لگے لیکن اس عرصہ میں بھی علم سے تعلق آخر تک رہا۔ کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات (لیکچرز) کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے یہاں تک کہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو وصال ہوا۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا زیادہ تر مواد مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کے تعزیتی نوٹ سے لیا گیا ہے۔

ماہنامہ ''بیّنات'' کراچی محرم الحرام ۱۳۹۵ھ کے تعزیتی ادارتی نوٹ میں مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں کہ

''اس طالبعلمی کے زمانے میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق ومحبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس وتسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا۔ دورۂ حدیث میں اول آنے کے لیے وہ محنت کی کہ باید وشاید۔

اس وقت یہ مشہور تھا کہ ''یوسفین'' میں سے کوئی اول آئے گا۔ اتفاق سے جب قرعہ راقم الحروف کے نام نکل آیا، تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا۔

فراغت کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی سے تعلق بڑھ گیا تھا۔ انہی کے ذریعے مسند تدریس تک پہنچے۔ بنارس میں خدمت تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکا پڑ گیا اور اس میں خاصا انہماک بلکہ غلو ہوا۔ مرحوم ازراہ ہمدردی ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تھے تاکہ عوام میں ذلیل نہ ہوں۔

بہرحال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے۔ مردان کے ''ھوتی'' بازار میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا۔

کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا......انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے سرفراز

فرمائے، آمین''

مولانا عبدالمالک صاحب(۱)

۱۸۹۸ء..................۱۹۷۴ء

آپ ۱۸۹۸ء کو مولانا عبدالقیوم صاحب کے گھر ''سرڈھیری'' چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنے بڑے بھائی مولانا حبیب گل صاحب کے ساتھ مدرسہ فتح پوری دہلی میں داخلہ لیا اور تین سال تک پڑھتے رہے پھر وطن واپس آ کر ''طفل خیل'' (بنوں) اور ''لکی مروت'' (بنوں) کے علماء سے استفادہ کیا۔علم فقہ کی تحصیل مولانا عبدالخالق صاحب آف گڑھی کپوڑہ سے کی۔ کچھ عرصہ چھچھ (کیمبلپور) میں پڑھتے رہے۔دورۂ حدیث کی تکمیل مولانا عبدالقادر صاحب سرکی گیٹ پشاور سے کی۔

فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں تدریس کا آغاز کیا اور چالیس پچاس سال تک تدریسی خدمات انجام دے کر ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ کو ۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز پیر انتقال ہوا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' راولپنڈی میں آپ

---

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' راولپنڈی، بابت ۷ فروری ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں اکبر شاہ صاحب سرڈھیری، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے قلم سے شائع ہوا۔ یہ مواد زیادہ تر اسی سے لیا گیا ہے۔

کے انتقال پر تعزیتی نوٹ لکھا ہے۔اس کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

''حضرت مولانا عبدالمالک صاحب ان دیندار اور ذمہ دار علماء میں سے تھے جن کی عمر ہمیشہ ارتداد و الحاد اور بے دینی کے خلاف خرچ ہوئی۔تبلیغی جماعت میں ان کی کارگزاری قابل رشک ہے .... یہ حق گوئی کا ایک ستون تھا جس سے ہم محروم ہو گئے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور ان کے برخورداروں اور جناب میاں اکبر شاہ صاحب کو صبر عطا فرمائے'' آمین(۱)۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہاجر مدنی نقشبندی سے تھا۔

آپ کے صدقات جاریہ میں سرڈھیری کی عید گاہ، ایک مسجد اور دارالعلوم دینیہ ہیں۔

---

(۱) مولانا غلام غوث ہزاروی کا تعزیتی نوٹ بھی ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' کے شمارہ ۷ فروری ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

مولانا محمد عرفان ہزاروی

۱۸۹۹ء..........۱۹۷۴ء

ولادت

آپ ۱۸۹۹ء کو ''ڈھانگری''(۱) مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام کریم اللہ تھا۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی پھر نحو و منطق کی کتابیں ''پنجاڑاں''، تحصیل چکوال، ضلع جہلم کے مشہور نحوی اور منطقی استاد مولانا ثناء اللہ سے پڑھیں۔ زاں بعد آپ ''غورغشتی''، ضلع کیمبلپور کے مشہور عالم مولانا نصیرالدین صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ''ہدایہ'' پڑھی۔ زاں بعد آپ ریاست ''مینڈھو علی گڑھ'' پہنچے۔ وہاں اپنے ہم وطن اور ہم نام......مولانا محمد عرفان سے چند کتابوں کا درس لیا، پھر مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا محمد شفیع صاحب سے مشکوۃ اور جلالین پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۲ھ میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سندالفراغ حاصل کی۔ آپ کے

(۱) ''ڈہانگری''، مانسہرہ شہر سے جانب غرب کوئی تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دیوبند کے مشہور اساتذہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا میاں اصغر حسین اور مولانا محمد رسول خان ہزاروی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک آپ نے لائلپور کی جامع میں خطابت کے فرائض انجام دیئے پھر ''چک جھمرہ'' لائلپور کی جامع مسجد میں خطابت کے ساتھ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ایک طویل عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد وطن واپس آگئے اور یہاں طلبہ کو حسبۃً للہ پڑھانا شروع کیا۔ یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''مولانا محمد عرفان صاحب موضع ''ڈہانگری''، تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولوی کریم اللہ صاحب ہے۔ آپ نے ۱۳۴۲ھ بزمانہ اہتمام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ تربیتِ اخلاق کے سلسلے میں آپ حضرت مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے بیعت ہوئے۔

فراغت کے بعد جامع مسجد لائلپور میں میاں فتح اللہ صاحب کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعدازاں ''گلہ مہاراں''، ضلع سیالکوٹ

میں مدرس رہے، پھر چودہ سال تک ''منڈی جھمرہ'' میں بحیثیت خطیب کام کیا۔ اس وقت مانسہرہ میں مقیم ہیں۔

زمانۂ تدریس میں آپ نے قطبی، شرح جامی، مختصر المعانی، شرح وقایہ، ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، جلالین، نورالانوار اور حسامی تک کتابیں پڑھائیں۔ آپ نے عمر کے آخری حصہ میں قرآن مجید حفظ کیا ہے اور اب دن رات کلام پاک کی تلاوت سے شغف ہے''(۱)۔

وصال: ۱۹۷۲ء میں آپ کا وصال ہوا اور ''ڈھانگری'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: آپ کی چار دختران اور تین فرزند حافظ محمد زکریا، محمد یحییٰ اور حافظ محمد الیاس ہیں۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا محمد شعیب ہزاروی حال میاں علی شیخوپورہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۲) اور مولانا عبدالرحیم فاضل دیوبند اوکاڑوی ہیں(۳)۔

---

(۱) دفتر دستار بندی دارالعلوم دیوبند: دارالعلوم، دیوبند، دسمبر ۱۹۶۲ء، ص: ۳۶۔

(۲) قاری فیوض الرحمٰن: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء، لاہور، پاکستان بک سنٹر، ۱۹۷۶ء، ص: ۲۴۵۔

(۳) قاری فیوض الرحمٰن: حضرت مولانا محمد عرفاں مانسہروی، ترجمان اسلام، لاہور، ۲۴ نومبر ۱۹۷۲ء، ص: ۱۵۔

مولانا عبدالودود مردانی

...........۱۹۷۵ء

''ماہ صفر ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں ''گڑھی کپورہ'' ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص وصالح عالم دین مولانا حافظ عبدالودود صاحب واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی۔ جمعیۃ علماء احناف یوسف زئی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے۔ کچھ عرصہ جمعیۃ علماء اسلام کے لیے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ (مولانا شبیر احمد) عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

مرحوم سنجیدہ، باوقار اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بہبودی والوں سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اسی طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے۔

تراویح میں ختم قرآن کا معمول رہا۔ صرف آخری رمضان میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲ پارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے۔

شب وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ تہجد کے لئے پانی رکھوایا۔ عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح قفس عنصری سے

پرواز کرگئی۔

حق تعالیٰ مغفرت ورحمت ورضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔

آمین''(۱)۔

(۱) ماہنامہ بینات کراچی، بصائر وعبر، تعزیتی نوٹ مولانا محمد یوسف بنوری، بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ/جون ۱۹۷۵ء، ص:۸۔

مولانا سید محمد زکریا بنوری پشاوری

۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء............۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

آپ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کے لگ بھگ پشاور میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا سید مزمل شاہ بنوری تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کن اساتذہ سے حاصل کی، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔

آپ کے بارے میں مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے۔ ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' پڑھاتے تھے۔ درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے۔ اس وقت اتفاق سے علم کلام کا مسئلہ ''خلق افعال عباد'' جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا۔ شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سمجھاتے رہے۔ درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے، حضرت شیخ جوابات دیتے رہے۔ فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے۔ حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بارہا فرمایا کہ ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ۔ امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

تصانیف

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے۔

۱...... مطالع الأنوار في فضائل أهل بيت النبي المختار (عربی)۔

۲...... ایضاح المشکلات (اردو) اس میں اردو میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں ہیں۔ دو جلدوں میں ہے۔

۳...... المبشر ات: اپنے خوابوں کو جمع فرمایا ہے اور ''تعلیقات'' میں ان کی تعبیرات ''عبیر المسر ات'' کے نام سے لکھی ہے۔

۴...... مسئلہ روح ونفس: یہ مقالہ مجلس علمی کراچی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

وصال

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ/ ۵ جون ۱۹۷۵ء بروز جمعرات دن کے پونے دس بجے کراچی میں وصال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی (۱)۔

تاریخہائے وصال

تاریخہائے وصال میں سے صرف دو تین ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

(۱) سوانحی تذکرہ کا اکثر مواد مولانا سید محمد یوسف بنوری کے ''بینات'' میں شائع شدہ مضمون سے لیا گیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۳۹۵ھ، ص:۲ تا ۱۱ پر شائع ہوا تھا۔

۱...... تاریخہائے وصال مولوی حاجی زکریا بنوری

۱۹۷۵ء

۲...... ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ جل مجدہ لابد

۱۹۷۵ء

۳...... وقال اللہ جل جلالہ ووحیہ

فوقاھم اللہ شر ذلک الیوم (۱)۔

۱۹۷۵ء

(۱) مولانا محمد احمد تھانوی: بینات کراچی، شعبان ۱۳۹۵ھ، ص:۱۴۔

مولانا خلیفہ محمد ڈیروی

۱۳۴۱ھ......۱۳۹۵ھ/۱۹۲۴ء......۱۹۷۵ء

ولادت

آپ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۴ء کو ''پنیالہ''، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ افغان قوم کے مشہور قبیلے ''یحییٰ خیل'' کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام خلیفہ محمد صدیق ہے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ بقیہ اکثر کتب اپنے بڑے بھائی مولانا مفتی محمود صاحب سے پڑھیں۔ ۱۹۳۸ء میں مڈل کا امتحان گورنمنٹ مڈل سکول پنیالہ سے امتیازی پوزیشن لے کر پاس کیا۔

اعلیٰ تعلیم: اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۵۱ء میں مدرسہ ''قاسم العلوم'' ملتان میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا غلام محمد، مولانا قاضی محمد نور، صاحبزادہ جان محمد اور مولانا غلام رسول خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد واپس ''عبدالخیل'' آئے اور وہاں آخر وقت تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

صوفیانہ مسلک: آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم سے سلسلۂ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔

وصال: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ/۱۹ دسمبر ۱۹۷۵ء بروز جمعہ المبارک واصل بحق ہوئے اور ''عبدالخیل'' میں دفن کئے گئے۔

اولاد: آپ کی چار دختران اور اتنے ہی فرزند ہیں۔ ان میں بڑے عنایت اللہ ہیں۔

ممتاز تلامذہ: آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی (۱)، مولانا مفتی احمد جان (۲)، مولانا مفتی عبداللطیف (۳)، مولانا عبدالحلیم (۴)، مولانا محمود ڈیروی (۵)، مولانا سعد الدین (۶)، مولانا ریاض الدین (۷)، اور مولانا محمد نواز (۸) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تعزیتی نوٹ اور مرثیہ

آپ کے وصال پر دینی رسائل میں تعزیتی نوٹ اور ایک عربی مرثیہ بھی شائع ہوا۔ مرثیہ کے اشعار ہمراہ ہیں۔

---

(۱) مولانا جامعہ اشرفیہ لاہور میں استاذ حدیث ہیں۔ عربی علم وادب کے مایۂ ناز ادیب اور شاعر ہیں۔ مرثیہ عربی انہی کے قلم سے ہے۔

(۲) مدرس مدرسہ اشرف المدارس، لائل پور۔

(۳) قاسم العلوم ملتان میں مفتی اور استاذ تھے۔ ہیضہ کا شکار ہو کر ۱۹۶۸ء میں وصال ہوا۔

(۴) و (۵) مدرسین مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

(۶) مدرس مدرسہ جامعہ رشیدیہ بھکر ضلع میانوالی۔

(۷) مدرس مدرسہ دارالھدیٰ بھکر،

(۸) مدرس جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، پشاور۔

استاذ مخدوم معظم مبجل عارف باللہ مولانا خلیفہ محمد رحمہ اللہ عبدالخیلی ۔

۱۵ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۷۵ء بروز جمعہ المبارک کی وفات پر

غم کے چند آنسو

محمد موسیٰ عفی عنہ روحانی بازی

ممات على موت مقيم ومقصد   وجرح على جرح يميل ويزيد
ومازلت أبكي واحدا بعد واحد   يموت من الإخوان والموت يوعد
ويرعد موت كل ناد مناديا   حذار لكل نوبة ثم موعد
تفتت قلبي إذ نعي الناس شيخنا   وصاحوا الا مات الكريم محمد
شريف فخيم فاضل ملء ثوبه   وأورع ملء القلب أزكى وأزهد
وضاقت جهات الأرض طرا وأظلمت   ولم أدر ماقد كنت أدري وأقصد
أحن إلى شيخي لو الوصل ممكن   وأسرى لالقى ليت جدي يسعد
سقى الله عبدالخليل إذ كان شيخنا   بها كان يتلوا الدهر والله يعبد
فمالك ياجفني دمعت لفقده   وقد كنت مشهورا بأنك أجمد
ذهبت قد استاسرت أفئدة الورى   فكل فؤاد في ضريحك مصفد
فوا حسرتا ماكان ظني أن أرى   زمانا أرثيك شيخي وأنشد
فتبكيك أفلاك وبيد وأنجم   وأرض بها قد كنت تتلو وتسجد
وأبكيت محمودا وفلذات قلبه   ألم يكف ما أبكاه من قبل أحمد
وكنا كندماني جذيمة حقبة   من الدهر حتى قيل لانتبدد
فلما تفرقنا ومات كأنني   بطول اجتماع لم يزرني محمد

ولاتعجبوا من شرعة الموت أنه   مكر على تشتيت شمل ومرعد
ومن عاش دهرا مات يوما بحسرة   ومن مات فات الطالبين وأن يدوا
ومااينفع العمر الطويل فإنه   على طوله يمسي قصيرا وينفد
يمر لنا عام ويوم وساعة   ونغرب من قبر وماكان يبعد
رويدك لاتنس المقابر والبكى   على موتك الآتي إذا أنت تلحد
ألا أي لهو وهوى قد أصبته   على ثقة فاعلم يبيد وتفقد
رعى الله عمر الوصل والوصل   طيب بخان محمد عد فعودك أحمد
وإني إذا ورق الحمام ترنمت   ذكرت بعبد الخيل ماكنت أعهد
جنيت أعزرائيل زهرا تصوحت   به روضنا إذ كان يهدي ويرشد
أصيب العلى والفضل والخلق والسنا   بفاجعة إذ قيل مات محمد
خليلي كفا عن ملامي فإنني   فقدت فؤادي حين فاظ محمد
حياة الورى البستان أزهارها الورى   وأحسنها في العصر طيبا محمد
ونخبة عصر لايمل جليسه   لما عمه الخلق الكريم المحمد
ومات ولهفي لم أفز من لقائه   بادني الذي يرتاده المتزود
دعوني أخلائي وعيني ودمعها   وثنوا أحاديث الحبيب ورددوا
فإن لم تكن الأيام فرقن بيننا   فقد بان محمودا وقد كان يحمد
وألقى علينا جرجرا موت شيخنا   يداس به دوسا قلوب وأكبد
لقد صرف الله المكاره عنكم   أقرة عين الدين إنك سيد
وقد كنت بستان المكارم والعلى   تزيل هموم النازلين وتطرد

لبست المعالي فهو ثوب مطبق — على قدك الأسنى وأنت ممجد
فإن غبت عن عيني فوالله لم تغب — عن القلب إذ نار المودة توقد
وإنك حي يا خليفة لم تمت — وهل مات من ذكراه في الناس سرمد
أتاك غريب مفرد رب هب له — جنانا وريحانا وروحا تخلد
ونور ضريح الشيخ "ربي" فطالما — يبيت ويبكي في رضاك يسهد
وكان حميد الخلق فاقبل شهادتي — فإنا على تقواه يارب نشهد
وأمرك ربي في الأناس نافذ — سواء عليهم أن يطيعوا ويجحدوا
ووجهك باق غير وجهك زائل — وإياك ربي نستعين ونعبد (۱)

(۱) محمد موسیٰ: غم کے آنسو، خدام الدین، لاہور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۱۷ تا ۲۰۔

مولانا خان بہادر المعروف بہ مارتنگ ملا صاحب (۱)

۱۸۹۸ء..........۱۹۷۶ء

آپ ۱۹۱۶ھ/۱۸۹۸ء کو "ڈیری" دیدل کماچ، علاقہ چغرزئی سوات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی پھر ہزارہ میں بغرض تحصیل علم آئے۔ زاں بعد چھچھ (کیمبلپور) چلے گئے، پھر مدرسہ نعمانیہ دہلی میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے۔ زاں بعد مدرسہ قافلہ ٹونک میں مولانا سیف الرحمٰن پشاوری صدر مدرس اور دیگر اساتذہ سے تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ نائب صدر مدرس مولانا حیدر حسن ٹونکی سے حمداللہ کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ یہاں سے جب مولانا سیف الرحمٰن بطور صدر مدرس فتح پوری دہلی تشریف لے جانے لگے تو آپ بھی ۱۳۳۰ھ میں جا وہاں داخل ہوئے اور تین سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ یہاں صدر مدرس کے علاوہ مولانا قطب الدین غورغشتوی کیمبلپوری سے بھی آپ پڑھتے رہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد انہی کے تلمیذ خاص مولانا غلام نبی گلاوٹھی ضلع بلندشہر فتح پوری آئے جن کے تبحر علمی کی وجہ سے مولانا سیف الرحمٰن انہیں "علم کا تھیلا" کہا کرتے تھے۔ ان سے بھی آپ پڑھتے رہے۔

۱۳۳۳ھ میں مولانا قطب الدین "مینڈھو" ضلع علی گڑھ میں برائے

(۱) مولانا فضل مولیٰ: الحق: مارتنگ ملا صاحب: اکوڑہ، شوال، ذیقعدہ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ (تین قسطوں کا خلاصہ ہے)۔

تدریس تشریف لے گئے، تو آپ بھی ان کی خدمت میں جا پہنچے اور دو تین سال تک ان سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم: ۱۳۳۵ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری کو داخلہ کا امتحان دے کر کامیابی سے وہاں داخلہ لیا، مگر آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے امروھہ چلے گئے اور وہاں حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروھوی سے ۱۳۳۶ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد آپ واپس آئے اور مارتنگ میں اپنے چچا کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا اور تقریباً بیس پچیس سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۴۵ھء کو دارالعلوم ''سیدو شریف'' سوات میں بطور صدر مدرس و شیخ الحدیث آپ کا تقرر ہوا اور تیس سال کے قریب درس حدیث دیتے رہے۔ دارالعلوم مظہر العلوم مینگوڑہ سوات میں بھی تدریس کی۔ ۱۹۴۸ء کو حج کی سعادت حاصل کی۔ وہاں حضرت مولانا عبد الغفور مہاجر مدنی کے توسط سے وہاں کے علماء سے ملاقاتیں ہوئیں اور شیخ سنوسی ترکی سے اجازت حدیث کی سند حاصل کی۔

صوفیانہ مسلک

پہلی بیعت حضرت ولی احمد المعروف بہ ''سنڈا کی بابا'' کے ہاتھ پر

ہوئی، پھر مولانا عبد الرزاق کی طرف سے طریقۂ قادریہ میں مجاز بیعت قرار دیے گئے۔ علاقہ میں آپ کی تبلیغی و تدریسی خدمات سے دینی انقلاب پیدا ہوا۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''۲۳ رجب ۱۳۹۶ھ بروز جمعرات زوال آفتاب کے بعد تین بجے ہزارہ کے کوہستانی علاقوں میں علم وفضل کا ایک ایسا آفتاب غروب ہو گیا جس کی ضیاباریوں پون صدی تک ایک عالم فیض یاب ہوتا رہا۔ بقیۃ السلف، شیخ الکل، جامع المعقول والمنقول علامہ مولانا خان بہادر عرف مولانا مارتنگ صاحب قدس سرہ العزیز کا انتقال ہو گیا۔ عمر مبارک ۸۰، ۸۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ پچھلے چند سالوں سے صاحب فراش تھے۔ جمعرات کی ظہر کو دورۂ قلب پڑا اور تھوڑی دیر بعد واصل بحق ہو گئے۔ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد انہیں اپنے گاؤں مارتنگ علاقہ چکیسر کے خاندانی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا رشید احمد نے پڑھائی اور دشوار گزار راستوں کے باوجود اطراف واکناف سے علماء، صلحا اور عام مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔ حضرت مرحوم بھی ان اکابر علم وفضل میں سے تھے، جن کی ذات علم وعمل، زہد وتقوی، تبحر ورسوخ کی جامع اور شریعت وطریقت کی سنگم ہوتی ہے۔ ایسی عبقری شخصیتوں کے حالات ہم صرف کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں۔

زوال اندارس علم کے اس دور میں ایسے نمونے عنقا نہیں، تو کمیاب ضرور ہیں۔ مولانا مرحوم نے ساری زندگی دینی اور علوم دین کی تدریس میں گزاری۔ تصوف وسلوک، اصلاح وتزکیۂ نفوس کے کام میں بلند مقام پر فائز تھے۔ علوم عقلیہ، منطق، ریاضی اور فلسفہ میں تو اپنے دور میں ''امامت'' کا منصب رکھتے تھے، مگر اس زمانے میں معقولات کے کلاسیکی کتابوں پر کامل عبور اور دن رات مطالعہ وتدریس کے باوجود مشاغل اور باطنی وظاہری کیفیات واحوال پر خشک عقلیت اور فلسفیانہ خصوصیات کا سایہ تک نہیں پڑا تھا بلکہ زندگی عبادات واعمال اور توجہ الی اللہ، استغراق وانابت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نام ونمود اور نمائش سے کوسوں دور اور کفاف حیات پر قانع وصابر رہے۔ فقر وسادگی کی ایسی تصویر کہ ہر ہر حرکت سے سادگی اور بے نفسی ٹپکتی تھی۔ بانی ریاست سوات میاں گل عبد الودود صاحب کے نہ صرف مقربین میں سے، بلکہ ان کے مقتداء اور استاذ تھے، مگر اصرار کے باوجود ان کے شاہی محل میں قیام اور تمام شاہی مراعات پر مینگورہ کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرہ میں طلبہ کے ساتھ گھاس اور چٹائیوں پر سکونت کو ترجیح دی............ علمی تعمق اور پختگی بے مثال تھی اور حافظہ بے نظیر، معقولات کے علاوہ علوم حدیث میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

زندگی کا ایک بڑا حصہ درس وتدریس میں گزارا۔ دارالعلوم کے لیے علم اور دین کے رشتوں کے علاوہ جس نے مشرق ومغرب کے اہل علم اور مسلمانوں کو

ایک دھاگے میں باندھ رکھا ہے، مولانا مرحوم کی خصوصی عنایتوں نے سانحہ کی شدت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ دعا ہے کہ مرحوم کی برکات جاری وساری رہیں اور ان کے تمام متوسلین اور اقارب کو صبر وجمیل نصیب ہو'' (۱)۔

(۱) مولانا سمیع الحق: الحق، اکوڑہ: آہ، مولانا مارتونگ مرحوم، ستمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۸۔

مولانا حبیب اللہ پشاوری

آپ کے بارے میں مولانا بہاء الحق قاسمی لکھتے ہیں کہ

’’آپ کے آباؤ اجداد کشمیر سے پشاور آئے تھے۔ وہیں آپ کی پیدائش ہوئی اور وہیں آپ نے پرورش اور تعلیم بھی پائی تھی۔ بعد میں امرتسر میں اقامت فرمائی اور وہیں عمر کا بقیہ حصہ درس وتدریس میں گزارا اور امرتسر ہی میں فوت ہو کر مسجد جامع میاں محمد جان مرحوم کے حجرہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر مبارک اب بھی وہاں موجود ہے۔

آپ مولانا حافظ دراز صاحب پشاوری محشّی قاضی مبارک وشارح بخاری شریف (متوفی ۱۸۴۷ء) کے قابل تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے ’’عشرہ مبشرہ‘‘ اور ’’ابطال شرذمہ‘‘ کے نام سے دو نہایت فاضلانہ کتابیں لکھی تھیں، جن میں بعض اختلافی فقہی مسائل میں مذہب حنفی کے دلائل بیان فرمائے اور اعتراضات کے محققانہ جواب دیئے تھے۔ سن وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

’’عشرہ مبشرہ‘‘ مطبوعہ ۱۲۹۸ھ کا ذکر فہرست کتب خانہ سردار الحکماء حیدرآباد دکن، ص: ۲۳۵۳، وفہرست کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ج: ۲، ص: ۱۳۹۲ میں ملتا ہے‘‘ (۱)۔

(۱) مولانا بہاء الحق قاسمی: تذکرہ اسلاف، لاہور ۱۹۶۲ء، ص: ۱۲۲، ۱۲۳ (اپنے والد مولانا مفتی پیر غلام رسول قاسمی کے اساتذہ میں تذکرہ کیا ہے)۔

مولانا محمد حسین ہزاروی

آپ ’’کیلگ‘‘، تحصیل ہری پور ہزارہ میں مولوی نذیر احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت اور وفات کا علم باوجود تحقیق کے نہیں ہوسکا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۱)۔

تدریس: فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور تدریس کا آغاز کیا پھر زندگی فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دیتے گزری۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

’’جناب مولانا محمد حسین صاحب تکمیل علم کے لیے ہندوستان کے مختلف مدارس میں پڑھتے رہے۔ آخر دارالعلوم دیوبند پہنچ کر سند فراغت حاصل کی جب تکمیل علم کر چکے، تو واپس موضع ’’کیلگ‘‘ آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ کا درس دیتے۔ اس تمام علاقہ میں آپ علم میراث کے جاننے میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے شاگرد علاقہ آزاد گلگت، پونچھ اور کشمیر میں اس وقت بھی صاحب درس اور صاحب افتاء ہیں‘‘ (۲)۔

(۱) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص: ۱۔

(۲) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ص: ۳۲۱۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند مولانا عبدالحق، مولوی احمد اور مولوی محمد صاحبان تھے۔

(آپ کی اولاد کے سلسلے کی ایک کڑی محمد افضل ایم۔اے، بی ایڈ ہیں)۔

مولانا محمد اکبر پشاوری

آپ کے بارے میں مولانا سید حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ

''دارالعلوم کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ یاغستان ہی کے باشندے ہیں۔ علمی قابلیت بہت اعلیٰ درجے کی رکھتے ہیں۔ فنون عقلیہ سے فارغ ہو کر دارالعلوم میں داخل ہوئے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علم حدیث پڑھا، پھر ساؤتھ افریقہ میں علمی خدمات اور امامت کے لیے چلے گئے۔ وہاں سے چند برسوں کے بعد واپس ہو کر اپنے وطن میں مقیم تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جہاد آزادی میں شامل ہونے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یاغستانی خوانین کے آپس کے اختلافات اور پرانی عداوتیں، جو کہ ان میں سالہا سال سے چلی آتی تھیں، دور ہوئیں۔ سب میں اتفاق اور اتحاد پیدا کیا گیا اور جہاد آزادی کی صفوف میں کھڑا کیا گیا۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہیں یا نہیں''(۱)۔

---

(۱) حسین احمد، سید، مولانا، مدنی: نقش حیات، ج:۲، ص:۱۹۸، دیوبند ۱۹۵۴ء۔

مولانا فضل الرحمٰن پشاوری

آپ مولانا سیف الرحمٰن ساکن ''متھرا'' علاقہ ہشنغر، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور کے حقیقی بھتیجے ہیں۔آپ کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے:

''۸۱......فضل الرحمٰن مولوی: مولوی سیف الرحمٰن کا بھتیجا ہے۔اس کا باپ بہت عرصہ تک دہلی میں رہا اور پھر ریاست ٹونک میں متوطن ہوگیا۔اس نے فتح پوری کے مدرسہ اور ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' میں تعلیم پائی ہے۔۱۹۱۳ء میں ''پنڈت بھوج دت'' کے اسکول واقع آگرہ میں عربی کا استاذ تھا، جہاں وہ مقامی ترکی ریلیف فنڈ کمیٹی کا ممبر بھی تھا۔ جنگ بلقان کے دوران اس نے روپے جمع کرنے میں مدد کی تھی پھر وہ نواکھلی کے مدرسہ احمدیہ میں ''ہیڈ مولوی'' بن گیا۔۱۹۱۶ء میں دلّی کے سینٹ اسٹیفن اسکول میں عربی کا استاذ اور بعد میں نظارہ کے عملہ میں سیکنڈ مولوی مقرر ہوا، جہاں اس کی سازشی جہاد ممبروں سے ملاقات رہتی تھی لیکن یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ وہ خود سازش سے متعلق تھا یا نہیں''(۱)۔

(۱) مولانا سید محمد میاں: تحریک شیخ الہند، انگریزی سرکا کی زبان میں، لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ، باراول (پاکستان) ص:۴۲۲۔

مولانا نیاز محمد بنوی

۱۳۱۵ھ/۱۸۹۵ء............۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

آپ قصبہ'' ناور خیل''، تحصیل لکی مروت، ضلع بنوں میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔آپ کے والد مولانا جان محمد (م ۱۹۰۵ء) بھی ایک معتبر عالم تھے جن کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری۔

ابتدائی تعلیم: آپ دس سال کے تھے کہ والد صاحب انتقال کر گئے۔ان کے انتقال کے بعد آپ کی تربیت بڑے بھائی مولانا یار محمد نے کی۔

فنون مروجہ کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد عظیم ساکن بیگو خیل، مولانا زبیر محمد ساکن کوٹلہ کشمیر، مولانا سید خان ساکن لنگر خیل ہاتھی خان، مولانا پائندہ خان ساکن دبک مندرہ خیل، مولانا سراج الدین ساکن خیروخیل پکّہ اور مولانا نجم الدین ساکن تجوڑی سے پڑھیں اور کتب عالیہ کا درس ''مینڈھو'' ضلع علی گڑھ میں مولانا قطب الدین غورغشتوی، مولانا محمد عرفان ہزاروی، مولانا محمد حنیف وزیرستانی، مولانا عبدالواحد بہاری اور مولانا عبدالسلام قندہاری سے لیا۔

اعلیٰ تعلیم: دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں ۱۳۳۴ھ میں مولانا مفتی کفایت اللہ سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔دوسرے اساتذۂ حدیث میں مولانا ضیاء الحق دیوبندی اور مولانا خدا بخش کے بھی نام آتے ہیں۔سند میں آپ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں:

''وهو مرضي الخصائل، رضي الشمائل ، ذكي الفهم ، ثاقب

الـذهن، سليم الطبيعة، متوقد القريحة، أقام فينا مرضياً محموداً وفارقنا و نحن عنه راضون''.

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور اپنے قصبہ ''نادر خیل'' میں تدریس کا آغاز کیا۔ صبح سے شام تک پڑھانے کا معمول تھا۔

دارالعلوم کی بنیاد: مدرسہ عربیہ ''دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت'' کی ۱۴، شوال ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء کو آپ نے بنیاد رکھی جو آخر تک آپ کے اہتمام میں چلتا رہا اور اب بھی چل رہا ہے۔ آپ نے چالیس سال سے زائد کا عرصہ اعلیٰ تدریسی خدمات میں گزارا۔

وصال: ۸ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ/ یکم نومبر ۱۹۷۶ء شب دوشنبہ کو ایک بجے واصل بحق ہوئے اور گاؤں کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

تصانیف: ''حرمت غنا'' اور ''تحقیق حرف ضاد'' آپ کی علمی یادگار ہیں۔ یہ دونوں ابھی طبع نہیں ہوئیں۔

اولاد: اولاد میں تین عالم فرزند مولانا فضل احمد، مولانا فضل اللہ اور مولانا حمید اللہ جان چھوڑے ہیں۔

ممتاز تلامذہ: ممتاز تلامذہ میں اپنے ان فرزندوں کے علاوہ علاقہ کے سینکڑوں علماء کے نام آتے ہیں (۱)۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا حمید اللہ جان سے لیا گیا تھا۔ اب مفصل تذکرہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی فروری ۱۹۷۷ء میں عزیز الرحمٰن کے قلم سے بھی آیا ہے، ص: ۵۱تا۵۶۔

باب پنجم (ب)

مولانا محمد حسین داتوی ہزاروی (۱)

م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء

آپ کی جائے پیدائش اور تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا (۲)۔

آپ نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور فراغت کہاں سے ہوئی، اس کا بھی پتہ نہیں چل سکا (۳)۔

تدریس

فراغت علوم کے بعد سکندر پور (ہری پور) داتہ (مانسہرہ) اور شہیلیہ (مانسہرہ) کے مقامات پر ایک عرصۂ دراز تک تدریس کرتے رہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کے حلقہ درس میں ہزارہ کے علاوہ کشمیر، کابل، بخارا، اور سمرقند کے طلبہ شریک رہا کرتے تھے (۴)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے مفتی حبیب الرحمٰن ساکن ایبٹ آباد سے لیا گیا۔

(۲) و (۳) دونوں باتوں کا علم آپ کے پوتے مفتی حبیب الرحمٰن سے نہ ہوسکا۔

(۴) روایت مفتی حبیب الرحمٰن۔

لارڈ ایبٹ نے آپ سے چند علمی سوالات کیئے۔ جب آپ نے ان کا صحیح علمی جواب دیا، تو انہوں نے آپ کو حکومت کی طرف سے ''عہدۂ قضا'' کی پیشکش کی جسے آپ کی غیور اور خوددار طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ کہیں اس میں ضمیر فروشی نہ ہو (۱)۔

بیعت کا تعلق تحصیل صوابی، مردان کے حضرت کوٹھا سے تھا۔

وصال

۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء کو ''شہیلیہ'' (مانسہرہ) میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند مفتی قاضی عزیز الرحمٰن، مولانا عبدالکریم اور مولانا عبدالرحمٰن تھے۔

(۱) روایت مفتی حبیب الرحمٰن۔

مولانا فضل الرحمٰن ہزاروی (۱)

۱۸۳۰ء............۱۸۸۵ء

آپ ۱۸۳۰ء میں ''مینئی''، تحصیل صوابی، ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے پٹھان تھے۔ آپ نے سند الفراغ کہاں سے حاصل کی، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی، البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ سندھ کے کسی مدرسے سے فراغت پائی تھی۔

پھر ترک سکونت کر کے ''میر پور کلاں'' (۲) ایبٹ آباد ہزارہ میں آ کر آباد ہو گئے۔

تدریس

میر پور میں آخری وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وفات

۱۸۸۵ء میں آپ کی وفات ہوئی اور میر پور کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

آپ کے پانچ فرزندوں میں سے دو مولانا مہر علی اور مولوی علاء الدین (م ۱۸۹۸ء در مکہ معظّمہ) ہی کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد محمد یونس خان، ایم اے سے لیا گیا۔

(۲) میر پور کلاں، مانسہرہ روڈ پر ایبٹ آباد سے ۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

مولانا میاں حسیب گل کاکاخیل پشاوری (۱)

۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء......۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء

آپ میاں ضمیر گل کاکاخیل کے گھر ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء کے لگ بھگ ''زیارت کاکا صاحب''، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تعلیم ''زیارت کاکا'' ہی میں مکمل کی۔

تصنیفی خدمات

۱......نقش نگین: یہ مرآۃ العروس کا پشتو میں ترجمہ ہے۔ ترجمہ کیا ہے، آپ نے اسے مستقل کتاب کی شکل دے دی ہے۔ اہل زبان کا کہنا ہے کہ یہ پشتو زبان کا شاہکار ہے (۲)۔

۲...... قصہ عجیب وغریب: اس قصہ کو دیکھنے کے لئے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا، وہاں سے نقل کر کے لائے، پھر منظوم پشتو میں ۱۳۰۱ھ میں مکمل کیا۔

۳......دافع الغم: قصہ اصحاب کہف مفصل، کسی فارسی کتاب سے منظوم پشتو میں کیا گیا ہے۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل سے لیا گیا ہے۔

(۲) یہ کتاب اگست ۱۹۵۷ء میں مولانا انوار الحق صابر کاکاخیل کے توسط سے مکتبہ انوار الاشاعت سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ باقی تراجم غیر مطبوعہ ہیں۔

۴......قصہ مہر و ماہ: یہ بھی کسی فارسی کتاب کا منظوم پشتو میں ترجمہ ہے۔

۵...... زاد الفرح: مشہور فارسی کتاب ''انوار سہیلی'' کا پشتو نظم میں ترجمہ جو ۱۲۹۳ھ میں مکمل ہوا۔

۶...... مجموعہ رسائل: (پشتو) نثر میں مسئلہ قضا وقدر اور کچھ دوسرے رسائل پر مشتمل ہے۔

۷......کشکول: ایک ضخیم بیاض کی صورت میں۔

وصال

زیارت کا کاخیل میں میٹھے پانی کا انتظام نہ تھا۔ ۲ میل کے فاصلے سے میٹھے پانی کے چشمے کو زیارت میں لانے کے لئے تقریباً ۱۵ سال تک تنہا کوہکنی کی۔ جوئے شیر گو نہ لا سکے، مگر پانی لانے کے لئے زبردست کوشش کی۔ آخر ایک سکھ تحصیلدار کی مزید اجتماعی مدد سے وہ پانی آج بھی وہاں کے لوگ پی رہے ہیں۔ اسے کھودتے ہوئے ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء کو وصال ہوا۔

مولانا مہر علی خان ہزاروی (۱)

۱۸۴۵ء.........۱۸۹۹ء

آپ مولانا فضل الرحمٰن کے فرزند تھے۔ ۱۸۴۵ء میں ''میر پور کلاں'' ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے سندھ تشریف لے گئے۔ وہیں سے سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریس

فراغت کے بعد واپس وطن آکر تدریس کا آغاز کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک تدریس کرتے رہے۔

تصانیف

قرآن مجید کے حواشی اور اولیائے سندھ (فارسی) آپ کی قلمی یادگار ہیں۔

وفات: ۱۸۹۹ء میں وفات پائی اور میر پور میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں عبدالکریم (م ۱۹۴۰ء)، حاجی مولوی غلام ربانی (م ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء) اور محمد ظاہر مرحوم تھے۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد پروفیسر محمد یونس خان، ایم اے (انگریزی) سے لیا گیا۔

(۲) مدرسہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

مولانا عبدالرحیم ہزاروی (۱)

۱۸۵۵ء............۱۹۰۸ء

آپ ۱۸۵۵ء کو ''بانڈی عطائی خان''، تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں مولانا محمد جی کے گھر پیدا ہوئے۔ بچپن اپنے ننہیال کے ہاں ''ڈہینڈہ'' ہری پور ہزارہ میں گزرا۔

''ڈہینڈہ'' کے عرصۂ قیام میں حضرت مولانا محمد معصوم صاحب سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور وہیں سے سندالفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ رامپور میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ پاک وہند میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ''بانڈی عطائی خان'' کے اعزاہ کے شدید اصرار پر وطن آنا ہوا، پھر خان الٰہی بخش کے اصرار پر ''بھیڑی بانڈی'' تشریف لے گئے۔ وہاں دم واپسیں تک تدریس کرتے رہے۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا عبدالرؤف خطیب جامع مسجد گھاس منڈی ایبٹ آباد سے لیا گیا۔

وصال

''بھیڑی بانڈی'' ہی میں بیمار ہوئے اور ''بانڈی عطائی خان'' لائے گئے، جہاں ۲۲ رجب ۱۳۲۶ھ/۲ فروری ۱۹۰۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ

''حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی آپ کے تبحر علمی کے قائل تھے''(۱)۔

---

(۱) روایت مولانا عبدالرؤف صاحب۔

مولانا محمد یعقوب ہزاروی (۱)

۱۸۶۰ء......۱۹۱۵ء

آپ ۱۸۶۰ء کو ''سوکال'' امب دربند ہزارہ میں مولوی محمد حیات گل کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم منگلور مانسہرہ میں حاصل کی پھر ملتان چلے گئے۔ وہاں مولانا منہاج الدین ہزاروی سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر دین امرتسر میں ۷ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں پھر وطن واپس آگئے اور والیٔ امب کی طرف سے جامع دربند کے خطیب اور علاقہ کے قاضی مقرر کردیئے گئے۔ زندگی کے آخری ایام ''چمٹی'' ہزارہ میں تدریس کرتے ہوئے گزرے۔ مرض استسقاء کے عارضہ سے ۱۹۱۵ء میں ''سوکال'' میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

ممتاز تلامذہ: ممتاز تلامذہ میں مولانا محمد اسحاق خطیب ہزارہ مرحوم، مولانا عزیز الرحمٰن فاضل دیوبند ایبٹ آباد، مولانا قاضی محمد عمر فاضل دیوبند، قاضی ''بیر بٹ'' ہزارہ شامل ہیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا عزیز الرحمٰن مہتمم امداد العلوم ملک پورہ ایبٹ آباد سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲۔

(۳) چمٹی، شیروان ایبٹ آباد سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

مولانا میاں عبداللہ کاکاخیل پشاوری

۱۸۳۶ء......۱۹۱۷ء

آپ روز چہارشنبہ ۸ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء کو ''زیارت کاکا صاحب'' تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں میاں ابرار شاہ صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم اپنے چچا مولانا مردان شاہ صاحب سے حاصل کی پھر علاقے کے جید علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور انہی سے تکمیل کی۔ آپ معقول ومنقول دونوں کے جامع تھے۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ۵۸ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے قاضی صاحب بٹ خیلہ سوات، قاضی شاہ علاقہ باجوڑ، مولانا رحیم اللہ جان علاقہ تناول ہزارہ، مولانا عبدالقہار صاحب نوشہرہ کلاں پشاور، قاضی عصمت اللہ صاحب زیارت کاکا صاحب، مولانا حکیم سعد گل صاحب، مولانا باچا میاں، مولانا میاں مسرت شاہ صاحب، میاں حمیم گل صاحب اور مولانا عُزیر گل صاحب اسیر مالٹا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱......مصدر السرور: یہ علم نحو کی کتاب عبدالغفور کا حاشیہ ہے، جو مطبع نول کشور سے ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء کو شائع ہوا اور اتنا مقبول ہوا کہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نول کشور

(انڈیا) کے مطبوعہ نسخہ کا عکس لے کر قندہار کے کتب فروشوں نے اسے اپنے ہاں چھاپ لیا ہے جسے افغانستان میں بڑے شوق کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے۔

۲......تفسیر حسنی: یہ دراصل تفسیر حسینی کا پشتو زبان میں ترجمہ ہے اور اس کے ساتھ حاشیہ پر مختصر تفسیر بھی ہے۔ کریمی پریس بمبئی سے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔

۳۔ الفیہ: علم نحو میں فارسی نظم میں یہ آپ کا ایک رسالہ ہے، جو ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں شائع ہوا۔ مطبع کا علم اب تک نہیں ہو سکا۔

۴۔حاشیہ بدیع المیزان (علم منطق) ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء......غیر مطبوعہ۔

۵۔حاشیہ شرح میر زاہد بر رسالہ قطبیہ (علم منطق) ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء، غیر مطبوعہ

۶......تعلیقات بر قاضی مبارک (علم منطق) ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء، غیر مطبوعہ

۷...... حاشیہ شرح ملا جامی، دو ضخیم جلدوں میں (علم نحو) ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء، غیر مطبوعہ

۸......شرح بر منہیات مسلم الثبوت (علم الاصول) عربی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۳ء، غیر مطبوعہ

۹......شرح کلمہ طیبہ عربی (علم الکلام) ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء، غیر مطبوعہ۔

۱۰......شرح آمنت باللہ (علم الکلام) ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء، غیر مطبوعہ۔

۱۱......مظہر الزلات فی الآیات المبصرات: یہ ایک اہل حدیث عالم

مولانا عبدالرحمٰن غازی پوری کی کتاب ''الآیات المبصرات'' کے رد میں ہے۔ مولانا غازی پوری نے اپنی اس کتاب میں مسکرات کے بارے میں حنفیہ کے مسلک پر تنقید کی تھی۔ آپ نے عربی زبان میں اس کا رد ''مظہر الزلات'' کے نام سے لکھا۔ علمی دلائل کے لحاظ سے ایک عمدہ کتاب ہے۔ (غیر مطبوعہ)

۱۲......عشرہ کاملہ: دس دلائل مختلفہ کا ایک ضخیم مجموعہ، غیر مطبوعہ (۱)۔

---

(۱) یہ دس رسالے نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ان کے موضوعات درج ذیل ہیں:

۱: مسئلہ قضائے عمری کی مفصل تحقیق اور دلائل کے ساتھ اس کی تردید۔

۲: ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے اور دوسرا فرقہ پہلے کی۔ دونوں قرآن وحدیث سے دلیلیں بھی دیتے ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں مفصل تحقیق اور یہ مسئلہ کہ کیا ایسے غالی لوگوں کے پیچھے نماز میں اقتداء ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳: سعادونحوست ایام۔ ۴: نماز مغرب کا وقت کب داخل ہوتا ہے، اس مسئلہ کی پوری تحقیق۔ احادیث صحیحہ کی رو سے تراویح کی رکعات کی تعداد۔ ۶: زیارت القبور کے بارے میں مفصل تحقیق۔ (۷) مروجہ اسقاط کے بارے میں تحقیق اور اس کی ممانعت کا مسئلہ۔ ۸: ختم قرآن مجید پر اجرت لینا دینا، اس کی ممانعت پر دلائل کے ساتھ تحقیق۔ ۹: تقلید شخصی کی ضرورت و مفصل تحقیق۔ ۱۰: کیا امام کے لئے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا ضروری ہے یا نہیں، یہ تحقیق کہ یہ ضروری نہیں ہے۔

اولاد

پہلی اہلیہ سے مولانا حمد اللہ (مرحوم)، مولانا عبید اللہ (مرحوم) اور حبیب اللہ مرحوم اور دوسری سے مولانا سعد اللہ اور مولانا میاں حاجی عطاء اللہ صاحب بقید حیات ہیں۔

وصال

ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء کو آپ کا وصال ہوا اور زیارت کا کا صاحب میں دفن کئے گئے (۱)۔

ایک اور جگہ بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے (۲)۔

(۱) مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل کی روایت یہ ہے کہ یہ سب کتابیں ان کے فرزند مولانا سعد اللہ صاحب ساکن زیارت کاکاخیل، نوشہرہ پشاور کے ہاں محفوظ ہیں۔ اس تذکرے کا مواد میں نے مفتی صاحب سے لیا ہے۔

(۲) قاری فیوض الرحمٰن: مولانا میاں عبداللہ، الحق، ماہنامہ اکوڑہ خٹک پشاور، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء، ص: ۴۷، ۴۸ اور ۲۳۔

مولانا قاری میر عبداللہ ہزاروی

۱۸۶۰ء............۱۹۱۹ء

آپ ۱۸۶۰ء کے قریب آزاد خان بن نیاز علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ شمشیری پٹھان تھے۔

قرآن مجید ''منگیال''، ضلع کیمبلپور میں حفظ کیا، پھر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں مدرسہ صولتیہ میں داخلہ لیا اور سات سال کے عرصہ میں علوم دینیہ وعلم قراءات کی تحصیل کر کے سند حاصل کی۔ آپ کی قراءت کے استاذ قاری عبداللہ صاحب مکی تھے۔ آپ اتنا عمدہ قرآن پڑھتے تھے کہ ہندو عورتیں سروں پہ گھڑے رکھے پہروں کھڑی آپ کا قرآن سنتی رہتی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ممائیہ'' گاؤں کے ایک آدمی اپنے فرزند کو لے کر مکہ مکرمہ قاری عبداللہ صاحب کی خدمت میں پہنچے کہ اسے پڑھائیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ تم نے اتنی تکلیف کیوں کی؟ وہاں میر عبداللہ کی موجودگی میں ہمارے ہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم نے انہیں کامل بنا کر بھیجا ہے'' (۱)۔

(۱) دونوں روایتیں آپ کے شاگرد مولانا غلام ربانی لودہی مرحوم کی بیان کردہ ہیں، جو راقم کے قلم سے ان کے سوانحی تذکرہ کے ذیل میں ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' راولپنڈی، ۷ مارچ ۱۹۷۵ء کے ص: ۱۱ پر شائع ہوچکی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ہزارہ کے مشہور خطیب مولانا سید محمود شاہ ڈھینڈوی نے آپ سے علم تجوید کی تحصیل کی خواہش ظاہر کی تھی اور استفادہ بھی کیا تھا''(۱)۔

وصال: یکم شوال ۱۳۳۸ھ/جولائی ۱۹۱۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''سرائے صالح ہری پور'' ہزارہ میں تدفین عمل میں آئی۔

تاریخ مرثیہ

راز دارا دلبرا از فرقتت افسردہ ام
باکس بگویم دردِدل داغ جدائی خوردہ ام
آرزوہا داشتم دردل و لیکن از قضا
برباد رفتند آں ہمہ بادے بدست آوردہ ام
امروز عید مردم است نوشند شربت خوش گوار
من خون دل نوشیدہ ام واز ہر دو چشم افشردہ ام
در دلم تصویر تو ھر وقت حاضر میشود
تلخ کردی عیش من در روز وشب آزردہ ام

دیگر

عازم فردوس گشت یوم عید فطر زد کوس رحیل

(۱) یہ روایت آپ کے شاگرد پروفیسر مولانا غلام ربانی لودہی مرحوم کی بیان کردہ ہے، جو راقم کے قلم سے ان کے سوانحی تذکرہ کے ذیل میں ہفت روزہ الجمعیۃ راولپنڈی ۷ مارچ ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۱۱ پر شائع ہو چکی ہے۔

حاج وہم قاری القرآن با دین و با یمان برفت
بودنامش میر عبداللہ وہم در قاریاں بودے امیر
جام اجل نوشید نزد غافر وغفران برفت
از دار فانی خود گذشت در یاد خود مارا گذاشت
آہ خیر خواہ قوم رفت از دین ما برہان برفت
از یک ہزار وسہ صد وہم چہل دو کم کن بگو
از سرائے صالح یک خادم قرآن برفت(۱)

آپ کے وصال پر حضرت عبدالرحمٰن چھوہروی نے فرمایا تھا کہ ''ایسے لوگوں کے لیے گلیوں کے سنگریزے اور تنکے بھی روتے اور دعا کرتے ہیں''۔

ممتاز ترین تلامذہ: تلامذہ میں پروفیسر مولانا غلام ربّانی لودھی مرحوم، حافظ فضل الرحمٰن ،مولانا شہاب الدین مرحوم اور مولانا سید محمود شاہ مرحوم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اولاد: اولاد میں ایک فرزند حافظ فضل الرحمٰن مرحوم اور دو دختران یادگار چھوڑیں جن میں سے صرف ایک دختر بقید حیات ہے۔ آپ کے دو پوتے حافظ محمد اشرف صاحب اور حافظ مولوی منظور الرحمٰن اور ایک پوتی سرائے صالح میں موجود ہیں(۲)۔

(۱) تاریخی مرثیہ آپ کے شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے والد مولانا شہاب الدین کا کہا ہوا ہے۔

(۲) آپ کے حالات آپ کے شاگرد مولانا غلام ربانی لودہی مرحوم سے ان کی زندگی میں خود حاصل کئے تھے۔ مزید حالات آپ کے پوتوں سے لئے گئے۔

مولانا محمد اسماعیل ہزاروی (۱)

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء......۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء

آپ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں ''چوہان'' علاقہ ٹکری تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے دیگر علماء سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کر کے ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں تدریس پہ مامور ہوئے اور آخری وقت تک پڑھاتے رہے۔

وصال: ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں وضو کرتے ہوئے اچانک حوضِ مسجد میں گر کر جاں بحق ہوئے۔

اولاد: اولاد میں آپ کے اکلوتے بیٹے محمد ایوب تھے، جو درس نظامی کی تعلیم کے دوران انتقال کر گئے۔

---

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے بھتیجے مولانا حافظ زین العابدین فاضل دیوبند ساکن خاکی، ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ قلمی، ص:۲۔

مولانا صفی اللہ پشاوری (۱)

۱۸۰۰ء..........۱۹۲۰ء

آپ ۲۰، اپریل ۱۸۰۰ء کو اخونزادہ منت اللہ صاحب کے گھر بروز جمعہ فجر کے وقت ''زخی کہنہ'' نزد اکبر پورہ تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ درس نظامی کی کتابیں والد صاحب سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے عراق کا سفر کیا اور وہیں سے سند الفراغ حاصل کی، پھر بغداد شریف کے حضرت محمود القادری سے منازل سلوک طے کر کے خلافت حاصل کی۔

تبلیغی خدمات: فراغت کے بعد شام، استنبول، قسطنطنیہ وغیرہ ممالک میں تبلیغی خدمات انجام دیں، پھر مصر چلے گئے۔ وہاں جامع الازہر میں اعزازی ممتحن مقرر کئے گئے۔ دس سال مصر میں رہنے کے بعد ''دیارِ حبیب'' مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں آپ قاضی مقرر ہوئے۔ ۱۵ سال اس منصب پر فائز رہے۔

وصال: ۱۰، اگست ۱۹۲۰ء کو ۱۲۰ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور مدینہ منورہ میں دفن کئے گئے۔

اولاد: فضل اللہ (مرحوم)، مولوی ولی اللہ مرحوم، حاجی شمس الحق، محمد احسان اللہ، مختار احمد اور سردار احمد ہیں۔

تلامذہ وتصانیف: آپ کے تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔ اسی طرح تصانیف کا علم بھی ہوا ہے (۲)۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد محمد احسان اللہ جان سے لیا گیا۔

(۲) تصانیف کے نام باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہو سکے۔

مولانا عبدالدیان پشاوری

۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء......۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

ولادت

آپ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو ''زیارت کا کا صاحب''، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: اپنے والد صاحب سے اور اپنے چچا عبدالحنّان صاحب سے حاصل کی پھر مختلف مقامات پر مختلف علوم وفنون کی الگ الگ تحصیل کی۔ مختلف علوم و فنون کا امتحان دے کر کامیاب ہوئے اور اپنے گاؤں میں علماء کے مجمع میں حضرت مولانا قطب الدین غورغشتوی نے آپ کی دستار بندی کرائی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مسجد گورگورہ ''زیارت کا کا صاحب'' میں مختلف علوم و فنون کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ زندگی کی آخری گھڑیوں تک جاری رہا۔ تدریس کے ساتھ آپ وعظ بھی کہتے تھے۔ جو نہایت مؤثر ہوتا تھا۔ علم ریاضی میں خاص مہارت تھی (۱)۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''زیارت کا کا صاحب میں ایک اور مشہور مدرس و واعظ مولانا عبدالدیان صاحب گزرے ہیں۔ ریاضی کے خاص ماہر تھے۔ کتابیں بھی پڑھاتے تھے اور

(۱) اپنے ہاتھ سے لکڑی کا ''اسطرلاب'' اور ''کرہ'' بھی بناتے تھے۔

نہایت مؤثر وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ عام طور پر اس حیثیت سے ان کی شہرت تھی کہ بہترین وعظ کرتے ہیں''(۱)۔

وصال

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو آپ کا اپنے گاؤں میں انتقال ہوا اور وہیں اپنے والد صاحب کی قبر کے قریب دفن کئے گئے (۲)۔

تصنیف

تصنیف میں ''کلمہ طیبہ''، قلمی، صفحات ۴۸ در زبان فارسی ہے (۳)۔

(۱) سیاح الدین، مفتی، مولانا: ضمیمہ متعلقہ ص ۵ راقم کی طرف حالات بھجوائے۔

(۲) آپ کی تاریخ وصال یوں لکھی گئی ؎

بروز جمعہ ز اول جمادی چار دہم

بہ آہ حیف ز فانی علامہ نادر رفت

(۳) یہ کتاب آپ کے فرزند مولوی عبدالکریم امام مسجد زیارت کا کا خیل صاحب تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور کے پاس محفوظ ہے۔

مولانا قاضی غلام سرور ہزاروی (۱)

۱۸۵۹ء.........۱۹۲۲ء

آپ ''شمدھڑہ'' آگرور ہزارہ کے علمی خاندان میں ۱۸۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے علم حاصل کرتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کی شاخ ''آرہ شاہ آباد'' میں داخل ہوکر ۱۸۷۶ء کو سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد اسلامی درسگاہ رنگ پور مشرقی بنگال میں بحیثیت صدر مدرس چند سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ واپس وطن آنے کے بعد ''شدوڑ'' (۲) میں تدریس کرتے رہے۔

۱۹۱۰ء میں ''شدوڑ'' سے نقل مکانی کر کے ''خاکی''، تحصیل مانسہرہ میں آگئے اور آخری وقت تک خاکی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وصال: ۱۹۲۲ء کو وہیں انتقال ہوا اور قصبہ ''خاکی'' کے شمالی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

شاعرانہ ذوق: آپ اردو اور پشتو زبان میں شاعرانہ ذوق کے مالک تھے اور

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے فرزند پروفیسر مولانا قاضی محمد احمد صاحب ایم اے ایبٹ آباد سے لیا گیا ہے۔

(۲) ''شدوڑ'' شمد ہڑہ سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شرق واقع ہے۔

''خاک''، تخلص تھا۔

تصانیف

علم منطق میں ''مراۃ المتون'' آپ کی اہم تصنیف ہے جو قلمی ہے۔

میر ایساغوجی، میزان البدیع، مرزا قطبیہ اور شرح جامی کی قلمی شروح لکھی ہیں۔

کنز الدقائق (علم فقہ) حصہ دوم کا پشتو زبان میں ترجمہ کیا۔

علم میراث کے مسائل فارسی میں نظم کیے ہیں اور ان کی کچھ شرح اردو میں کی ہیں۔ پشتو نظم میں پند و نصائح پر ''تذکرۃ المتقین'' لکھی ہے۔ میلاد النبی پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں طبع زاد نعتیں موجود ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ پر ایک رسالہ لکھا ہے (۱)۔

صوفیانہ مسلک: آپ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے خلیفہ تھے (۲)۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند مولانا قاضی محمد احمد صاحب ایم۔اے ہیں۔

(۱) یہ تمام قلمی شروح اور کتابیں آپ کے فرزند مولانا قاضی محمد احمد صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

(۲) روایت مولانا قاضی محمد احمد۔

مولانا قاضی محمد عبدالقادر ہاشمی

۱۸۶۰ء............۱۹۳۰ء

آپ ۱۸۶۰ء میں ''رجوعیہ'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں مولوی فیروزالدین کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر سکندر پور ہری پور ہزارہ میں حضرت مولانا احمد صاحب سے فقہ، اصول اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث کیا۔ پھر علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی حدیث پڑھی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد کچھ عرصہ دہلی میں تدریس کی اور پھر وہاں سے ''جامعہ سلہٹ'' میں بطور صدر مدرس ۸ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔اپنے بھائی مولانا فقیر اللہ بکوٹی کے خط پر واپس وطن آئے اور پھر منصب قضاء کے ساتھ درس وتدریس کرتے رہے۔

نماز جمعہ کی ابتداء آپ ہی نے کرائی۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا حکیم قاضی محمد یونس صاحب حویلیاں سٹیشن سے لیا گیا۔فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں آپ کا نام نہیں ہے۔

وصال

۱۸ صفر ۱۳۴۹ھ/۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء کو آپ کا ''رجوعیہ'' میں وصال ہوا۔

اولاد

اولاد میں چار فرزند حضرت مولانا قاضی عبدالواحد، قاضی عبدالاحد، مولانا حکیم قاضی محمد یونس اور مولانا قاضی عبدالحی چن پیر ہاشمی ہیں۔

بیعت

بیعت کا تعلق اپنے بھائی مولانا فقیر اللہ بکوٹی خلیفہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب سوات سے تھا۔

انہوں نے آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں خلافت بھی عطا فرما رکھی تھی۔

مولانا عبداللطیف قریشی ہزاروی، استاذ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

۱۸۸۶ء............۱۹۳۰ء

آپ ۱۸۸۶ء کے قریب مولوی فقیر احمد کے گھر ''کھوکھر'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے (۱)۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر مدرسہ اسلامیہ حسن پور ضلع مراد آباد میں داخلہ لیا اور اول سے آخر تک درسیات کی تکمیل ۱۳۴۴ھ میں مولانا ولی احمد تلمیذ مولانا محمود حسن سے کر کے سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس

آپ نے چند سال مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر میں اور پھر دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہیں سے بیمار ہو کر وطن آئے اور یہاں ۱۹۳۰ء کے قریب انتقال ہوا۔ ''کھوکھر'' میں ہی دفن کئے گئے (۲)۔

(۱) ''کھوکھر'' حویلیاں اور ایبٹ آباد کے درمیان ''کھوتہ قبر'' کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔

(۲) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد مولانا حکیم قاضی محمد یونس ساکن حویلیاں ہزارہ اور بھائی مولانا قاضی عبدالواحد خطیب شیخ البانڈی سے لیا گیا۔ مؤخر الذکر نے تاریخ ولادت اور وفات تخمیناً ہی بتائی ہے۔ صحیح ریکارڈ ان کے ہاں موجود نہ تھا۔

مولانا عبدالحکیم ہزاروی

۱۸۷۱ء............۱۹۳۲ء

آپ ''بھیرہ'' نزد ''پنیاں'' تحصیل ہری پور ہزارہ میں مولوی امام الدین صاحب کے گھر ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی کے ساتھ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۱)۔

تدریس

فراغت کے بعد بھیرہ آ گئے اور آخر وقت تک مختلف علوم وفنون کی کتب پڑھاتے رہے۔ آپ کے ہاں پچاس ساٹھ کے قریب طلبہ ہمیشہ رہے۔ آپ کی چند قلمی کتابیں بھی تھیں، مگر افسوس کے ان میں سے کوئی نہ مل سکی۔

وفات

۱۱ فروری ۱۹۳۲ء کو ''بھیرہ'' میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

(۱) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲۔

اولاد

مولوی محمد رفیع الدین، مولوی محمد ولی الدین اور مولوی محمد فضل الرحمٰن (م ۱۳، دسمبر ۱۹۷۱ء) اور دو دختران چھوڑیں جو وفات پا گئی ہیں (۱)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے شفیق الرحمٰن صاحب، ایم ایس سی (کیمسٹری) سے لیا گیا ہے۔

مولانا میر عبداللہ عباسی ہزاروی (۱)

۱۸۳۰ء............۱۹۳۲ء

آپ ''کالنجر''، تحصیل ہری پور ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر غور غشتی ضلع کیمبلپور تشریف لے گئے اور وہاں حضرت فیضی میاں صاحب سے تکمیل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد واپس ''کالنجر'' آ کر تدریس کا آغاز کیا۔ بیسیوں طلبہ آپ سے مختلف علوم وفنون کی کتب آخر عمر تک پڑھتے رہے۔ آپ کا یہ درس ''کالنجر'' کی جامع مسجد میں ہوتا تھا۔ آپ پختون طلبہ کو پشتو زبان میں پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کو تمام علوم وفنون از بر تھے۔

وصال: ایک طویل عرصے کی تدریس کے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ کا وصال ہوا اور کالنجر کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں ایک فرزند مولوی غلام ربّانی تھے (۲)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے مولانا شمس الاسلام صاحب فاضلِ دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) مولانا نے تمام علوم وفنون کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی، البتہ شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف اپنی والدہ سے پڑھی تھیں۔ قصبہ کالنجر کی بڑی جامع مسجد کے خطیب تھے اور درس وتدریس کرتے تھے۔ ۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو بروز جمعہ ان کا انتقال ہوا اور کالنجر میں دفن کئے گئے۔ آگے ان کے دو فرزند مولانا شمس الاسلام فاضل دیوبند اور خطیب پاکستان مولانا محمد اجمل خطیب جامع رحمانیہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور ہیں۔

مولانا قاضی محمد ہمایوں ہزاروی

۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء............۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء

آپ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء کو حافظ احمد جی کے گھر ''حویلیاں گاؤں'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مولانا قاضی محمد معصوم صاحب ڈھینڈوی ہری پور ہزارہ کی خدمت میں پہنچے اور تمام علوم وفنون کی ان سے تکمیل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد واپس حویلیاں آگئے اور آخر وقت تک تدریس کرتے رہے۔

تصانیف: تصانیف میں ''نصیحۃ المؤمنین'' اور ''رد المتعصبین'' دو قلمی رسالے ہیں۔

شاعرانہ ذوق: اردو پنجابی اور عربی میں شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔

وصال: ۶ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ محمد اسماعیل کوکلوی نے پڑھائی اور حویلیاں گاؤں کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں ایک فرزند مولوی قاضی محمد یونس (۱۹۲۰ء.....۱۹۴۳ء) تھے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی کا کہنا ہے کہ ''میں انہیں دو تین مرتبہ ملا ہوں، بہت بڑے عالم تھے''۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولوی قاضی غلام جیلانی (م ۱۹۷۵ء) امام جامع مسجد حویلیاں گاؤں سے براہ راست لیا گیا۔

(۲) مولانا غلام غوث ہزاروی نے میرے استفسار پہ فرمایا۔

مولانا سید غلام حیدر پشاوری (۱)

۱۸۴۰ء............۱۹۳۴ء

آپ ۱۸۴۰ء کو ''ترنگ زئی''، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں مولانا خان عالم بن مولانا سعد اللہ (۲) کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سید اور سید جلال الدین حیدر (۳) کی اولاد میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے اور علاقہ کے دوسرے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے حضرت مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے ہاں لکھنؤ پہنچے اور انہی سے تکمیل کر کے واپس آئے۔ آپ کے بارے میں مولانا شمس الحق افغانی لکھتے ہیں:

''مولوی غلام حیدر......مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پشتو اور فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحبِ طرز شاعر تھے۔ ان کے کلام میں عالمانہ شان اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے'' (۴)۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی سے لیا گیا ہے۔

(۲) آپ کے دادا مولانا سعد اللہ مولانا سید احمد شہید کے خلیفہ تھے۔ انہی کی امارت میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ (غلام رسول مہر: سیرت سید احمد شہید، خلفاء کی فہرست میں چوتھے نمبر پر ذکر آیا ہے)۔

(۳) اعجاز الحق قدوسی: صوفیائے پنجاب، ص: ۵۵۱ پر ان کا سلسلہ حسینی درج ہے۔

(۴) مولانا شمس الحق افغانی: مکتوب گرامی۔

صوفیانہ مسلک

آپ صاحب سوات......مولانا عبدالغفور کے سلسلۂ قادریہ میں خلیفہ مجاز تھے۔

تصنیفی خدمات: آپ نے شرح جامی، حسامی، بیضاوی، اور مشکوٰۃ المصابیح پر حواشی لکھے ہیں مگر یہ طبع نہیں ہو سکے۔

وصال: ایام نحر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء کو حالتِ سجدہ میں آپ کا وصال ہوا۔

اولاد

پانچ فرزند اور تین دختران ہیں: محمد یوسف، محمد شریف، محمد شعیب، محمد امین اور مولانا شمس الحق افغانی اور دختران قرشیہ، شافیہ، اور کبریٰ بیگم ہیں (۱)۔

نمونۂ کلام

جامع مسجد ترنگ زئی کی بنیاد پر لکھا کہ:

بانی ایں مسجد جنت نشان   سید احمد سخی حاتم زماں
صرف مالے فی سبیل اللہ کرد   تا مہیا خوش عبادت کرد
آل و اولادش ہمہ معمور باد   در ریاض جنت مسرور باد

(۱) محمد امین اور مولانا شمس الحق صاحب کے علاوہ سب فوت ہو چکے ہیں اور دختران میں صرف کبریٰ بیگم بقید حیات ہیں۔

مولانا محمود الحسن مردانی (۱)

۱۸۶۵ء............۱۹۳۵ء

آپ ۱۸۶۵ء کو ''اصلت خان'' کے گھر کوئڑ پان بانڈہ، علاقہ سدہوم (۲) تھانہ روستم، ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے افغان حسن زئی تھے۔ صرف نحو، فقہ واصول وغیرہ کی تعلیم علاقہ کے جید علما سے حاصل کی، پھر ساٹھ سال کی عمر تک مسجد میں تدریس کرتے رہے۔ اس کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ آپ ضلع مردان کے ایک معروف علمی قصبہ ''زروبی'' کے محدث (۳) کے ہاں پہنچے اور ان سے احادیث کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔

تدریس: دوبارہ پھر تدریس کا آغاز کیا، فنون کی تدریس تو ایک مدت تک کر ہی چکے تھے، اب تدریس حدیث میں وقت گزرنے لگا۔ آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔

وصال: ۱۹۳۵ء میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں دو فرزند مولانا حبیب الرحمٰن، مولوی سیف الرحمٰن اور اور مولانا خلیل الرحمٰن (مرحوم) ہیں (۴)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا حبیب الرحمٰن فاضل دیوبند، دارالتصنیف روستم ضلع مردان سے لیا گیا۔

(۲) ''سدھوم'' کئی دیہاتوں کے مجموعے کا نام ہے۔

(۳) آپ کے فرزند نے ان کا نام نہیں بتایا۔ خیال ہے کہ مولانا حبیب اللہ خان ہوں گے۔

(۴) مولانا خلیل الرحمٰن نے ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند حاصل کی۔ ۱۹۳۳ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۳۵ء میں منشی فاضل کیا۔ ۱۹۳۶ء میں میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۴۰ء میں تیس سال کی عمر میں وصال ہوا۔

مولانا عبدالرحمٰن ستوڑوی ہزاروی (۱)

۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء............۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء

آپ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء کو ''ستوڑہ'' تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں غلام حسن کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی نام محمد ریحان تھا، لیکن عبدالرحمٰن کے نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر کچیلہ (کشمیر) مکھڈ (کیمبلپور) میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ زاں بعد خواجہ احمد خان میروی سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ احمدیہ بھوپال میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو مولانا غلام محمد نظام الدین بہاولپوری اور مولانا بشیر احمد سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ آپ کی سند کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

''نحمده ونصلي على رسوله الكريم أما بعد! إنّ المولوي عبدالرحمن بن غلام حسن السكوري قد قرء علينا الصحاح الست بتمامها، فأجز نا له، كماأجازنا شيخنا العلامة المستند مولانا المولوي رشيد أحمد الجنجوهي رحمة الله عليه أن يروي عنا و نوصيه بتقوى الله والدعاء لنا بحسن الختام''.

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے شاگرد مولوی عبدالرؤف صاحب جامع گھاس منڈی ایبٹ آباد ہزارہ سے لیا گیا۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد واپس ''ستوڑہ'' آئے اور یہاں دم واپسیں تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں۔ کتب حدیث بھی پڑھاتے تھے۔ جامع عالم تھے۔

وصال

۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کو بعمر ۷۵ سال آپ کا ''ستوڑہ'' میں انتقال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند غلام فرید ہیں (۱)۔

(۱) غلام فرید حال حویلیاں ہزارہ۔

مولانا محمد قاسم بالاکوٹی ہزاروی

۱۸۹۹ء............۱۹۳۹ء

آپ ۱۸۹۹ء کو مولانا عزیز اللہ بن عبداللہ بن مولوی عبدالرحیم بن مولوی محمد حنیف کے گھر ''بالاکوٹ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۶ء کو حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مولانا وحید حسن اور مولانا عبدالغفور ہزاروی (مہاجر مدنی) سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد ایک سال مزید رہ کر علم تفسیر کی تحصیل کی، پھر اس مدرسہ میں بطور ''معاون مفتی'' ایک سال کام کیا۔

تدریس

پھر دارالعلوم محمدیہ محلّہ پیراں بھیرہ، ضلع سرگودھا میں بطور صدر مدرس کئی سال تک تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں دارالعلوم اسلامیہ عزیزیہ بھیرہ، سرگودھا میں بطور صدر مدرس تدریس پر مامور ہوئے۔

وصال: ابھی اس مدرسہ میں آپ کا تیسرا سال ہی تھا کہ نومبر ۱۹۳۹ء کو آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: اولاد میں ایک فرزند اور ایک دختر چھوڑے۔

مولانا خلیل الرحمٰن مردانی (۱)

۱۹۱۰ء............۱۹۴۰ء

آپ ۱۹۱۰ء کو ''کوتر پان'' بانڈہ علاقہ سدہوم روستم، مردان میں مولانا محمود الحسن صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی ومتوسط تعلیم اپنے والد صاحب اور بڑے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۲۴ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، ۱۹۳۵ء میں منشی فاضل اور ۱۹۳۶ء میں میٹرک کے امتحانات پاس کیے۔

تدریس اور وصال

فراغت کے بعد کچھ عرصہ تدریس کی اور اسی دوران ۱۹۴۰ء میں واصل بحق ہوئے۔

اولاد

اولاد میں ایک فرزند عطاء الرحمٰن ہیں، جو زراعت انسپکٹر ہیں۔

---

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے برادر بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن فاضل دیوبند سے لیا گیا ہے۔

مولانا حافظ جمال الدین پشاوری (۱)

۱۸۶۰ء............۱۹۴۰ء

آپ ۱۸۶۰ء کو مولانا حافظ خیر الدین بن مولانا بختیار احمد بن محمد حسن القرشی کے گھر محلّہ میاں کلی ''پڑانگ''، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب اور خاندان کے اکابرین سے حاصل کی۔ قرآن مجید حافظ قاری صاحب گل ساکن گڑھی حمید گل میاں، تحصیل چارسدہ سے حفظ کیا۔

اعلیٰ تعلیم مولانا سید محمد میر جی ساکن گڑھی حمید گل میاں سے حاصل کی (۲)۔

دورۂ حدیث کی تکمیل مولانا مفتی محمد ایوب محدّث پشاوری سے کی۔

تدریسی خدمات: فراغت علوم کے بعد ''پڑانگ'' کی مسجد میں آخر تک تدریس کرتے رہے۔

شادی: آپ کی شادی حافظ قاری صاحب گل کی دختر سے ہوئی، جو آپ کے حفظ کے استاذ بھی تھے۔

اولاد: اولاد میں مولانا رحمٰن الدین، حافظ فضل رحمٰن مرحوم، سعد الدین مرحوم، مولانا حافظ محمد اسماعیل، مولانا علی اکبر جان ہیں۔

وصال: ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ/مطابق ۱۹۴۱ء شب ہفتہ کو وصال ہوا۔

(مولانا حاجی فضل واحد صاحب ترنگ زئی آپ ہی سے تراویح میں قرآن سنا کرتے تھے۔ کئی بار صرف دو رکعت میں پورا قرآن سنا دیتے تھے)۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا حافظ محمد حسن جان المدنی، ایم اے شیخ الحدیث دار العلوم عربیہ ٹل کوہاٹ سے لیا گیا جو صاحب تذکرہ کے پوتے ہیں۔

(۲) مولانا سید محمد میر جی نے بڑی عمر پائی۔ تقریباً ۱۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

مولانا حاجی محمد حسین ہزاروی (۱)

۱۸۵۲ء............۱۹۴۴ء

آپ ۱۸۵۲ء کو جناب قاضی عبداللطیف کے گھر ''ہمشیریاں''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر ہزارہ کی مختلف مساجد میں تحصیل علم میں مصروف رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۱)۔

حج: فراغت کے بعد حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

تدریسی خدمات: حج سے واپسی کے بعد آپ نے ''ترہاپائین'' اور ''ترہابالا'' تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں تدریس کا آغاز کیا اور ساری زندگی تدریس میں گزری۔ ''ترہاپائین'' سے دوسرے حج کی توفیق بھی ملی۔ آپ علاقہ میں ''حاجی صاحب'' کے نام سے مشہور تھے۔

وصال: ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ/ اپریل ۱۹۴۴ء کو بعمر ۹۰ سال آپ کا وصال ہوا اور ''حفیظ بانڈی'' (مانسہرہ ہزارہ) کے قبرستان میں اپنے ماموں مولانا قاضی ضیاء الحق کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

اولاد: آپ نے تین شادیاں کیں، لیکن نرینہ کی دولت سے محروم رہے۔ صرف تین لڑکیاں آپ کی یادگار تھیں، جن میں سے دو بقید حیات ہیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا محمد یوسف فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، قلمی، ص:۲۔

مولانا مفتی احمد جی ہزاروی

۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء.....۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

آپ تین ربیع الاول ۱۲۸۸ھ کو ’’کاکول‘‘ ایبٹ آباد ہزارہ میں حافظ قائم الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر ترہا (مانسہرہ) جلو میں پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے سکندر پور، ہری پور ہزارہ کے مولانا احمد صاحب (فاضل دیوبند ۱۲۹۷ھ تلمیذ مولانا محمد یعقوب نانوتوی) سے تکمیل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد عمر بھر اپنے گاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وصال: ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء کی صبح فالج کے شدید حملہ سے واصل بحق ہوئے اور کاکول کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

تلامذہ: علاقہ میں آپ کے تلامذہ بکثرت ہیں۔

اولاد: اولاد میں بڑے مولوی خلیل الرحمٰن امام مسجد کاکول ہیں۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ’’آپ بہت بڑے فقیہ اور عالم اجل ہو گزرے ہیں۔ اپنے زمانے میں جمعیۃ علماء رش کے مفتی تھے اور علم فقہ میں کافی ماہر تھے اور ان کے پاس درس ہوتا تھا اور کافی طلبہ اردگرد کے ان کے پاس تعلیم کے حصول کے لئے حاضر ہوتے تھے‘‘ (۱)۔

(۱) مکتوب جناب مولانا صاحبزادہ اشعری بنام من۔

مولانا برہان الدین ہزاروی (۱)

۱۸۴۰ء.....۱۹۴۶ء

آپ ۱۸۴۰ء کے قریب ’’غازی‘‘ تحصیل ہری پور ہزارہ میں مولوی فقیر محمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

فراغت کے بعد علم طب کی تحصیل طبیہ کالج دہلی میں حکیم عبدالمجید صاحب دہلوی سے کی۔

تدریسی خدمات

فراغت تعلیم کے بعد واپس آئے اور جامع غازی میں امامت و خطابت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کے ہاں ہمیشہ تیس چالیس طلبہ رہا کرتے تھے۔ ان میں اکثر علاقہ تناول اور پٹھان علاقہ کے طلبہ ہوتے تے۔ آپ کی عمر تدریس میں گزری۔ آپ کو اکثر کتابیں حفظ تھیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی عبدالقیوم فاضل دیوبند (۱۳۵۳ھ) سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۱۔

وصال

۱۹۴۶ء میں بیمار ہوئے ، لوگ عیادت کو آئے ،تو انہیں احادیث سناتے رہے۔اسی دوران آپ کا وصال ہوا۔نماز جنازہ کی امامت آپ کے ہمدرس عالم دین دوست مولانا قطب الدین غورغشتوی (۱) (کیمبلپوری تلمیذ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) نے کی۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے تھا۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند مولوی عبدالشکور صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب فاضل دیوبند بقید حیات ہیں۔

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی حدیث پڑھی ہے۔

مولانا محمد زمان قریشی ہزاروی (۱)

۱۸۸۵ء......۱۹۴۷ء

آپ ۱۸۸۵ء کے قریب ''نواں شہر'' ایبٹ آباد ہزارہ میں شاہ حسین اخوندزادہ کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور پھر جامع العلوم کانپور کے صدر مدرس وشیخ الحدیث مولانا غلام یحییٰ ہزاروی (تلمیذ مولانا احمد حسن امروہی) سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ''دارالعلوم'' کانپور میں تدریس پہ مامور ہوئے۔کچھ عرصہ کے بعد صدر مدرس ہوگئے (۲) اور ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کے تلامذہ کی تعداد کافی ہے، پھر لکھنؤ میں تدریس پہ مامور ہوئے۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا کچھ مواد مولانا محمد اسماعیل ذبیح پشاور سے اور کچھ ان کے فرزند سعید احمد صاحب سے لیا گیا۔

(۲) مولانا احمد حسن کانپوری کے فرزند مولانا مشتاق احمد جب مدرسہ عالیہ کلکتہ بطور پرنسپل چلے گئے،تو ان کی جگہ آپ صدارتِ تدریس پہ فائز ہوئے۔

وصال

آخر وقت تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۲ محرم ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء کو وہیں انتقال ہوا اور مولانا عبدالحئی لکھنوی کے قریب ہی دفن کئے گئے۔

اولاد

آپ کی شادی مولانا احمد حسن کانپوری کے خاندان میں ہوئی تھی۔
اب آپ کے خاندان میں جناب سعید احمد اور بی بی آفاق بقید حیات ہیں۔
مولانا محمد اسماعیل ذبیح آپ کے بارے میں بتاتے ہیں:

''مولانا نہایت خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ شاہانہ مزاج کے آدمی تھے۔ نفاست طبع میں اپنی مثال آپ تھے۔ اردو زبان پہ کافی عبور تھا''(۱)۔

(۱) مولانا اسماعیل ذبیح نے راقم الحروف کو خود بتایا۔

مولانا عبدالجلیل نقشبندی پشاوری

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء............۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء

آپ بروز پیر ۲ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء کو ''باریکاب'' ضلع مردان میں مولانا اسماعیل کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر اپنے چچا (پلودھیرے بابا) سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندستان چلے گئے، جہاں بھوپال، رامپور، دہلی، اور میرٹھ کی درسگاہوں سے استفادہ کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے ہمدرس ساتھیوں میں علامہ شبیر احمد عثمانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد ''پڑانگ''، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں مقیم ہو کر تدریس کا آغاز کیا اور ہمیشہ ۷۰ سے ۱۰۰ طلبہ آپ سے پڑھتے رہے۔ آپ کا دن رات کا یہی مشغلہ تھا اور مختلف علوم وفنون کی کتب زیر درس رہیں۔ آخر عمر تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

قلمی یادگار: تدریس کے ساتھ ہدایہ اولین، نورالانوار، حسامی، مولوی حسامی، شرح ملا جامی، مختصر المعانی، مطول اور شرح عقائد نسفی پر گراں قدر حواشی لکھے، جو آپ کی قلمی یادگاریں ہیں (۱)۔

(۱) یہ تمام حواشی آپ کے فرزند مولانا عبدالجمیل خطیب جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ پشاور کے پاس محفوظ ہیں۔

وصال

۴محرم ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء کو بعمر ۶۳ سال اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اولاد

چار فرزند مولانا عبدالجمیل، حکیم فضل محمود، الحاج الحافظ ڈاکٹر عبدالمعبود، (ڈینٹسٹ) اور فضل عظیم ہیں۔

صوفیانہ مسلک

چالیس سال کی عمر میں حضرت سید محمد شاہ نقشبندی ساکن دندہ شریف شاہ بلاول (تلاگنگ کیمبلپور) کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ان کے فرزند حضرت شاہ سلطان ابراہیم سے سلسلۂ نقشبند میں مجاز ہوئے (۱)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا عبدالجمیل صاحب لیا گیا۔

مولانا فضل حق ہزاروی (۱)

۱۸۷۴ء.........۱۹۴۹ء

آپ ۱۸۷۴ء کو ''ڈھیری''، تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۳)۔

فراغت کے بعد واپس وطن آئے، پھر دربند (ہزارہ) کے علاقہ میں مجاہدین کے مرکز میں دو سال قیام کیا، پھر بلاوے پر واپس آ گئے۔ ''ڈھیری'' سے نقل مکانی کر کے ''سلطان پور'' (۴) میں ۳۵ کنال آبیہ زمین خریدی اور مکان بھی بنایا۔

زاں بعد شاہی مسجد ''چینوٹ'' میں امام و خطیب مقرر ہوئے اور ۳۰ سال تک امامت و خطابت کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے داماد قاضی غلام جیلانی اور قاضی مولوی محمد ابراہیم صاحبان سے لیا گیا۔

(۲) ''ڈھیری'' کھوکھر اور سلہڈ (ایبٹ آباد) کے درمیان واقع ہے۔

(۳) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۲، عدد:۳۴۔

(۴) ''سلطان پور'' حویلیاں سٹیشن ہزارہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر مغربی جانب ہے۔

کا شغل رکھا۔ وہیں سے بیمار ''سلطان پور'' آئے اور ایک ڈیڑھ ماہ کی علالت کے بعد ۱۹۴۹ء کو وصال ہوا۔

تصنیفی خدمات

آپ نے قادیانیت اور رافضیت کے رد میں ایک نہایت ہی ضخیم کتاب ''الخلافۃ والفرقان'' ۱۴، اجزاء میں لکھی۔ ہر جلد کے بڑے سائز کے ۳۰۰ سے زائد صفحات ہیں۔

جونہی کتاب مکمل ہوئی، افسوس کہ پھر زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی۔ اب آپ کے اعزہ کے پاس محفوظ ہے (۱)۔

اولاد

اولاد نرینہ زندہ نہیں رہی، البتہ لڑکیاں زندہ اور بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔

(۱) اس کتاب ''الخلافۃ والفرقان'' کی سات جلدیں مولوی حبیب الرحمٰن بن مولوی عبدالرؤف امام مسجد پھوجیاں تحصیل گوجرہ لائل پور کے پاس اور سات مولوی عبدالعزیز بن عبداللہ ساکن گھنیاں تحصیل گوجرہ ضلع لائل پور کے پاس ہیں۔

مولانا عبدالعزیز خان ہزاروی (۱)

۱۸۸۷ء..........۱۹۵۰ء

آپ ۱۸۸۷ء کو مولوی نور عالم صاحب کے گھر ''سیریاں'' علاقہ سرائے نعمت خان ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر ''درویش'' ہری پور کے عالم مولانا فیروز الدین سے فقہ اور اصول کا درس لیا۔ زاں بعد بہوئی گاڑ (کیمبلپور) میں بھی پڑھتے رہے۔ کچھ عرصہ ''پنجائن''، ضلع میانوالی میں بھی پڑھتے رہے۔ ۱۹۰۴ء کے قریب آپ نے رامپور کا قصد کیا اور وہاں مدرسہ عزیزیہ میں مولوی فضل حق صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اس مدرسہ میں ۱۳ سال اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر کچھ عرصہ بٹالہ (گورداس پور) اور کچھ عرصہ مدرسہ رحمیہ نیلا گنبد لاہور میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ آخر میں بگیڈل ٹبی حامد ساہو (ساہیوال) میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۳۷ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی۔

(۱) آپ کا سوانحی تذکرہ آپ کے قریبی رشتہ دار مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ساکن ہری پور ہزارہ سے لیا گیا۔

کچھ عرصہ جامع ''احیاء العلوم'' جامع مسجد دوڑ حویلیاں ہزارہ میں بھی تدریس کی۔ ۱۹۳۸ء میں دوبارہ ٹبی حامد ساہو میں مقیم ہوئے اور درس وتدریس کرتے رہے۔

وصال

بگیڈل ضلع لائلپور اپنے چند احباب کو ملنے گئے، تو وہیں ۱۹۵۰ء میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

اولاد

پہلی شادی رامپور سے کی، ان سے دو بچے بقید حیات وہیں رامپور میں ہیں۔ دوسری شادی اپنے علاقہ سے کی، اس سے ایک دختر بی بی حوا اور تین فرزند الحاج عبدالسمیع، استاذ اردو گورنمنٹ کالج ساہیوال، محمد شفیع ایم۔اے۔بی،ٹی اور محمد رفیق ایم،ایس،سی (کیمیکل ٹیکنالوجی) ہیں۔

مولانا فرید الدین بنسیر وی ہزاروی (۱)

۱۸۷۱ء..........۱۹۵۱ء

آپ ۱۸۷۱ء کو مولانا جلال الدین صاحب (۲) کے گھر ''بنسیر'' (۳) تحصیل بٹگرام ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

درس نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے کی۔ مزید تعلیم کے لیے جیسول ٹانڈہ شنکیاری کے علماء اور مولانا سید حسن صاحب ساکن (شملائی) ہزارہ سے بھی استفادہ کیا۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اپنے گاؤں میں عمر بھر تدریس کرتے رہے۔ چونکہ ''بنسیر'' برفانی مقام ہے، اس لیے آپ کے پاس طلبہ زیادہ تر سرد علاقوں سے

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا قاری فضل ربی، صدر مدرس معہد القرآن الکریم مانسہرہ ہزارہ سے لیا گیا۔

(۲) مولانا جلال الدین بھی علاقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ان کے قلم سے علم منطق کی کتاب ''سلم العلوم'' کی مبسوط شرح بھی مخطوط ان کے پوتے مذکور کے پاس موجود ہے۔

(۳) بنسیر، بٹگرام سے جانب شرق ۷، ۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے ''سرگزشت مجاہدین'' میں اس گاؤں کا تذکرہ کیا ہے۔

آتے تھے۔

آپ نے پچاس سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے کر ۸۰ سال کی عمر میں جنوری ۱۹۵۱ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ''بنسیر'' کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔علاقہ میں آپ کے تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔

اولاد

اولاد میں پانچ فرزند مولوی خواجہ مسعود، مولانا قاری فضل ربی، مولانا غلام شافی، حمید الدین اور سعید الدین ہیں۔

مولانا عبدالرحیم ہزاروی(۱)

۱۸۸۶ء............۱۹۵۱ء

۱۸۸۶ء کو مولانا نصر اللہ صاحب کے گھر علاقہ ''اپر تناول'' کے ایک گاؤں ''نڑیالہ'' مضافات شیر گڑھ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم غلام جیلانی ساکن گڑوال ہزارہ سے کی، پھر ''انہی'' گجرات میں فنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور وہیں سے علوم شرقیہ کی تحصیل کی۔دورۂ حدیث مدرسہ عزیزیہ رامپور کے شیخ الحدیث مولانا محمد حقیق ہزاروی سے ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد کچھ عرصہ ''انہی'' (گجرات) بندیال اور گڑوال (مانسہرہ) میں تدریس کرتے رہے، پھر واپس وطن آئے اور بیس سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

وصال

۱۱ شوال ۱۳۷۰ھ/۲۶ جولائی ۱۹۵۱ء کو آپ کا اپنے وطن میں وصال ہوا۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی محمد سعید، ایم اے (عربی، اسلامیات) لیکچرر گورنمنٹ کالج خانپور سے لیا گیا۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند مولوی محمد سعید، ایم اے اور قاری محمد صدیق ہیں۔

ممتاز تلامذہ

ممتاز تلامذہ میں مولانا حبیب الرحمٰن فاضل ڈابھیل ہزاروی ایبٹ آباد، مولانا عبد الرحمٰن ساکن بگوائی ہزارہ فاضل دیوبند، مولوی فضل الرحمٰن ساکن آگرور ہزارہ اور مولانا سعد الرحمٰن ہری پور ہزارہ شامل ہیں۔

مولانا عبداللطیف ہزاروی

۱۸۵۸ء............۱۹۵۳ء

آپ جلّو علاقہ ''گڑھیاں'' میں مولانا فضل احمد قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر اپنے حقیقی چچا مولانا عبداللہ صاحب (۱) سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے رامپور تشریف لے گئے اور وہیں سے سند الفرغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد پہلے ''شھیلیہ'' پھر ''گاندھیاں'' آخر میں حاجی سید جلال شاہ کی دعوت پر ''تمبر کھولہ'' میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ نے حسبۃً اللہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ علاقہ میں اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

وصال: ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ/۲۹ مئی ۱۹۵۳ء کو بروز جمعۃ المبارک پچانوے سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور ''تمبر کھولہ'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں چار فرزند جمیل الرحمٰن، عبد السلام، محمد اسماعیل، اور نور الاسلام ہیں (۳)۔

---

(۱) ساکن خان خیل۔ ہری پور ہزارہ۔

(۲) روایت مولانا صاحبزادہ خسرو اشعری مانسہروی تلمیذ مولانا موصوف۔

(۳) تذکرہ کا مواد آپ کے لڑکے عبد السلام کے لڑکے مولوی مظہر الاسلام سے لیا گیا، جو آج کل اپنے دادا کی جگہ امامت کر رہے ہیں۔ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے فارغ ہیں۔

مولانا محمد اسرائیل ہزاروی (۱)

۱۸۷۴ء............۱۹۵۳ء

آپ ۱۸۷۴ء کے قریب ''چوہان'' علاقہ ٹکری، تحصیل مانسہرہ، ہزارہ میں مولانا گل احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بھی علاقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے دوسرے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن اور امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد خاکی، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۶ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے کر اپنے گاؤں ''چوہان'' چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں بھی تدریس کی، پھر مدرسہ اسلامیہ میمن سنگھ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ تین سال کی تدریس کے بعد بنگال چلے گئے۔ وہاں چند سال کی تدریس کے بعد مدراس آ گئے اور مدرسہ لطیفیہ ویلور ضلع شمالی ارکاٹ (انڈیا)

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے مولانا حافظ زین العابدین فاضل دیوبند سے لیا گیا۔
(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ قلمی، ص:۲۔

میں مولانا غلام نبی ہزاروی محشّی حمد اللہ کے بعد ان کی جگہ صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۲ سال کے قریب تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۳۴ء میں واپس وطن آئے اور چوہان سے قریب ہی ''بائی بالا'' میں سکونت اختیار کی۔ دور دور سے طلبہ یہاں بھی پہنچتے تھے۔ آپ آخری وقت تک پڑھاتے رہے۔

وفات: ۱۹۵۳ء میں جبکہ آپ کی عمر ۸۰ سال کے قریب تھی، اچانک حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی (۱)، اور ''بائی بالا'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں چار فرزند قاضی سیف الرحمٰن، مولوی حفیظ الرحمٰن، وجیہ الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن ہیں۔

(۱) قطعۂ تاریخ حافظ زین العابدین نے یوں لکھا:

حسرتا رفت از جہاں علامہ فرد زمان　　دررفراقش شد دل ما مخزن رنج گراں
آنکہ در علم وعمل ہرگز نظیر خود نداشت　　بود درصدق وصفا یکتا و محمود جہاں
جملہ اہل علم را استاد کُل کردہ یتیم　　خوں بگرید بر وفاتش چشم ہر خورد وکلاں
یک ہزار وسہ صد وہفتاد ودو بگزشتہ بود　　از سنین ہجرت پیغمبر آخرزمان
نیمروز چار شنبہ زشعبان بیست وہشت　　بود کہ رخت سفر بست از جہاں پرزیان
داشت آں حضرت بحافظ چوں حقوق بے شمار　　مغفرت میخواہد اوبہرش ز خالق ہر زمان
باعث تسکین دل از حق ندائے می شنید　　بالیقین غفران ما دریافت آں جنت مکان

۱۳۷۲ھ

مولانا عبدالغنی ہزاروی (۱)

۱۸۶۶ء............۱۹۵۳ء

آپ ''جھنگڑہ'' حویلیاں ہزارہ میں جناب غلام احمد صاحب کے گھر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے مختلف علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد چار پانچ سال تک مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پڑھاتے رہے۔ دو سال تک صادق آباد کی ایک دینی درسگاہ میں تدریس کی۔ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم روڈانوالہ ضلع لائلپور میں پڑھاتے رہے۔ زاں بعد جھوک دادو ضلع لائل پور میں ۱۹۴۲ء تک پڑھاتے رہے۔

۱۹۴۳ء میں وطن واپس آئے اور ذریعۂ معاش کے لیے ایک دکان کھولی۔ ساتھ ہی ایک جامع مسجد میں ''اشاعۃ الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد مولوی حکیم محمد اسحاق برق سے لیا گیا۔
(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں آپ کا نام نہیں، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے دارالعلوم سے فراغت نہیں پائی۔ تکمیل کہیں دوسرے مدرسہ میں کی ہوگی، جو اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتا ہوگا۔

دس سال تک قائم رہا۔ طلبہ آپ سے پڑھنے کے لیے یہاں پہنچتے تھے۔ آپ مسلکاً اہل حدیث تھے اور اپنے مسلک میں کافی حد تک متشدد بھی تھے۔

تصانیف

آپ نے رد بدعات کے سلسلہ میں دو رسالے لکھے تھے۔

وفات

۱۹۵۳ء میں ۸۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور جھنگڑہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

ممتاز تلامذہ

ممتاز تلامذہ میں مولوی حاجی محمد عبداللہ، مولوی حکیم محمد اسحاق برق، مولوی فیروز دین اور مولوی یعقوب شاہ ہیں (۱)۔

(۱) یہ سب مقامی تلامذہ ہیں۔ اول الذکر جامع اہل حدیث ہری پور محلّہ تیلیاں کے خطیب ہیں۔ دوسرے مدرسہ غزنویہ کے فارغ ہیں اور ''فلاح عالم'' اور ''دعوت حق'' کے مصنف ہیں۔ تیسرے جامع اہل حدیث جھنگڑہ کے خطیب اور چوتھے پنجگراں میں ہیں۔

مولانا ناصر الدین نوشہروی (۱)

۱۸۹۷ء............۱۹۵۵ء

آپ ۱۸۹۷ء کو حسن علی کے گھر محلّہ ''شلہ خیل نوشہرہ کلاں''، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نوشہرہ میں حاصل کی، پھر اپنے ماموں منہاج الدین سے پڑھتے رہے۔ زاں بعد علاقہ چھچھ کیمبلپور کے علماء سے تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کی تکمیل

مولانا محمد اسماعیل طوروی مردانی اور علامہ عبدالجمیل طوروی (۲) برادران سے کی۔

تدریس

فراغت کے بعد ۱۹۲۷ء میں محلّہ ''شلا خیل نوشہرہ کلاں'' کی مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا۔ دور دور سے طلبہ آ آ کر آپ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء تک برابر ۲۰ سال اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم ملک کے بعد مدارس عربیہ کے قیام کی وجہ سے طلبہ کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوگئی اور آپ کا زیادہ وقت مطالعہ اور ذکر اذکار میں صرف ہونے لگا۔

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھتیجے حافظ شوکت علی نوشہروی سے لیا گیا ہے۔

(۲) علامہ عبدالجمیل طوروی: علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے بھی اساتذہ میں سے ہیں۔

وصال: ۹ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ/۱۳ اپریل ۱۹۵۵ء کو آپ کا وصال ہوا اور نوشہرہ کلاں کے جنوب میں ''شہداء'' کے قبرستان واقع ترقی میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں صرف ایک فرزند ہیں جو آپ کی جگہ امامت کر رہے ہیں۔

مولانا قاضی غلام جیلانی ہزاروی (۱)

۱۸۷۳ء............۱۹۵۵ء

آپ ۱۵۷۳ء کو ''بلہگ''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مولانا عبدالغفار اعوان کے ہاں پیدا ہوئے (۲)۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر (مسوال) مانسہرہ کے مولانا خلیل الرحمٰن سے مختلف علوم وفنون کی کتب پڑھیں۔ زاں بعد مولانا قطب الدین غورغشتوی کیمبلپور سے پڑھنے کے بعد ٹونک چلے گئے ، پھر مدرسہ عالیہ ناصریہ رامپور سے ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد چار پانچ سال ''داتہ''، تحصیل مانسہرہ اور ''گڑوال'' علاقہ پھلڑہ ہزارہ میں چالیس سال سے زائد عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس علاقے کے قاضی بھی رہے۔ علاقہ کے اکثر علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ان میں مولانا عبداللہ پٹھوار اور مولانا محمد غفران فاضل دیوبند خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ دومرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

وفات: ''بلہگ'' میں ۱۹۵۵ء میں وفات ہوئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

آپ لاولد تھے۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا محبّ الحق صاحب مدرس مدرسہ تجوید القرآن ٹیلیفون فیکٹری ہری پور ہزارہ سے لیا گیا جو صاحب تذکرہ کے حقیقی بھتیجے ہیں۔

(۲) قومیت کے لحاظ سے آپ اعوان تھے۔

مولانا عبدالجبار ہزاروی (۱)

۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء............۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

آپ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو جناب مولانا مفتی عبد الکریم (۲) کے گھر ''سیریاں''، بگڑہ تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مولانا احمد فاضل ہزاروی کے ہاں سکندر پور (ہری پور) پہنچے اور ان سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن سے پڑھتے رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی استفادہ کیا۔ تکمیل حضرت مولانا محمود صاحب جونپوری سے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں کی۔ فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور پھر حکومت کشمیر کی طرف سے قاضی ومفتی مقرر ہوئے۔ اس اہم منصب کے ساتھ تدریس بھی کرتے رہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی محمد ادریس خطیب بگڑہ سے لیا گیا۔

(۲) آپ کے والد مفتی عبدالکریم علاقہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ علم نحو، منطق اور فقہ میں خاص مہارت تھی۔ اسی طرح آپ کی والدہ موضع کیلگ کے مشہور عالم مولانا محمد حسین کی دختر، علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد اور نانا دونوں کی عمر تدریس میں گزری ہے۔

۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء کو والد کی وفات کے باعث ''ٹیٹوال'' سے آبائی وطن آنا ہوا اور پھر یہاں آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔

وصال

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء کو بعمر ۸۰ سال آپ کا وصال ہوا اور بگڑہ میں ''زیارت میانہ'' میں سپرد خاک کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں دو لڑکیاں اور چار لڑکے ہیں۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق حضرت مولانا سراج الدین بن حضرت خواجہ عثمان دامانی موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان سے تھا۔

مولانا سید عبدالصادق ہزاروی (۱)

۱۸۶۱ء............۱۹۵۶ء

آپ ۱۸۶۶ء کو سید عبدالخالق کے گھر ''چنار کوٹ'' بٹل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے استفادہ کیا۔ زاں بعد مولانا سکندر علی ساکن شاہ محمد ہری پور ہزارہ سے بھی پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے چار سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کی اور پانچویں سال شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی مگر فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں آپ کا نام نہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں علاقہ آلائی اور کوہستان کے دور دراز علاقوں کے طلبہ بکثرت آنے لگے۔ نصف صدی تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ قضاء کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے۔

وصال: دسمبر ۱۹۵۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور آبائی گاؤں میں دفن کیے گئے۔

اولاد: اولاد میں پانچ دختران اور دو فرزند مولانا مصباح اللہ شاہ اور سید عطاء اللہ ہیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا تمام مواد آپ کے فرزند مولانا مصباح اللہ شاہ استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی سے لیا گیا۔

مولانا عبدالغفور سواتی (۱) صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ

م ۱۹۵۷ء

آپ ''شنٹر'' ڈاک خانہ وتحصیل خواجہ خیلہ، سوات میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک وہاں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر دارالعلوم حقانیہ میں تدریس پہ مامور رہے اور اسی دوران میں ۲۱ شوال ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۷ء کو اپنے گاؤں ''شنٹر'' سے واپس آ رہے تھے کہ سوات میں رات گزارنے کے بعد صبح کی سنتوں اور فرضوں کے دوران آپ کا وصال ہوا۔

آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا عبدالحلیم زروبی صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ سے لیا گیا۔ مزید حالات نہیں مل سکے۔

مولانا سخی شاہ ہزاروی (۱)

۱۸۸۴ء......۱۹۵۹ء

آپ ۱۸۸۴ء کے قریب سید قاسم شاہ شیرازی کے گھر ''ہروڑی'' بٹل مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء مولانا خلیل الرحمٰن خان ملاّ ساکن ترہا، مولانا حاجی محمد حسین ساکن ترہا، مولانا حمید الدین مانسہروی اور مولانا محمد اسماعیل کوکلوی سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پانچ سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے چھٹے سال ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء کو امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی مگر فہرست فضلاء دیوبند ہزارہ میں آپ کا نام نہیں ہے۔

تدریس

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور اپنے گاؤں میں تدریس کا آغاز کیا اور زندگی بھر ۳۰، ۳۵ کے قریب طلبہ کو پڑھانے کا معمول رہا۔ ''ہروڑی پائیں'' کی مسجد کی امامت کے ساتھ ذریعہ معاش زمینداری تھا۔ بڑی محنت کے ساتھ زمینداری کرتے اور محنت کے ساتھ پڑھاتے۔ آپ کی مدت تدریس ۴۵ سال بنتی ہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا سید فیض علی شاہ صاحب فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

وصال

۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور گاؤں کے قبرستان میں دفن کیئے گئے۔

اولاد

اولاد میں چار فرزند مولانا فیض علی شاہ استاذ دارالعلوم دیوبند (سابقاً)، مولانا سید معروف شاہ ایڈوکیٹ، مولانا سید الاذکیاء اور مولانا سید عبدالبر شاہ ایڈوکیٹ اور دو دختران چھوڑیں۔

مولانا قاضی نورالاعظم صدیقی (۱)

۱۹۰۸ء............۱۹۶۱ء

آپ ۱۰، اپریل ۱۹۰۸ء کو منصور علی بن حضرت علی بن مولانا عثمان علی کے گھر ''باجوڑ'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر مدرسہ اہل حدیث شرقی گیٹ پشاور میں پڑھتے رہے۔

دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب (۲) دربنگوی پشاوری سے ۱۹۳۸ء میں کر کے سند حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد محلّہ مقرب خان پشاور کی مسجد میں آخری وقت تک تدریس کرتے رہے۔ تمام علوم وفنون کی کتب پڑھاتے تھے۔

وصال

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ/۲۴ جون ۱۹۶۱ء کو منیٰ کے مقام پر مزدلفہ سے واپس

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھائی حاجی میاں جان بی اے بی ٹی گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۳ پشاور سے اور کچھ ان کے شاگرد مولانا محمد اشرف خان صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی سے لیا گیا۔

(۲) مولانا عبدالرؤف صاحب نے مولانا شاہ رسول صاحب بالاگڑوی تلمیذ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے سند حدیث حاصل کی تھی۔

ہو کر آپ کا وصال ہوا اور مکہ مکرمہ میں دفن کئے گئے۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''نہایت متقی اور جید عالم تھے'' (۱)۔

(۱) مولانا محمد اشرف خان ایم اے کا ارشاد ہے کہ '' آپ نہایت متقی اور جید عالم تھے۔ ۱۲ سال کے طویل عرصہ میں کبھی مجھ سے ایک حبّہ بھی قبول نہیں کیا اور نہ کبھی کسی دوسرے سے کوئی لالچ رکھا۔ تقوی کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں بجلی ہونے کے باوجود فجر کے بعد اکثر کتابیں مٹی کے دیئے کی روشنی میں پڑھائیں۔ فرماتے تھے کہ واقف کی نیت بجلی لگانے میں صرف فرض نماز کی ہے، اس لئے ہم اسے کیسے استعمال کر سکتے ہیں''۔

(موخوذ از ماہنامہ رشاد سیالکوٹ دسمبر ۱۹۷۲ء، راقم کا اپنا مضمون ص: ۸۸ ذیلی نوٹ)

مولانا عبدالحنّان مردانی (۱)

۱۸۷۱ء.................۱۹۶۱ء

آپ ۱۸۷۱ء کو ''طوروسواڑیاں'' ضلع مردان میں سید عبدالاحد بن سید جلال الدین بن سید امام الدین بن سلطان الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب سیّدنا امام حسین سے جاملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء مولانا سید قطب شاہ عباسی، علامہ عبدالجمیل طوروی سے بھی پڑھتے رہے۔ زاں بعد کچھ عرصہ نوشہرہ میں بھی رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور وہیں سے تکمیل کر کے سندالفراغ حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد ''مانڈلے'' چلے گئے، جہاں ایک رئیس مسلمان کے تعاون سے ایک مسجد اور ایک دارالعلوم بنائے۔ مانڈلے میں یہ پہلی مسجد اور پہلا دارالعلوم تھا۔ چند سال تک آپ نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، پھر جامع طورو آپ کی تدریس کا مرکز بنی، آخری وقت تک وہاں تدریس کرتے رہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی سید ہدایت اللہ شاہ ناظم سعادت دارالعلوم طورو مردان سے لیا گیا۔

کتب حدیث بھی زیر درس رہا کرتی تھیں۔ سوات، دیر، چترال، کابل، اور جلال الدین تک کے طلبہ آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ علاقائی تلامذہ میں مولانا سید گل بادشاہ فاضل دیوبند (مرحوم) طوروی اور مولانا حافظ محمد ادریس فاضل ڈابھیل ایم، اے مرحوم قابل ذکر ہیں۔

تحریک خلافت میں نمایاں حصہ لینے پر چھ ماہ جیل میں رہے۔

کابل ہجرت بھی کی۔ ۱۹۳۰ء میں جمعۃ علمائے ہند سرحد کے امیر رہے، پھر سیاسی کاموں سے علیحدگی اختیار کر لی اور تدریس میں لگے رہے۔

وصال

۱۹۶۱ء کو ۹۰ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور ذاتی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

اولاد

چار دختران اور نولڑکے مولوی سید ہدایت اللہ شاہ، سید ہدایت الرحمٰن، سید رضوان اللہ شاہ، عنایت اللہ شاہ، سید نور الصمد اور سید نور الاحد وغیرہ ہیں (۱)۔

---

(۱) یہ اولاد دو بیویوں سے ہے۔ پہلی بیوی برما کی تھیں، لیکن ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد دو نکاح اور کیے۔ اب یہ اولاد انہی دو بیویوں سے ہے۔

مولانا فضل حق سواتی (۱)

۱۸۶۶ء............۱۹۶۳ء

آپ ۱۸۶۶ء میں مولانا عبدالحق صاحب کے گھر علاقہ ''لغمان'' کے ایک گاؤں اسلام آباد سوات میں پیدا ہوئے۔

اکثر درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، پھر قاضی سید احمد کابلی، قاضی ملا باز کابلی، قاضی صاحب سم دیولی سواتی، سکرگا مولوی صاحب اور قاضی میر اکبر خان سے تکمیل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد سے لے کر ۱۹۶۲ء تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں۔ آپ کے سینکڑوں کی تعداد میں تلامذہ موجود ہیں۔

تصانیف

۱......سنت محمدی

۲......أحكام اللطيفة في إقامة الخليفة (۲).

وفات: ۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء کو ۵ بجے شام آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: اولاد میں پانچ فرزند اور اتنی ہی دختران ہیں۔

---

(۱) مواد میاں عطاء اللہ کاکا خیل ایم اے کی وساطت سے ملا۔

(۲) یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آیا یہ مطبوع ہیں یا غیر مطبوع۔

مولانا ولی اللہ قریشی ہزاروی (۱)

۱۸۹۸ء..................۱۹۶۵ء

آپ ۱۸۹۸ء کو ''ہاڑی میرا''، تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مولوی میر عالم جی کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مدرسہ معینیہ اجمیر میں دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء کو ''مظاہر علوم'' سہارنپور میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء کو دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تفسیر کی سند شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء کو لی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد وطن آئے اور مدرسہ اصلاح العلوم مانسہرہ میں بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ چند سال کی تدریس کے بعد جہانگیر آباد ضلع ملتان کے مدرسہ تعلیم القرآن میں دو سال تک پڑھاتے رہے۔

پھر بمبئی سورت کے مدارس میں تدریس کی۔ ۱۹۴۹ء کو واپس وطن

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی مظفر اقبال ایم اے اسسٹنٹ لائبریرین علوم شرقیہ پشاور یونیورسٹی لائبریری سے لیا گیا۔

آئے، پھر مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بہاولنگر میں تدریس کی۔ زاں بعد راولپنڈی کے دو مدرسوں: تدریس القرآن والحدیث اور مدرسہ عثمانیہ ورکشاپی میں یکے بعد دیگرے تدریسی خدمات انجام دیں۔

وصال

۴، اپریل ۱۹۶۵ء کو سرطان کی بیماری سے آپ کا وصال ہوا اور ''ہاڑی میرا'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں ایک فرزند مولوی مظفر اقبال قریشی اور ایک دختر عائشہ بی بی ہیں۔

مولانا عبدالودود پشاوری (۱)

۱۹۱۲ء............۱۹۶۵ء

آپ مولانا سید ریحان گل کے فرزند ہیں ۔ فروری ۱۹۱۲ء کو علاقہ ''ڈبگری'' پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر مدرسہ ''رفیع الاسلام'' بھانہ ماڑی پشاور میں پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا سید حسین احمد سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تحریک آزادی

تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۴۶ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی پکار پر تحریک پاکستان سے وابستہ ہو گئے اور سرحد کے ریفرنڈم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جگہ جگہ دورے کیے۔

تصنیف

۱۹۴۰ء میں فتنہ مرزائیت کے خلاف ایک جامع کتاب ''تیر وودود بر سینہ مردود'' لکھی، جو بہت پسند کی گئی، مگر کتاب فوراً حکومت نے ضبط کر دی اور آپ کو ضلع بدر کر دیا گیا۔

(۱) سوانحی خاکہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی اشرف علی قریشی کی وساطت سے ملا۔

جامعہ اشرفیہ کی تاسیس

۱۲ اپریل ۱۹۵۳ء کو صوبۂ سرحد کی تاریخی مسجد ''مہابت خاں'' میں جامعہ اشرفیہ پشاور کی داغ بیل ڈالی اور اس کا نام اپنے مرشد مولانا اشرف علی تھانوی کے نام پر رکھا۔ سیاسیات سے علیحدگی اختیار کر کے ہمہ تن تدریس میں لگ گئے اور آخر وقت تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

وفات

۸، اگست ۱۹۶۵ء کو پشاور میں وفات ہوئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اولاد

اولاد میں آپ کے دو فرزند مولوی محمد یوسف قریشی اور مولوی اشرف علی قریشی ہیں۔

مولانا قاضی نجم الدین ڈیروی (۱)

۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء............۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

آپ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء کو مولانا قاضی عبدالغفار کے گھر ''کلاچی''، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مولانا فضل حق صاحب سے تکمیل کی۔ کتب حدیث حضرت مولانا حافظ عبدالرحیم کلاچوی سے پڑھیں۔

تدریسی خدمات: فراغت علوم کے بعد ''کلاچی'' میں تدریس کا آغاز کیا اور ایک عرصہ تک تدریس جاری رکھی، پھر باقاعدہ مدرسہ ''نجم المدارس'' کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ میں آخر عمر تک کتب فنون کے علاوہ مشکوۃ شریف کا درس حسبۃً اللہ دیتے رہے۔ تدریس کے ساتھ قضاء وافتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ آپ کے خاندانی کتب خانہ ''نجم المعارف'' میں کئی ایک کتابیں ایسی ہیں، جن پر آپ کے قلمی حواشی موجود ہیں۔

وصال: ۱۴، محرم ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کو آپ کا کلاچی میں وصال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں آپ کے تین فرزند مولانا قاضی عبدالکریم، مولانا قاضی عبداللطیف اور مولانا حافظ عبدالرشید ہیں (۲)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولانا قاضی عبدالکریم فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) قاری فیوض الرحمٰن: علمائے کلاچی، قسط نمبر:۲، ترجمان اسلام، لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص:۲ (کی تلخیص ہے)۔

مولانا سید عبدالغفار شاہ سواتی (۱)

۱۸۷۳ء............۱۹۶۶ء

آپ ۱۸۷۳ء کو ''ڈھیرے'' سوات میں حضرت نور صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: موضع ''برہ بانڈی'' میں قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا فضل حق لغمان سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم: مئے کلے دوآبہ پشاور بٹ خیلہ میں پڑھنے کے بعد دارالعلوم سرکی گیٹ پشاور میں ۱۲ سال تک پڑھتے رہے اور سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد اپنے گاؤں میں تدریس کا آغاز کیا اور آخر میں تدریس حدیث کی بھی نوبت آئی، ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔

تصنیفی خدمات: کافیہ (تقریر)، نظم مائۃ عامل (تقریر) مقدمۃ الجزری کا ترجمہ اور حزب البحر کا ترجمہ غیر مطبوع ہیں۔

صوفیانہ مسلک: حضرت فضل شاہ صاحب ملزائی سے طریقت کی تکمیل کی۔

وصال: ۱۹۶۶ء میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن کئے گئے (۱)۔

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد سید عطاء اللہ کاکا خیل، ایم اے کی وساطت سے دستیاب ہوا۔

مولانا فضل رحیم پشاوری (۱)

۱۸۸۲ء............۱۹۶۷ء

آپ ۱۸۸۲ء کو ''اکبر پورہ''، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور میں مولانا گل احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر بڈھنی ضلع پشاور کے مولانا قاضی صفی اللہ صاحب سے کچھ عرصہ تک پڑھتے رہے۔اسی طرح ''چھب میرا'' میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کی تکمیل مولانا مفتی عبدالرحیم پوپلزئی پشاوری سے کی (۲)۔

تدریس اور ممتاز تلامذہ

فراغت کے بعد اکبر پورہ کی جامع مسجد ''سیداخون پنجو صاحب'' میں خطابت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا اور آخر عمر تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔آپ کے تلامذہ عموماً بنیر، دیر، سوات، دیر، اور قبائلی علاقوں سے تعلق

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھائی جناب خلیفہ عبدالقیوم صاحب سے حاصل کیا گیا۔

(۲) مولانا مفتی عبدالرحیم پوپلزئی ممتاز عالم دین تھے۔حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر سند حاصل کی تھی۔ بعد میں عمر درس وتدریس اور تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے میں گزری۔

رکھتے تھے۔ان میں مولوی عبداللہ ساکن اکبر پورا، مرحوم مولوی عبدالمجید زخوی، شیخ عبدالرحمٰن اکبر پورہ، مولوی ولی اللہ مرحوم زخوی، اور نواب شاہ ساکن اکبر پورہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

وفات

۲۳ جون ۱۹۶۷ء کو ۸۵ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کی امامت میں ہزاروں مسلمان نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور سیداخون پنجو صاحب کے قریب دفن کیے گئے۔

اولاد

اولاد میں چار فرزند عبدالوکیل، فضل احمد، حاجی محمد داؤد، اور عبدالرؤف صاحبان ہیں۔مولوی فضل احمد صاحب آپ کی جگہ درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا قاضی محمد گل گھنولی ہزاروی (۱)

۱۸۹۹ء..........۱۹۷۱ء

آپ ۱۵ دسمبر ۱۸۹۹ء کو ''گھنول'' علاقہ کاغان تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں وزیر محمد کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر کچھ عرصہ لاہور میں پڑھتے رہے۔ زاں بعد بہوئی گاڑ (کیمبلپور) میں تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران آپ کے اساتذہ میں سے مولانا حبیب اللہ گھنولی رامپور چلے گئے، تو انہوں نے آپ کو بھی رامپور بلالیا۔

آپ نے مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۸ء میں ''مولوی عالم'' اور ۱۹۲۱ء میں مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ بعد میں منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ ۱۹۲۲ء میں مدرسہ عالیہ رامپور میں دورۂ حدیث پڑھ کر سندالفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ شاہجان پور میں تدریس پہ مامور ہوئے اور ایک عرصے تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

پھر آگرہ میں تدریس کرنے لگے اور ۱۹۵۰ء تک وہاں تدریس کرتے

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد قاری محمد داؤد ساکن گھنول کے توسط سے لیا گیا۔

رہے۔ اسی سال واپس وطن آئے، پھر چینوٹ اور کراچی میں تدریس کرنے کے بعد وطن آ گئے۔

انتقال

تین سال کی علالت کے بعد رمضان المبارک میں بروز جمعرات ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء کو آپ کا وصال ہوا اور گھنول کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

مولانا سید گل بادشاہ مردانی

۱۹۱۳ء.........۱۹۷۳ء

آپ بروز جمعرات جنوری ۱۹۱۳ء کو مولانا سید فضل رحیم خراسانی قادری بن امیر الحسین صاحب کے گھر ''سواریاں'' طورو ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدین (۱) ماجدین سے حاصل کی۔ اس دوران طورو سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۳۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۵۸۔۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء میں شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد نواب آف طورو کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا اور کچھ عرصہ وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔

سیاسی خدمات: ملک کی آزادی کے لیے آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر چنے گئے اور ۱۹۴۶ء تک کام کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کی طرف سے صوبۂ سرحد کے امیر رہے۔

---

(۱) آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے والد مولانا محمد انعام اللہ صاحب سے (جو ریاست حیدر آباد دکن میں عہدۂ قضاء پہ تیس سال متمکن رہے) باقاعدہ علوم دینیہ کی تکمیل کی تھی۔

قید و بند

۱۹۴۶ء میں انگریز حکومت کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کرنے کے جرم میں قید کر دیئے گئے، مگر قیام پاکستان کے بعد پیرول پر رہا کر دیئے گئے۔

۱۹۴۸ء میں خان عبد القیوم کی وزارت اعلیٰ کے دوران کلمۂ حق کے اظہار میں گرفتار کر لئے گئے (۱)۔ جب ۱۹۵۴ء میں غلام محمد پاکستان کے گورنر جنرل بنے، تو انہوں نے سیاسی قیدیوں کی عام رہائی کا حکم دیا، تو آپ کی رہائی ہوئی۔ اس طرح گویا سات سال کے قریب آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

خطابت

آپ اردو اور پشتو کے بہترین خطباء میں سے تھے۔ صوبۂ سرحد کا شاید ہی کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں آپ کا خطاب نہ ہوا ہو۔ جہاں کوئی بات خلاف شرع دیکھ لیتے، اسی وقت اس کے خلاف آواز بلند کر دیتے تھے۔

صحافت

مردان سے ایک اخبار ''صداقت'' جاری کیا۔ اس کی روح رواں آپ

---

(۱) آپ نے ایک تقریر میں بیان کیا کہ ''مجھے خان عبد القیوم نے کہا کہ جمعیۃ علماء اسلام سے تعلق ختم کر دو۔ جب میں نے بات نہ مانی، تو مجھے قید کر دیا اور کہا کہ اب جیل میں پڑے رہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں سید کا بیٹا ہوں، جب باہر نکلوں گا تو ان شاء اللہ تم صوبۂ سرحد کے وزیر اعلیٰ نہیں رہو گے۔ آخر وہی ہوا، جب سات سال بعد میری رہائی ہوئی، تو خان صاحب جا چکے تھے۔

کی تصانیف تھیں۔تصنیف وتالیف کی خاطر ایک مجلس علمی قائم کی جس نے آپ کی تین کتابیں تعلیم الاسلام، قانون وراثت اور چالیس حدیثیں (پشتو) شائع کیں۔

وصال

۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو شوگر کی تکلیف سے وصال ہوا اور اپنے گاؤں میں دفن کیئے گئے۔نماز جنازہ میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔امامت مولانا غلام غوث ہزاروی نے کی۔

اولاد

آپ کی اولاد نرینہ نہیں ہے۔صرف چار لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک سید عبدالعزیز شاہ پرنسپل ''صداقت'' ماڈل پبلک سکول مردان کی اہلیہ ہیں۔

مولانا محمد ولی اللہ قادری پشاوری (۱)

۱۹۰۳ء..........۱۹۷۴ء

آپ ۳، اپریل ۱۹۰۳ء کو بروز پیر بوقت صبح صادق ''زخی کہنہ'' نزد اکبر پورہ، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور میں جناب مولانا فضل اللہ صاحب افغان کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، پھر حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم ساکن اکبر پورہ اور مولوی سید پھل بادشاہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت مولانا زیارت گل صاحب ساکن ''جبہ داؤدزئی'' کی خدمت میں پہنچے اور انہی سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۹۲۷ء میں سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد ''زخی کہنہ'' کی مسجد میں تدریس کا آغاز کیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں۔ چھ سال کے بعد جامع مسجد گنج دروازہ پشاور میں منتقل ہوئے اور وہاں ''دارالعلوم ناجیہ'' کی بنیاد رکھی، جس میں تقریباً ۲۰ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے اعزاء کے شدید اصرار پر واپس آئے اور مرکزی جامع مسجد نادان شہید میں اس دارالعلوم کو منتقل کر کے

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد مولوی محمد احسان اللہ جان سے لیا گیا۔

آخر وقت تک تدریس کرتے رہے۔

صوفیانہ مسلک

مولانا حاجی محمد امین عمرزئی المجاہد سے قادری سلسلہ میں خلافت حاصل کی۔

وصال

۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء کو آپ کا وصال ہوا اور نادان شہید مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

اولاد

حبیب اللہ جان، محمد احسان اللہ جان، حافظ محمد امین، قاری ابراہیم خلیل اللہ، قاری بسم اللہ جان، الحمدللہ جان اور سبحان اللہ ہیں۔

ممتاز تلامذہ

ممتاز تلامذہ میں مولوی حافظ عبدالعزیز خطیب جامع پولیس لائن پشاور، مولوی خیر محمد ترکستانی، مولوی ثناء اللہ بدخشانی، مولوی محمد زکریا خراسانی اور مولوی حاجی محمد اسلم خان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

باب ششم

مصنفین فقط

(دینی مدرسہ میں تدریس نہیں کی)

مولانا فیض اللہ قریشی ہزاروی

م ۱۸۵۹ء

آپ تربیلہ ہزارہ کے ایک قصبہ ''لمغانیاں''(۱) کے رہنے والے تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا۔ آپ کی تعلیمی زندگی کی معلومات بھی نہیں ہوسکیں۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''آپ علوم معقول اور منقول کے علاوہ عربی ادب میں درجۂ فضیلت رکھتے تھے''(۲)۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت سید محمد امیر المعروف بہ ''کوٹھا صاحب'' کے مریدین میں سے تھے اور دوسرے مریدین کی طرح اپنے پیر طریقت کی مدح میں فارسی اور پشتو زبان میں کئی قصائد لکھے ہیں''۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں "إقامة الجمعة وفرضية الجمعة" (عربی/

(۱) قصبہ لغمانو اور لغمانیاں ایک ہی قصبہ کے دو نام ہیں۔ ''لغمانو'' پشتو زبان میں اور ''لغمانیاں'' ہندکو میں کہا جاتا ہے۔ عبدالحلیم اثر افغانی: تیر ہیر شاعران، پشاور ۱۹۶۳ء ص: ۲۲۴۔

(۲) یہ قصائد مولانا صفی اللہ کی کتاب ''نظم الدرر دی فی سلک السیر'' میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے بارے میں کئی جگہ تعریفی و توصیفی کلمات بھی آئے ہیں۔

فارسی)، "إشارة بالسبابة" اور ''گنج سعادت'' ایک طویل پشتو مثنوی کی کتاب ہے جو ۱۲۶۹ھ میں لکھی گئی۔ یہ تمام کتابیں قلمی ہیں (۱)۔

آپ کا تذکرہ ایک اور مقام پر بھی نظر سے گزر رہا ہے (۲)۔

تاریخ وفات

آپ کی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔ عبدالحلیم اثر لکھتے ہیں کہ

''آپ سال ۱۸۵۹ء میں زندہ تھے''(۳)۔

(۱) یہ تمام معلومات مولانا عبدالحلیم اثر افغانی سے لی گئی ہیں۔

(۲) عبدالحلیم اثر افغانی: تیر ہیر شاعراں، پشاور یونیورسٹی پشتو اکیڈمی ۱۹۶۲ء، ص: ۲۲۴ تا ۲۲۹۔

(۳) مکتوب ۱۱ مارچ ۱۹۷۶ء۔

مولانا قاضی عبدالقادر ہزاروی

م۱۸۹۹ء

آپ مولانا ولی احمد بن عبدالستار بن میاں محمد فیاض بن بابا رحمت اللہ اخون زادہ بن بابا گل محمد بن شیخ نہال بن شیخ عبدالملک (اوستاد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب) کے گھر سرائے صالح تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ ولادت (۱) معلوم نہ ہوسکی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے بھوپال پہنچے اور وہاں مولانا محمد احمد (۲) بن عمر سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ علم طب کی تحصیل سید نورالحسن بخاری بھوپالی ابن حکیم سید حسن سے کی۔

فراغت علوم کے بعد ایک عرصہ تک نواب بھوپال کے ہاں شعبۂ تصنیف وتالیف میں ملازم تھے یا وظیفہ خوار۔

تصانیف

۱......السيف المسلول في نحر من سب التابعي وأصحاب

(۱) آپ کے فرزند مولوی قاضی عبدالقیوم صاحب بھی تاریخ ولادت نہ بتاسکے۔

(۲) مولانا محمد احمد کی قراءت وسماعت مولانا محمد عبدالقیوم محدث دہلوی ثم بھوپالی سے اوران کی مولانا شاہ محمد اسحاق سے اوران کی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اوران کی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تھی۔

الرسول الملقب به "كشف الحجاب عن مغالطة الرفضة في عقد أم كلثوم لعمر بن الخطاب".

۲......تبصرة المجودين في رد مغالطات الوهابيين.

یہ دونوں کتابیں لکھنؤ میں چھپیں۔

۳...... البينات في استنباط أحكام إخراج الآيات.

یہ کتاب ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں بھوپال میں چھپی۔

۴......حاشیہ مشکاۃ شریف (عربی) سرورق اور چند اوراق مطبع صدیقی شاہجہانی میں چھپے تھے کہ آپ کا اپنے مولد "سرائے صالح"، تحصیل ہری پور ہزارہ میں ۱۸۹۹ء میں انتقال ہوگیا اور یہ کتاب پھر چھپ نہ سکی۔

۵......اسماء الرجال پہ ردیف وار کام کیا تھا، مگر غیر مطبوع ہے (۱)۔

اولاد: اولاد میں صرف ایک فرزند مولوی قاضی عبدالقیوم صاحب ہیں (۲)۔

تصنیف نمبر۳ کی کچھ تفصیل

"البینات فی استنباط احکام اخراج الآیات" یہ کتاب ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں بھوپال میں چھپ گئی ہے۔ ٹائٹل پہ درج ذیل عبارت درج ہے:

(۱) سوانحی تذکرہ کا مواد قاضی عبدالقیوم اور قاضی غلام اصفیاء سے لیا گیا۔ مولانا عبدالحلیم اثر افغانی نے بھی رہنمائی فرمائی۔

(۲) قاضی عبدالقیوم صاحب اشرف الآثار نزد ڈاک خانہ حسن ابدال میں قیام پذیر ہیں۔

حسب الحکم مخزن جود و کرم منبع فیض اتم جناب نواب شاہ جہان بیگم ادام اللہ اقبالھا

البینات فی استنباط احکام اخراج الآیات

۱۳۱۵ھ

از تالیف لطیف مجمع الفضائل، منبع الفواضل مرکز دائرہ علوم عقلیہ، فارس مغمار فنون عقلیہ وھو بین الامثال والاقران فی العلوم کالقمر فی النجوم جناب مولانا

عبدالقادر صاحب ہزاروی سلمہ الباری

باہتمام حافظ کرامت اللہ مہتمم مطبع ریاست در مطبع صدیقی وشاہجہانی بھوپال طبع گردید۔

اس کتاب کا دیباچہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

أحمدك يا من خلق سبع سموات وجعل الأرض مثلهن طبقات، و صلّ وسلّم على خاتم الأنبياء سيد المرسلين محمد المبعوث رحمة العلمين وعلى آله وأهل بيته و أصحابه أجمعين.

أما بعد! فيقول العاصي من لاصناعة له إلا اكتساب الخطيات ولا حرفة له إلا ارتكاب السيات الراجي إلى عفو ربه الباهر المدعوبه محمد عبدالقادر الهزاروى تجاوز الله عن ذنوبه الجلي والخفي المتثبت بمذهب الحنفي رزقة المنازل الأخروي ابن مركز دائرة التحقيق، منبع عيون التدقيق، مطلع شموس المعقول، مظهر أقمار

المنقول الواقف من أسرار الله الصمد مولانا شاه ولي الله أحمد ستر عيوبه الله الأحدا لغامس في بحر الكامل المشتهر في المشارق والمغارب، في الفواضل والفضائل، صاحب السلسله الچشتيه، لا زاله الله في الجنان العالية.

کہ اس عاجز ضعیف البنیان ہیچمدان کے دل میں مدت مدید سے یہ خیال سمایا تھا کہ ایک فہرست واسطے نکالنے ہر قسم کی آیت قرآن مجید کے بہ ترتیب حروف یکے بعد دیگرے اور واسطے اخراج چند مضامین ضروریہ متداولہ روزمرہ کے بطریق سہل مقرر کرے۔

یہ کتاب موسوم بہ بیّنات ۲۲......۲۹ سائز کے چار سو چونتیس (۴۳۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ منشی محمد معشوق علی خان جوہر شاہجہان پوری نے اس پر تقریظ لکھی ہے۔ ص (۴۲۳) پر مولانا عبدالقادر مؤلف کتاب ھذا کی سکونت موضع سرائے صالح ضلع ہزارہ لکھی ہوئی ہے(۱)۔

(۱) عبدالحلیم اثر افغانی: موادمرسلہ قلمی۔

مولانا سید محمود شاہ ہزاروی (۱)

۱۸۴۶ء............۱۹۰۹ء

آپ ''ڈہینڈہ'' ہری پور ہزارہ میں ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید میر محمد شاہ اور دادا کا نام شاہ حسین بن پیر شاہ مشہدی تھا۔

ابتدائی تعلیم

والد صاحب اور اعمام سے حاصل کی۔ علم قراءت کی تحصیل قاری مولوی میر عبداللہ ساکن سرائے صالح ہری پور ہزارہ سے کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے حافظ محمد صاحب ساکن ''لکھوکے''، ضلع فیروز پور کی خدمت میں پہنچے۔ انہی سے تکمیل کر کے واپس وطن آئے۔

آپ نے خطابت میں نام پیدا کیا۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، تو چلتے لوگ کھڑے ہو جاتے تھے۔ آواز بھی عمدہ تھی۔

تصانیف

۱......عقیدہ محمودیہ: اس میں حاسدوں کے غلط الزامات (۱) اور اپنے عقائد کی وضاحت کی۔

۲......تبصرة الجمعة: (عربی) صفحات ۱۸۴، بڑا سائز، مطبوعہ ریاض الہند،

---

(۱) آپ کے تذکرہ کا مواد سید عبدالواجد شاہ صاحب سے لیا گیا۔

(۲) ڈہینڈہ، ہری پور سے دو تین میل کے فاصلہ پر جانب غرب ایک بستی ہے۔

امرتسر۔

۳......ترجمہ مجموعۂ خطب: یہ حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر اکابر کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ ترجمہ آپ کے قلم سے ہے۔ صفحات ۷۶، بڑا سائز۔

۴......حاشیہ تنبیہ المشرکین، مطبوعہ لاہور ۱۸۹۶ء۔

وصال

۱۹۰۹ء کو ''ڈہینڈہ'' میں آپ کا وصال ہوا۔ لوح قبر پر تاریخ وفات کا اندراج نظماً منقش ہے۔

شاہ محمود ہادی دوراں — عالم و فاضل و حید زماں
عمر اوعمر احمدی داند — رخت دین آمد تولد آں
رفت از سر چوں تاج احمد شاہ — سال اوگشت ''واعظ قرآن''

مولانا سراج الدین ڈیروی

۱۵محرم الحرام۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء..........۲۶ربیع الاول۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

آپ خواجہ محمد عثمان دامانی ڈیروی کے فرزند تھے۔

ولادت: ۱۵محرم الحرام۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء کو ''موسیٰ زئی شریف''، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔

حصول تعلیم

قرآن مجید اخوند ملا شاہ محمد بابڑ ساکن چودھواں سے پڑھا۔ فارسی میں نظم ونثر کی متداول کتابیں، عربی میں صرف ونحو، منطق وعقائد، اور علم تجوید وقراء ت کے رسائل، فقہ میں کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ اولین وآخرین، اصول فقہ میں نور الانوار اور چند جزوحسامی، تفسیر میں جلالین، حدیث میں مشکوۃ شریف نصف اوّل، ابن ماجہ نصف اوّل حضرت مولانا محمود شیرازی رحمہ اللہ سے پڑھیں اور بقیہ کتب، یعنی: حسامی کامل، شرح وقایہ جلدین آخرین ہدایہ اولین، تفسیر مدارک، تنقیح اصول بزودی اور معانی میں تلخیص المفتاح، ترجمۂ قرآن مجید، مشکوۃ شریف نصف آخر اور صحاح ستہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی سے پڑھیں۔

تصوف میں مکتوبات ربّانی ہرسہ دفتر ومکتوبات معصومیہ ہرسہ دفتر اپنے

والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ سے پڑھے......۱۳۱۱ھ میں فارغ ہوئے۔ خواجہ محمد عثمان نے اپنے فرزند ارجمند کو چودہ سال کی عمر میں تمام سلاسل طریقت میں اجازت مطلقہ عطا فرمائی اور سند اجازت تحریر کرنے کے بعد آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمادیا......۱۸ سال تک مسند ارشاد پر متمکن رہے............عمر مبارک ۳۵ سال پائی۔ زندگی کے آخری ایام میں ورم امعاء کا عارضہ لاحق ہوا۔

حکیم حافظ محمد اجمل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دہلی میں زیر علاج رہے اور ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو عین شباب میں اپنے خالق حقیقی کو جاملے اور اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان کے پہلو میں جگہ پائی۔ مولانا حکیم عبد الرسول صاحب نے ایک طویل قطعہ نظم فرمایا۔ اس کے چند اشعار مادۂ تاریخ کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

بہر تاریخ وصل آں حضرت — بنو شتم زکلک خوں افشاں
از جہاں رفتہ آفتاب زمن (۱۳۳۳ھ) — شب غم سوخت جان حسرتیاں
حال زارم چو دید ہاتف غیب — گفت مستور شد سراج جہاں (۱۳۳۳ھ) (۱)

(۱) محبوب الٰہی : تحفۂ سعدیہ : لاہور : ۱۳۹۳ھ ص۶۳، ۷۴، ۷۵

علامہ عبدالحیٔ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الشيخ الصالح سراج الدين بن عثمان الحنفي النقشبندي الديروي أحد مشايخ المشهورين، ولد يوم الإثنين لخمس عشرة خلون من محرم سنة سبع وتسعين و مائتين وألف بقرية "موسى زئي" من أعمال ديره إسماعيل خان و نشأ في مهد العلم والمشيخة و قرأ بعض الكتب الدرسيةعلى مولانا محمود الشيرازي ، وبعضها على مولانا حسين علي الواني، وأخذ الطريقة عن أبيه و لازمه إلى يوم وفاته، ثم تولّى الشياخة مكانه، أخذ عنه المولوي غلام حسين الكانپوري، وخلق كثير من العلماء المشائخ.

(وكان شيخاً جليلاً صاحب إفاضة قوية، واستقامه على الطريقة وأد بها شأن أسلافه الكرام وكانت له وجاهة عظيمة وشغف بعلم الحديث ،خرج الأحاديث الواردة في المبسوط للسرخسي، مات يوم الجمعة لثلاث بقين من ربيع الأول سنة ثلاث وثلاثين وثلاث مائة وألف، بموسى زئي)"(١).

(۱) عبدالحیٔ، مولانا، حکیم: نزہۃ الخواطر، ج: ۸، حیدرآباد ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ص: ۱۵۷، ۱۵۸۔

مولانا مدرار اللہ لکھتے ہیں کہ

''حضرت سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۵ محرم ۱۲۹۷ھ موسیٰ زئی شریف میں ہوئی۔ آپ نے ۱۳۵۴ھ کو وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون''(۱)۔

مزار مبارک موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے(۲)۔

(۱) مدرار اللہ: تجلیات صدیقی، کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۴ء، ص: ۴۲۹۔ (مگر انہوں نے تاریخ وفات غلط لکھی ہے۔ آپ کی صحیح تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ ہے)۔

(۲) مدرار اللہ: تجلیات صدیقی، کراچی، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۴ء، ص: ۴۴۹۔

حضرت عبدالرحمٰن چھوھروی ہزاروی

۱۸۳۲ء............۱۹۲۴ء

آپ ۱۲۳۸ھ/۱۸۳۲ء کو ''سرائے صالح''، تحصیل ہری پور ہزارہ میں جناب فقیر محمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے (۱)۔ نسب کے لحاظ سے آپ ''علوی قریشی'' ہیں (۲)۔ آٹھ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی تربیت والدہ محترمہ نے کی۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امی تھے۔ صرف قرآن مجید اپنے استاذ سے پڑھا تھا۔ باقی علوم متداولہ: تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق وغیرہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھے تھے، مگر اللہ جل شانہ نے آپ کو ''علم

(۱) امیر شاہ قادری: علماء ومشائخ سرحد، ج:۱، ص:۱۸۴، پر آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۶۲ھ لکھی ہے، جو درست نہیں ہے۔ نیز انہوں نے آپ کے والد صاحب کا نام فقیر محمد کی جگہ خواجہ خضری لکھا ہے، جو درست نہیں، البتہ وہ خواجہ خضری کے لقب سے مشہور ضرور تھے، مگر یہ ان کا نام نہیں تھا، بلکہ لقب تھا۔ تیسری چیز جو موصوف نے غلط لکھی ہے، وہ آپ کی جائے پیدائش ''چھوہر'' ہے، جب کہ آپ کی ولادت سرائے صالح میں ہوئی۔ پھر آپ کے والد کسی وجہ سے ''چھوہر'' چلے گئے، جہاں آپ پلے، بڑھے، پھلے اور پھولے۔ (ملاحظہ ہو اعجاز الحق قدوسی کی کتاب: صوفیائے سرحد، ص:۵۹۷)۔

(۲) آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ سے جا ملتا ہے۔

لدنی'' سے نوازا تھا''(۱)۔

صوفیانہ مسلک

''گنجھر'' مظفرآباد آزاد کشمیر کے ایک بزرگ محمد یعقوب صاحب سے بیعت ہوئے اور انہی سے سلسلۂ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ میں مجاز بھی ہوئے، پھر آخر عمر تک اس سلسلہ کی ترویج کرتے رہے۔ تین مرتبہ حج وزیارت کی سعادت ملی۔

دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں آپ نے دینی تعلیم کی نشرواشاعت کے لئے ایک ادارہ ''دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ'' کی بنیاد رکھی اور اس میں درس نظامی کی تدریس کا انتظام کروایا۔

تصنیفی خدمات

۱......محیر العقول الفحول في بیان أوصاف عقل العقول مجموعة صلاة الرسول، (عربی) جو ۱۲ سال ۸ مہینے اور بیس روز میں مکمل ہوئی۔ یہ ضخیم کتاب درود شریف کے طرز پر تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۵۳ء میں دوسری بار پشاور سے ۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۲......شجرۂ طیبہ سلسلۂ عالیہ قادریہ

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۱، ص:۱۹۵۔ (جب آپ نے قرآن مجید اپنے استاذ سے پڑھا تو پھر امی نہ رہے۔ انہی سے یا دیگر اساتذہ سے تکمیل کی ہوگی)۔

۳......حرز بسم اللہ

۴......فتوح الاذکار

۵......صلاۃ العظمیٰ

۶......صلاۃ الکبریٰ

وصال: یکم ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء کو آپ کا وصال ہوا اور ''چھوہر'' میں دفن کیئے گئے۔

اولاد: دو بیویوں سے آپ کے تین فرزند مولوی محمد فضل الرحمٰن، حاجی محمد فضل سبحان اور محمد محمود الرحمٰن ہیں۔

خلفاء

محمد عباس خان قادری نے آپ کے ۲۸ خلفاء کا تذکرہ کیا ہے(۱)، جن میں حافظ قاری سید احمد ساکن سری کوٹ (ہزارہ)، سید امان علی شاہ ترمذی، شاہ اسد الحق دہلوی ثم پشاوری اور مولانا حافظ نور محمد ساکن لنگ پکھلی (ہزارہ) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''جس وقت ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج کی تعمیر شروع ہوئی، تو کالج کی بنیاد رکھتے وقت جناب حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا،

(۱) محمد عباس خان قادری: سیرۃ رحمانیہ، قلمی، ص:۷۹،۸۰۔

تو حضرت خواجہ صاحب نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا''(۱)۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''۲۱ مارچ ۱۹۱۲ء کو اس کالج کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی۔ سنگ بنیاد کی رسم کے موقع پر مولانا عبداللہ عباس معروف بہ ''قطب شاہ'' نے تلاوت قرآن مجید کی، نواب عبدالقیوم خان لودہی اور کرنل اسلم خان سدوزئی ایک بالٹی میں چونا اور چاندی کی کرنی لے کر حاجی صاحب کی طرف بڑھے اور آپ سے سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی، حضرت حاجی صاحب نے اپنے دست مبارک سے اس کالج کی خشت اول رکھی''(۲)۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج۱، ص:۱۸۹۔ (کالج کی بنیاد ۱۹۱۲ء کو رکھی گئی تھی، نا کہ ۱۹۱۳ء میں، اور حاجی فضل واحد المعروف بہ ''حاجی ترنگزئی'' نے انکار کب کیا تھا؟)۔

(۲) اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے سرحد، لاہور مئی ۱۹۶۶ء، بار اول، ص:۶۱۷، تذکرہ حاجی صاحب ترنگزئی۔ (یہ اقتباس درست ہے، جس کی تائید رپورٹ ابتدائی اسلامیہ کالج سے بھی ہوتی ہے)۔

شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاوری

۱۸۶۰ء......۱۹۳۵ء

آپ شعبان ۱۲۷۷ھ/۱۱، اپریل ۱۸۶۰ء کو ''اکبر پورہ'' تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں جناب قاضی میر صاحبزادہ صاحب (خلیفہ اخوند عبدالغفور صاحب سوات) کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر اکبر پورہ کے دیگر اساتذہ سے پڑھتے رہے، پھر چھچھ ہزارہ، پنجاب، خراسان اور ہندوستان کے ممتاز علماء سے تکمیل کی۔

۱۲۹۳ھ/جون ۱۸۷۵ء کو لاہور پہنچے اور سوا چار سال کے عرصہ میں مولوی، مولوی عالم، منشی فاضل، مولوی فاضل، ڈاکٹری، قانون اور ریاضی کی سندات لارڈلٹن وائسرائے ہند سے حاصل کیں۔ انعام اور تمغہ بھی حاصل کیا۔ ستمبر ۱۸۷۹ء میں نورکل کالج امرتسر میں پروفیسر علوم مشرقیہ مقرر ہوئے۔ تین سال چار ماہ تک وہاں تدریس کی۔ جنوری ۱۸۸۳ء میں مسٹر وائٹ کنگ سیکرٹری فنانس کمشنر پنجاب کے اتالیق مقرر ہوئے اور ان کی معیت میں چھ سال تک پنجاب، سرحد، افغانستان، راجپوتانہ، میسور، مالدہ، مدراس، نینی، بنگالہ، پورب کشمیر وما یضاف الیہ دورہ کیا اور انہیں اس دوران پڑھاتے رہے۔ کلکتہ میں ہائی پروفیشنسی وآنرڈگری ہائے عربی وفارسی واردو حاصل کیں۔ ۲۶

جولائی ۱۸۸۸ء میں ۱۴ سال کی مسافرت کے بعد واپس وطن آئے اور والدین کی زیارت کی۔

۱۸۸۸ء کی سرمائی چھٹیوں میں بروز جمعہ ۲۸ سال کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا۔

سرکاری ملازمت

۲۹ سال کی عمر میں نورمل سکول راولپنڈی میں ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۶ء سات سال اور ساڑھے سات ماہ تدریس کی۔ سنٹرل ماڈل سکول ۲۶ جون ۱۸۹۶ء سات سال اور سات ماہ تک وہاں تدریس کی۔ اسی دوران ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو قیصر ہند کی تقریب سالگرہ میں آپ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب مع خلعت فاخرہ عطا ہوا اور خاندانی وجاہت کے لحاظ سے ایک اعزازی تمغہ بھی ملا۔ ۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں فرسٹ اورینٹل ٹیچر مقرر ہوئے۔

ملازمت ریوڑن پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور

۱۴، اکتوبر ۱۹۰۵ء تا ۹ جولائی ۱۹۰۶ء (فارسی سروس) بمشاہرہ ۱۵۰ روپے آپ کا تقرر ہوا۔ اس دوران میں آپ نے چارسدہ ریڈر جدید عربی گریجویٹڈ و بک گرامر عربی بطریقہ جدید برائے سیکنڈری مدارس تالیف ومرتب کیں۔ آپ کی دیگر تصانیف کو بھی اگر شمار کیا جائے تو عدد ۴۰ تک جا پہنچتا ہے۔

ان میں آپ کا ایک دیوان اشعار وقصائد پر بھی ہے۔ آپ اردو، فارسی اور عربی کے قادرالکلام شاعر تھے۔

آپ کا تعارف یوں بھی کرایا گیا ہے:

"الشيخ الفاضل مير أحمد بن القاضي صاحبزاده بن محيي بن عبد الله بن عبدالرحمن العلوي البخاري ثم الهندي البشاوري أحد العلماء المشهورين. ولد ببلدة بشاور سنة سبع وسبعين ومأتين وألف. وقرأ المختصرات في بلاده ثم سافر إلى خراسان وأخذ الفقه والأصول والمنطق وغيرها عن أساتذة عصره ثم رجع إلى الهند ونال الفضيلة من كلية لاهور، ثم ساح البلاد صحبة رجال الدولة الإنكليزية تسع عشر سنة، ثم ولي التدريس في مدرسة المعلمين راولپندي، ونقل بعد مدة إلى لاهور. له رسائل في الفقه وفتاواه مشهورة في الذب عن الحكومة الإنكليزية؛ ولذلك لقبته الدولة ب "شمس العلماء" سنة تسع عشر وثلاث مائة وألف" (١).

۱۹۳۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱) علامہ حکیم عبدالحئ الحسنی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، حیدرآباد دکن، ج:۸، ص:۲۸۶۔

مولانا میر احمد قاضی ہزاروی

۱۸۷۳ء............۱۹۳۶ء

آپ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

"قاضی صاحب صوبۂ سرحد میں اردو زبان کے پہلے مؤرخ ہیں۔ آپ ۱۸۷۳ء میں مقام ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد دیوبند چلے گئے، جہاں فقہ، حدیث اور تفسیر کی تکمیل کی۔ واپسی پر مدرس مقرر ہوئے اور مالاکنڈ ایجنسی میں تبادلہ ہو گیا، جہاں آخری عمر تک قیام رہا۔ علم و ادب سے فطری شغف تھا۔ کئی ایک اردو فارسی کتابیں چھوڑیں۔ تاریخ کی طرف طبعی میلان تھا۔ تاریخ صوبۂ سرحد دو ضخیم جلدوں میں لکھ کر ۱۹۱۱ء میں طبع کرائی۔ طرز تحریر قدیم ہے، جس میں الجھاؤ یا گنجلک پن نہیں پایا جاتا"(۱)۔

(۱) فارغ بخاری: ادبیات سرحد، ص:۶۸۰ (عنوان: تاریخ)۔

مولانا قاضی عرفان الدین بٹ خیلی سواتی

م ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء

آپ ''بٹ خیلہ'' سوات، صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے ''صدیقی'' ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ آپ کی فراغت کہاں سے ہوئی، اس کا بھی صحیح علم نہیں ہوسکا۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء کو کسی بے درد نے آپ کو شہید کردیا۔ مولانا عبدالسلام سلیم ہزاروی نے چار زبانوں عربی، فارسی، اردو اور افغانی میں آپ کا مرثیہ ''نالۂ درد'' کے نام سے لکھا تھا۔ عربی مرثیہ کے چند اشعار:

أصيبوا كرام في مآل الأكابر　　ودارت علينا دائرات الدوائر
من الحزن قد أجرى السحاب دموعه　　وتلطم أمواج وجوه البحائر
وحارت عقو الناس من قتل عالم　　ويبكى دواماً كلّ باد وحاضر
ترى كلّ نجم في هبوط ونوحة　　وفي اضطراب كل ناد وسامر
وعرفان دين باللماء مصرح　　وفى التراب محمود بكل المفاخر
يعزّ علينا قتل مثلك عالم　　قلوب الورى فاضت بعبرة ناظر
لقد قطعّت أكبادهم وقلوبهم　　خطوب زمان مثل قطر المواطر
لهم زفرات صاعدات تفجّعا　　ولوعة قلب للحزين الساّهر
ويخدش وجه الصبر وقع رزئه　　وتلطم خد العقل أيدى الدوائر

عمت مقلة العقل العزيز لفقده　　وصار كئياً قلب صبر وصابر
وأغر وورقت عين العلوم لموته　　ورَنّ لقاضي الورى كلّ ذاكر
أليس الذي قد كان بالأمس ناهياً　　وآمر خير للورى في المقابر
فسالت دموع العين منهم تاسفاً　　ولهفاً على زين العلى و المنابر
أقول كلاماً للمخاطب صادقاً　　فيبلغ عنّي كلّ قال وغادر
ألا جئتم في قتله بملمّة　　وأمر عظيم عند رب قادر
فيأخذ عنكم ربّنا انتقامه　　يجهز لكم من طاحنات العساكر
بأي جواب تخلصون نفوسكم　　وأي أب تنجون من قهر قاهر
هو اللّٰه علام الغيوب وربنا　　وليس على علم الإله بساتر
فيجزيكم شر الجزاء إلٰهنا　　وليس قدير من جزاء بقاصر
وما عاض دمع فيقتيل وما شفى　　للوعة قلب حسن هذي الزواهر
وشقت جيوب الناديات عليه إذ　　نعاها حزين البال من قتل طاهر
فلهفي على هذا القتيل وعبرتي　　تسيل على خدي بنور البصائر
وفي قرية البتحية اليوم لطّمت　　خدود ودمع مثل نظم الجواهر
فيعطي إله الخلق صبرا لأهله　　وأبنائه عطفا وجار مجاور
وذو المجد قاضي الورى فضل رازق　　يكون حميدا في جموع المعاصر
ويرزق علما عبد حي بفضله　　ويعطي كمالا عبد خالق قادر
ويسمي على أسنام كل فخامة　　بفضل لطيف في جميع المفاخر

ویعلوه في الدنیا علی کل منصب   وفي الدین یعطیه بخیر الذخائر

ویغفر عبداً مذنباً بعنایة   سلیماً حقیراً خاسراً غیر ذاخر(۱)

تصانیف

۱......تحفہ اورنگ زیبیہ (فارسی) (درردمرزائیت) مطبوعہ لاہور ۱۳۳۱ھ۔

مولانا حافظ عبدالرحیم کلاچوی اس کا تعارف یوں کراتے ہیں:

''قاضی صاحب بٹ خیلہ علاقہ سوات، نے عقائد مرزائیہ کے ابطال میں لکھی ہے۔والی ریاست دیر کے نام سے منسوب ہے ۔مشمولہ نمبر ۸۸۷ الف''(۲)۔

مولوی مسعود الحق لکھتے ہیں کہ

''اس کتاب کے ماسوائے مصنف کے دیگر تالیفات کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہے''(۳)۔

مگران کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

(۱) مولانا عبدالسلام سلیم: نالۂ درد، ص: ۲ تا ۵۔

(۲) مولانا عبدالرحیم کلاچوی: اللباب المعارف الاسلامیہ، لاہور ۱۳۵۷ھ، جلد دوم، ص: ۲۲۔ (۸۸۷: یہ اسلامیہ کالج لائبریری میں اس کا نمبر ہے)۔ یہ کتاب مولوی مسعود الحق ایم اے ساکن اوگی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

(۳) مکتوب مولوی مسعود الحق، ۲۲ جولائی ۱۹۷۶ء۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ

''مذکورہ کتاب میں قاضی صاحب نے اپنے ایک قصیدے کا ذکر کیا ہے، جسے وہ ''قصیدہ اسفیہ'' کے نام سے معنون کرتے ہیں، صرف مطلع کا ایک ہی بیت درج ہے:

حال الخراب عمارات الکرام وقد

صارت مرابعنا مرهونة الحزن "(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب زبان عربی کے شاعر بھی تھے۔

(۱) مکتوب مولوی مسعود الحق، ۲۲ جولائی ۱۹۷۶ء۔

مولانا حکیم حبیب الرحمٰن سرحدی

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء.............۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

آپ کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

’’مرحوم نسباً ’’فاروقی‘‘ اور وطناً ’’یاغستانی‘‘ علاقہ یوسف زئی (۱) کے باشندے تھے۔ ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں تھے۔ لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب مرحوم کے یہاں آئے اور وہیں شادی کر کے بس گئے اور اس تقریب سے سرحد ہند کی یہ دولت بنگال کی قسمت میں آئی۔ حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لیکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے لکھا ہے، آگرہ اور بہار میں ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے لکھا ہے کہ ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور میں گزرا۔ کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کیے۔

ابتدائی صرف ونحو کے کچھ اسباق حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمہ اللہ کانپور میں درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ء میں ہوا، اور زیادہ تر تعلیم محمد اسحاق بردوانی سے حاصل کی۔ معقول مولانا

(۱) ’’یوسف زئی‘‘ پشاور، صوبۂ سرحد میں ہے۔

احمد احسن کانپوری اور مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری سے پڑھی، جب وہ کانپور میں مدرس تھے۔ حدیث مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی اور اجازت لی۔ طب حکیم عبدالمجید خاں صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۰۱ء سے پڑھی اور اس میں کمال کا درجہ حاصل کیا۔

۱۹۰۴ء میں وہ تعلیم سے فارغ ہو کر ڈھاکہ لوٹے اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی۔ مرحوم کی تعلیم تمام تر پرانے طرز پر ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین ولطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اپنے اس فطرتی ذوق کی مدد سے تاریخ وادب کی کتابیں پڑھیں اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق رہا، وہ بھی تاریخ وادب تھے اور اس سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

چنانچہ ۱۹۰۶ء ان کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں انہوں نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ حاجی خلیفہ کی ’’کشف الظنون‘‘ کی طرح ہندوستان کے ہر صوبے کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے ان کے اس خیال کی تحسین کی اور بنگال کا حصہ ان کے سپرد کیا۔

حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطوں میں ان کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے۔ بنگال سے متعلق ’’ثلاثہ غسالہ‘‘ کے نام سے ایک کتاب ان

کے زیر قلم تھی۔ ''الفاروق'' اور ''حیات سقراط'' ان کے طالب علمی کے رسالے ہیں۔ ان کی دوسری تصنیفات کے نام ''مساجد ڈھاکہ''، ''ڈھاکہ اب سے پچاس سال پہلے''، ''شعرائے ڈھاکہ'' وغیرہ ہیں۔

آخری تصنیف ''آسودگان ڈھاکہ'' ہے، جو ابھی ۱۹۴۶ء کے اخیر میں چھپ کر شائع ہوئی، جس میں بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق اور تذکرے ہیں۔

اس کے بعد آسودگان ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک میں آسودہ ہوگیا۔ ان کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء میں ہوتا ہے۔ اس سال انہوں نے ڈھاکہ سے ''المشرق'' کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر ''جادو'' کے نام سے ایک اور ادبی وعلمی رسالہ جاری کیا۔ معارف کے ابتدائی پرچوں میں بھی ان کے بعض مضامین چھپے ہیں۔

مرحوم کے قلم میں بڑی لطافت تھی۔ محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہو سکی، لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگران ادب سے ہوسکی۔ ان میں پہلا نام نواب نصیر حسین خیال (کلکتہ)، اور دوسرا حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) کا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتوں نے ان کے ادبی کارناموں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا اور ان کی یہ قوتِ انشاء پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی۔

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکّوں کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ ان کے جمع کردہ سکّوں کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں ہے، جس کا تاریخ وار کیٹلاگ بھی چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے۔ قیافہ اور نبّاضی میں خاص کمال رکھتے تھے۔ صورت دیکھ کر اور حال سن کر مرض بتا دیتے تھے۔

ڈھاکہ کے متعدد دوستوں کے خطوط سے یہ معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جادو نگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب میں ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کے بیماری میں سنہ قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر میں دفعۃً وفات پائی۔ صبح کو تجہیز وتدفین عمل میں آئی۔

جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈھاکہ میں شاید ہی کسی کے جنازے میں ایسا مجمع ہوا ہو۔

حسب وصیت پیر جی عبدالوہاب نے نماز جنازہ پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد میں ہوئی اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطۂ مزار میں سپرد خاک ہوئے۔

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر میں کہرام ہے۔ عام وخاص سب ہی

متاثر ہیں۔ اہل قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیوں سے ظاہر ہے، جو ڈھاکہ کے دو بزرگوں نے لکھ کر بھیجے ہیں۔

حبیبی! دوستوں نے تمہارے لیے مرثیے لکھے ہیں، احباب نے تمہارے فراق میں آہِ جگر سوز کھینچی، جاننے والوں نے تمہارے اوصاف گنائے، ماننے والوں نے تمھارے احسانات یاد کئے، مگر تم اس دنیا میں ہو، جہاں اس دنیا کی مدح وستائش کی حکایتیں نہیں پہنچتیں، مغفرت کی دعائیں تمہارے لیے ہیں، غفور رحیم ان کو قبول فرمائے۔

مرثیہ از مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی

يـاعين جو دي بدمع غير منجمد	على الحبيب وقد واروه في اللحد
قـد ألـحـدوا حكمة فهماً وتجربة	لكل عرض من الأسقام في الجسد
قـد ألـحـدوا عون أهل الضرّقاطبة	قـد ألـحـدوا اليـوم حـقاً زينةالبلد
مـاكـان أحسنـه خـلـقاً ومكرمة	وكــان يبـذل لـلـمـولى بذات يد
مــاكـــانــا أصوبـه رايـاً ومشورة	وكـان مـنـطـقه أحلى من الشهد
مــاكـــان ألــزمــه لـلـعـلم نـابغة	لـلـقـوم والـمـلّة البيضاء كالعضد
كـان الـحبيـب إلى قلبي وصورته	تـجول في العين عند النوم والسهد

مـن كان يدعى شفاء الملك لم يجدوا	لــه شـفــاء فـواحـــراه في كبدي
يـا رب فـاغـفـر لـه وارزقه منزلة	كــريـمة عـجباً فـي عيشة رغـد
يـــا رب نــور لــه فـي قبـره أبـداً	واجعله في خير من يهدي إلى الرشد
حبيـب رحـمـان مـغـفورله كرماً	يــزداد حـقــاً عـليـه آخـر الأبد

۱۳۶۶ھ

مرثیہ از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین، ڈھاکہ

(فقید داکة)

أتـروق (داكة) بـعد فقد حبيبها	أوتستـفـى البـنكال بعد طبيبها
طـفـئـت مـنـائر علمها وذكائها	وخبـت مـعــارفهــا لفقد لبيبهـا
جـائـت جهين بنعيه فاغورقت	مـقـل تـمـج دمـائهـا بشكيبهـا
الـطّـب أجهــش بـالبكـاء تيتّمـاً	والـعبـقـريةنـحبهـا بـنـجيبهـا
أما الخطوب فابهجت بسرورها	ظـفـرت بـأوفـر حـظها ونصيبها
ذهـب الـفقيد وبعد يعتكر الدجى	كالشمس يسجو الليل بعد مغيبها
ذهب الفقيد أفقيد كل معارف	ومـفـــاخـر فذوي رواء حصيبهـا
وضـعوه في رمس وتمرع روحه	عـنـد الملائك في جمال قثيبها

اللّٰہ أنــزلـــه مــحـل كــرامة   تسـقيـه رحـمة بجود صيبها(۱)

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی: وفیات، حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم، ڈھاکہ، معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۴۷ء، ص: ۳۱۱ تا ۳۱۷ سے ماخوذ۔

مولانا حافظ عبدالرحیم کلاچوی (۱)

۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵......۱۹۵۰ء

آپ ۲۶ شوال ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کو ''کلاچی''، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مولوی محمد نعیم صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر مولوی صدر الدین، قاضی عبدالمجید اور مولوی غلام رسول سے پڑھتے رہے۔ علم حدیث کی تحصیل مولانا محمد داؤد صاحب سے کی۔ اس دوران قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ ۱۹۱۱ء میں ''وکیل'' امرتسر میں بطور معاون کام کیا۔

۱۹۱۲ء میں ''زمیندار'' لاہور میں بطور مترجم کام کیا اور ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی فاضل'' اور ''منشی فاضل'' کے امتحانات پاس کیے۔

۱۹۱۳ء میں صاحبزادہ سر عبدالقیوم کی دعوت پر اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ کی ترتیب و نگرانی کے لیے پشاور آئے۔ اس کام کے ساتھ ۱۹۱۳ء تا ۱۹۴۳ء تیس سال اسلامیہ کالج میں عربی اور پشتو کی تدریس کرتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں دوبارہ لائبریری کی نگرانی کے لیے آپ کی خدمات حاصل

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند مولوی محمد اسحاق صاحب جامعہ پشاور سے لیا گیا۔

کی گئیں۔ جون ۱۹۵۰ء تک دوبارہ کام کیا۔ اسلامیہ کالج لائبریری سے سبکدوش ہونے کے بعد صاحبزادہ فضل صمدانی (پشاور) کی دعوت پر ان کے ذاتی کتب خانے کی فہرست تیار کر رہے تھے کہ اس دوران تین دن کی مختصر علالت میں ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء کو ۱۱ بجے صبح واصل بحق ہوئے (۱)، اور وصیت کے مطابق اسلامیہ کالج پشاور کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں دو فرزند مولوی محمد اسحاق اور ڈاکٹر محمد اسماعیل محمودی اور ایک دختر شامل ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱......صحائف اربعہ......عربی زبان سیکھنے والوں کے لئے چہار حصہ میں ایک سیٹ لکھا، جو صوبۂ سرحد کے اسکولوں میں داخل نصاب رہا۔

۲۔ ردء الاخوان......عربی زبان کی لغت ہے (قلمی) (۲)۔

---

(۱) آپ کے فرزند ڈاکٹر محمد اسماعیل محمودی نے نظماً تاریخ وصال لکھی ۔

خستہ محمودی بگو تاریخ وصل او کہ وائے

والدیم عبدالرحیم از عالم دنیا برفت

۱۳۶۹ھ

(۲) اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ میزان اللسان......علم نحو کی عام فہم اور آسان کتاب قلمی ہے (۱)۔

لباب المعارف العلمیہ......جلد اوّل و دوم...... یہ اسلامیہ کالج کی لائبریری کی کتابوں کی فہرست ہے جس میں ڈھائی ہزار تصانیف اور آٹھ ہزار مصنفین کے بارے میں نہایت مختصر معلومات دی گئی ہیں (۲)۔

تراجم

۱...... حجۃ اللہ البالغہ: حضرت شاہ ولی اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں کیا ہے جسے ''قومی کتب خانہ'' لاہور نے شائع کیا۔

دوسرے حصے کے ۸۴۲ صفحات ہیں۔ سائز بڑا، مطبوعہ ۱۹۶۲ء (۳)۔

۲......مکتوبات ربّانی: حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا اردو ترجمہ ہے۔

۳......مقالات وحالات سید جمال الدین افغانی۔

۴......جواہر العلوم: علامہ طنطاوی جوہری کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ

---

(۱) اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

(۲) فارغ بخاری: ادبیات سرحد، ص: ۶۸۴ پر آپ کا اور بعض تصانیف کا تذکرہ موجود ہے۔

(۳) غلام جیلانی برق ڈاکٹر: فلسفیان اسلام، ص: ۳۳۳ پر حجۃ اللہ البالغۃ کے ترجمہ اور سال طباعت ۱۹۵۳ء کا ذکر کیا گیا ہے۔

۔مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور۔

۵......جامع الآداب (طبع دوم): یہ مصر کے ایک عالم کی کتاب ''آداب الفتیٰ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ مطبوعہ قومی کتب خانہ، لاہور۔

۶......نجد وحجاز: علامہ رشید رضا مصری کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ مطبوعہ

۷......نثر الآلی: حضرت علی کے اقوال کا پشتو ترجمہ ہے، مطبوعہ۔

۸......اسلام اور کمیونزم: ڈاکٹر احسان اللہ خان کے ایک انگریزی مقالہ کا پشتو ترجمہ، مطبوعہ۔

۹......سیرۃ النبی ﷺ: یہ ایک عربی رسالہ کا پشتو ترجمہ ہے، جو کابل کے ایک رسالے ''پشتو'' میں ۱۱ قسطوں میں شائع ہوا۔

۱۰......تفسیر الجواہر: علامہ طنطاوی جوہری مصری کی تفسیر کا اردو ترجمہ ہے۔ ج ۲ تا ۵ کر چکے تھے اور ابھی یہ شغل جاری تھا کہ پیغامِ اجل آپہنچا۔

امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، اس لیے ان کی تصانیف کے رسائل میں اردو تراجم شائع کیے۔

ناشر الہلال بک ایجنسی لاہور۔

ولی اللہ، فتوی شرک شکن، خلافۃ الامۃ، مناسک حج اور تفسیر آیۃ کریمہ، حافظ ابن قیم کی تصانیف میں چند مضامین ......اسلامی تصوف، تفسیر المعوذتین اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف میں سے خیر کثیر، البدور البازغۃ، تفہیمات الٰہیہ، معارف الدینیہ اور حق الیقین کے اردو تراجم کتابستان کمپنی بمبئی سے شائع ہوئے۔

آپ علمائے اہل حدیث میں سے تھے اور بھی کئی جگہ آپ کا تذکرہ آیا ہے(۱)۔

آپ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ

''والد بزرگوار نے کسی خاص مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ اپنے والد مرحوم مولوی محمد نعیم صاحب کا کلاچی میں درس تھا۔ وہاں اپنے علاقہ کے ایک عالم مولوی داؤد صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ ان سے انہوں نے صحیحین کا دورہ کیا اور پھر باقی اپنے شوق سے علمِ حدیث کا مطالعہ کرتے رہے۔

(۱) امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص: ۹۹ تا ۱۰۵۔
فارغ بخاری: ادبیات سرحد، ص: ۶۸۴۔

۱۹۱۱ء سے قبل جب کہ وہ ابھی لاہور امرتسر نہیں گئے تھے، اس زمانے میں وہ کلاچی ہی میں اپنے مکتب میں تدریس کا کام کرتے رہے۔

اور علم حدیث میں ان کے خاص شاگرد قاضی احمد گل صاحب مرحوم، قاضی یار محمد صاحب مرحوم اور مولوی فقیر اللہ صاحب مرحوم قابل ذکر ہیں''(۱)۔

آپ کی کتاب ''خیر کثیر'' پر تبصرہ بھی نظر سے گزرا۔ اس کی آخری چند سطریں یہ ہیں:

''مذکورہ بالا کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے۔ خیر کثیر کے مباحث نہایت دقیق ہیں۔ ایسے مباحث کا سلیس اور نہایت فہم ترجمہ بہت مشکل ہے تاہم مصنف نے مفہوم کی وضاحت کی پوری کوشش کی ہے۔ یہ کتاب صاحب علم و

(۱) مولوی محمد اسحاق: مکتوب، ۳ جنوری ۱۹۷۶ء۔

نظر مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے''(۱)۔

(۱) معین الدین ندوی: مطبوعات جدیدہ (خیر کثیر) معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۱ء، عدد: ۵، صفحہ: ۳۹۷۔

مولانا حیدر زمان صدیقی ہزاروی (۱)

۱۹۰۷ء..........۱۹۵۲ء

آپ ۲۲ جنوری ۱۹۰۷ء کو احمد دین صاحب کے گھر ''برتھال'' متصل ریحانہ، تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء مولانا محمد دین ساکن میر پور (ہزارہ)، مولانا سکندر علی ساکن شاہ محمد (ہزارہ) اور مولانا محمد اسماعیل ساکن کوکل (ہزارہ) سے حاصل کی۔

زاں بعد ''جامعہ فتحیہ اچھرہ'' لاہور میں حضرت مولانا حافظ مہر محمد صاحب سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء کو دارالعلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

۱۹۳۸ء میں حویلیاں ہزارہ سے ایک ہفت روزہ ''پیغام اتحاد'' جاری کیا۔

۱۹۴۰ء میں ''مشیر الاطباء'' کے مدیر رہے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے فرزند عتیق الرحمٰن صدیقی اور حکیم عبدالسلام صاحب سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی)، ص:۴، عدد:۱۱۰۔

۱۹۴۰ء میں ہی مسجد قاضیاں پٹھان کوٹ میں خطیب مقرر ہوئے اور ساتھ ہی مطب کرتے رہے۔ سیاسی طور پر مسلم لیگ سے منسلک ہوئے، چنانچہ پنجاب مسلم لیگ کی عاملہ کے رکن اور ضلع گورداس پور کے صدر رہے۔ تحریک پاکستان میں شریک رہے۔

قیام پاکستان سے کچھ پہلے پٹھان کوٹ میں مولانا مودودی صاحب سے ملاقات ہوئی اور جماعت اسلامی سے متاثر ہوئے۔ مسئلہ مزارعت زمین میں ان سے علمی اختلاف کیا۔ قیام پاکستان کے بعد باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بنے اور کچھ عرصے تک ہری پور جماعت اسلامی کے امیر بھی رہے۔

۱۹۵۰ء میں ہری پور میں مطب شروع کیا۔

وصال: دق کی بیماری سے ۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء کو ہری پور میں وصال ہوا اور ہری پور شہر کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد: اولاد میں دو فرزند عتیق الرحمٰن صدیقی، ایم اے، بی ایڈ اور مشتاق احمد صدیقی ہیں اور تین دختران ہیں۔

تصنیفی خدمات: ۱......اسلامی نظریۂ اجتماع: نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوئی۔ کتابی سائز کے ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے (۱)۔

(۱) اسلامی نظریۂ اجتماع پر مقدمہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے قلم سے ہے۔

۲......اسلامی نظریۂ سیاست: پہلی بار ''پٹنہ'' سے مکتبہ دین ودانش نے شائع کرائی (۱)۔ بار دوم: شیخ غلام علی لاہور کتاب منزل۔

۳......اسلام کا معاشیاتی نظام: مطبوعہ ۱۹۴۹ء ایضاً (۲)۔

۴......اسلام کا نظریۂ جہاد: بار اول ۱۹۴۹ء، صفحات ۲۰x۳۰/۱۶ سائز کے ۱۹۲۔

۵......تعبیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت: مطبوعہ ۱۹۵۰ء، صفحات ۲۲۴، لاہور (۳)۔

۶...... جہاد ستقلال ملی (۴)۔

(۱) (تقسیم ملک کی وجہ سے اس کا پہلا ایڈیشن پاکستان نہ آسکا۔ دوبارہ شیخ غلام علی لاہور نے اسے شائع کرایا)۔

خورشید احمد: اسلامی نظریۂ حیات، شعبۂ تصنیف کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۸ء، بار دوم، ص: ۴۹۰ (پر اس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے)۔

(۲) ڈاکٹر سید عبداللہ: اردو میں سائنس اور علمی کتابیں، مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاہور کے ص: ۶۸ پر عدد ۴۶ کے تحت اس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) شیخ غلام علی لاہور نے شائع کرائی۔

(۴) یہ رسالہ تھا، تحریک پاکستان کے دوران شائع ہوا، مزید تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔

آپ کا تعزیتی نوٹ ان الفاظ میں لکھا گیا ہے:

''اس مہینہ میں پاکستان کے ایک خط سے یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ جنوری کے آخری عشرہ میں مولانا حیدر زماں صدیقی نے وفات پائی۔ مرحوم سے صرف علمی مراسلت رہتی تھی، اس لیے ان کے ذاتی حالات کم معلوم ہیں۔ ایک زمانہ میں ان کا قیام ''پٹھان کوٹ'' میں تھا، مگر ہندوستان کی تقسیم کے بعد سے ہری پور ضلع ہزارہ (۱) میں منتقل ہوگئے تھے۔ مرحوم بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے اور اپنی علمی تصنیفی زندگی کے ابتدائی دور میں ایک خاص حلقہ میں اچھی خاصی شہرت حاصل کرلی تھی۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدید دور کے سیاسی ومعاشی مشکلات کا حل ان کا خاص موضوع تھا۔ اس موضوع پر وہ ''معارف'' اور دوسرے رسالوں میں برابر مضمون لکھتے رہتے تھے اور اسلامی مسائل کے جدید مفسرین کے برخلاف ان کا قلم بڑی حد تک محتاط واقع ہوا تھا۔ متفرق مضامین کے علاوہ مستقل تصانیف میں غالباً صرف ایک کتاب ''اسلام کا نظریۂ سیاست''(۲) اس کی قلمی یادگار رہی۔

مرحوم کی ذات سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، لیکن افسوس موت نے

(۱) صحیح نام ''ہری پور'' (Haripur) ہے۔

(۲) آپ کی تصانیف کی مکمل فہرست پہلے آچکی ہے، جس کے بعد صرف ایک کتاب کا بطور یادگار رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان کو پوری ہونے کا موقع نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اس خادم دین کو اپنی مغفرت سے نوازے‘‘(۱)۔

آپ کا ایک اور مضمون بھی نظر سے گزرا ہے(۲)۔

ایک دوسرا مضمون بھی دیکھا گیا ہے(۳)۔

آپ کی کتاب ’’اسلامی نظریۂ اجتماع‘‘ پر تبصرہ بھی نظر سے گزرا ہے(۴)۔ ایک اور مضمون بھی دیکھا گیا ہے(۵)۔ ایک دوسرا مضمون بھی نظر سے گزرا ہے (۶) ایک اور مضمون بھی دیکھا گیا ہے (۷)۔

---

(۱) شاہ معین الدین احمد ندوی: شذرات، معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۵۲ء، ص: ۸۳، ۸۴۔

(۲) مولانا حیدر زمان صدیقی: عہد حاضر کے عمرانی اور اجتماعی تقاضے، معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۵۱ء، ص: ۱۲ تا ۴۱۔

(۳) مولانا حیدر زمان صدیقی: اسلام کا معاشیاتی نظام، معارف اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۴۸ء، ص: ۱۹۲ تا ۲۰۹۔

(۴) شاہ معین الدین احمد ندوی: مطبوعات جدیدہ، معارف اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۴۸ء، ص: ۲۳۶ تا ۲۳۸ (اس میں تنقید بھی ہے اور تحسین بھی)۔

(۵) مولانا حیدر زمان صدیقی: اسلامی نظریۂ سیاست، معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۴۶ء، ص: ۳۶۰ تا ۳۶۷۔ ایضاً ستمبر ۱۹۴۶ء، ص: ۲۰۲ تا ۲۱۶۔ ایضاً اگست ۱۹۴۶ء، ص: ۹۶ تا ۱۲۰۔ ایضاً فروری ۱۹۴۷ء، ص: ۱۳۶ تا ۱۴۹، قسط ۵۔

(۶) مولانا حیدر زمان صدیقی: دعوت نبوی کے اصول و مقاصد، معارف اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۱ء، ص: ۳۲۵ تا ۳۴۳۔

(۷) مولانا حیدر زمان صدیقی: اسلامی نظریۂ اجتماع، معارف اعظم گڑھ۔ ایضاً جولائی ۱۹۴۷ء، ص: ۴۹ تا ۶۳۔ اگست ۱۹۴۷ء، ص: ۹۶ تا ۱۱۶، قسط ۲۔

مولانا غلام ربانی لودہی ہزاروی (۱)

۱۸۹۹ء............۱۹۷۴ء

آپ جنوری ۱۸۹۹ء کو برکت اللہ لودھی کے گھر ’’سرائے صالح‘‘ تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ۷ پارے حفظ قاری میر عبداللہ سے کئے۔ ترجمۂ قرآن قاضی غلام حسین سے پڑھا۔ پرائمری مقامی سکول سے، ورنیکلر مڈل ۱۹۱۴ء میں ہری پور اور میٹرک ۱۹۱۶ میں گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد سے پاس کیا۔

پھر اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۸ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۰ء میں بی اے کے امتحان کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے رول نمبر مل گیا تھا کہ عدم تعاون کی تحریک کی وجہ سے امتحان نہ دیا اور جامعہ ملیہ دہلی کی راہ لی۔ وہاں مولانا محمد علی جوہر، مولانا خواجہ عبدالحئی، مولانا محمد بن یوسف السورتی اور ڈاکٹر ذاکر حسین سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

جب اکابر کی سیاسی کانفرنس نے تحریک آزادی وطن میں طلبہ کی شمولیت کا فیصلہ کیا، تو آپ اپنے رفقاء کے ہمراہ سیدھے ایبٹ آباد پہنچتے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ ۱۴ دن کے بعد رہائی ہوئی، تو صوبہ میں داخلے پر پابندی عائد ہو چکی تھی۔ جلاوطنی کے دو سال آپ نے ٹیکسلا اور حضرو میں گزارے۔ حضرو آزاد

---

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کی زندگی میں براہ راست حاصل کیا گیا تھا۔

اسلامیہ ہائی سکول میں ملازمت بھی اختیار کر لی تھی۔ روزنامہ ''وکیل'' امرتسر، ''زمیندار''، ''احسان''، ''مساوات'' لاہور میں دو دوسال تک مدیر معاون کی حیثیت سے کام کیا۔ راولپنڈی سے ایک ہفت روزہ ''شہاب'' آپ کی ادارت سے دوسال تک نکلتا رہا۔

ماہنامہ ''ترجمان'' سرائے صالح ہزارہ سے تین سال تک آپ کی ادارت سے نکلتا رہا۔ پشاور کے سہ روزہ پرچہ ''رختنے خدائی خدمتگار'' میں بطور مدیر کچھ عرصہ کام کیا۔ ۱۹۴۰ء میں مولانا میر واعظ محمد یوسف کی دعوت پر ''نصرۃ الاسلام کالج'' سری نگر میں دوسال تک تدریس کی۔ اسی دوران بی اے کا وہ امتحان جو ۱۹۲۰ء کو دینا تھا، وہ ۱۹۴۱ء میں دیا اور پاس ہوگئے۔

۱۹۴۳ء میں ''اینگلو محمڈن ڈگری کالج'' امرتسر میں بطور لیکچرر آپ کا تقرر ہوا اور تقسیم ملک تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد ''ایم، اے، او کالج'' لاہور میں آگئے۔ جہاں ۱۹۵۴ء تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، پھر وطن آکر تبلیغی وتحریری خدمات حسبۃً للہ انجام دیتے رہے۔

آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''۱۹۳۰ء میں آپ نے بنوں جیل میں بہ ''حالت اسیری'' قرآن حفظ کیا ...... جہاد آزادی کے میدان میں کچھ مدت بسر کرنے کے بعد طبع کا میلان قومی صحافت ہی کی طرف ہوسکتا تھا، لیکن

جہاد تقریر کا ہو یا تحریر کا، کانٹوں کی وادی ہے، جس سے برہنہ پاؤں سے گزرنا ہوتا ہے، لیکن آپ گزرتے رہے''(۱)۔

مزید کہا گیا ہے کہ

''روزنامہ ''وکیل'' امرتسر کی سب ایڈیٹری اور ''مدرسہ نعمانیہ'' کی شاگردی کی ذاتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ضلع امرتسر ایسے اہم علاقہ کے خلافت سیکرٹری کا کام سنبھال لینا اور چلاتے رہنا غیر معمولی قوتِ عمل کی علامت ہے۔ ان ایام میں آپ کے خاندان نے سخت مطالبہ کیا کہ آپ شادی کے لئے تیار ہو جائیں، مزید انتظار دشوار ہے۔ ضلع سے جلاوطنی کے احکام بدستور موجود تھے۔ ڈپٹی کمشنر ہزارہ کرنل جیمز اس وعدے پر جلاوطنی کے احکام کو منسوخ کرنے کے لئے تیار تھا کہ آپ یہ کہہ دیں کہ ضلع ہزارہ میں خلافت کا کام نہیں کریں گے۔ آپ نے یہ شرط نامنظور کی۔ قاضی عزیز الرحمٰن صاحب ان ایام میں علی برادران بی اماں کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد علی کو یہ ماجرا سنایا، تو انہوں نے اپنے اس حریت نواز شاگرد کو یہ شفقت نامہ لکھا:

''عزیزی غلام ربانی سلمہ اللہ تعالیٰ: گھریلو حالات سے بڑے بڑوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں، لیکن ایسے حالات میں تمہاری ثابت قدمی دیکھ کر

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، باراول، ص: ۶۶۳۔

دل باغ باغ ہوگیا۔امرتسر اور لاہور میں جتنا عرصہ آپ کا قیام رہا،انہوں نے ترجمہ وتالیف اور صحافت سے خوب دل بہلایا''(۱)۔

درس نظامی کی تکمیل

قیام امرتسر کے دوران آپ نے مولانا مفتی محمد حسن صاحب سے شرح وقایہ و ہدایہ آخرین اور مختصر المعانی وغیرہ کتب دارالعلوم نعمانیہ میں پڑھیں۔ باقی کتابیں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا نیک محمد اور مولانا داؤد غزنوی سے پڑھ کر ۱۳۵۲ھ میں سند الفراغ حاصل کی۔

تصنیفی خدمات

۱......مشیر قوم: بڑے سائز کے ۲۷ صفحات، مطبوعہ انتظامی پریس کانپور (اصلاحی کتاب)۔

۲......سیرۃ النبی ﷺ: پانچویں سے آٹھویں تک کے سکولی طلبہ کے لئے چار رسائل لکھے۔

۳......ذخیرۃ المضامین: سکولی طلبہ کے لئے۔

(۱) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی: تاریخ ہزارہ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، باراول، ص:۶۶۲۔

تراجم

۴......سیرۃ الغازی کمال پاشا: علامہ امین محمد سعید و کریم خلیل ثابت مصری کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ۔اس کے کتابی سائز کے ۱۳۶ صفحات ہیں۔ مطبع آفتاب امرتسر سے شائع ہوئی(۱)۔

۵......تذکرۂ جمال پاشا: سیرۃ الغازی مصطفیٰ کمال پاشا کے آخری صفحہ پر''تذکرۂ جمال پاشا'' کے مطالعہ کی اس سے قبل سفارش کا مطلب یہی ہے کہ یہ پہلے طبع ہوئی۔

۶......ترجمۂ سورۃ الاخلاص: امام ابن تیمیہ کی تفسیر سورۂ اخلاص کا ۱۵۰ صفحات میں اردو ترجمہ۔

۷......الفرقان بین اولیاء اللہ وبین الشیطان: امام ابن تیمیہ کی کتاب کا اردو ترجمہ، صفحات ۱۵۰۔

۸......دختر سمرنا: خالدہ ادیب خانم کے ترکی زبان کے ناول''بنت ازمیر'' کے نام سے جو عربی میں ترجمہ ہوا اور مصر سے شائع ہوا تھا اور اس کا اردو ترجمہ ۲۰۰ صفحات میں آپ کے قلم سے شائع ہوا۔اس کا انتساب بیگم محمد علی جوہر کے نام ہے۔

۹......ہدایۃ الہدایہ: امام غزالی کی کتاب کا اردو ترجمہ، جس پر ملک نصر

(۱) اس کا انتساب مولانا محمد علی جوہر کے نام ہے۔

اللہ خان عزیز نے ''تسامح'' کر کے اپنا نام لکھ دیا۔

۱۰......مشکوۃ الانوار: امام غزالی کی کتاب کا اردو ترجمہ۔

۱۱......دیدار الٰہی: یہ شیخ ابن قیم کے خاص شاگرد، امام ابن رجب حنبلی بغدادی ثم دمشقی م ۷۹۵ھ کی شرح حدیث ''اعتصام ملاء الاعلیٰ'' کا اردو ترجمہ ۱۴۴ صفحات میں مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ، لاہور سے شائع ہوا۔ تقریظ پروفیسر مولوی کریم بخش کے قلم سے ہے۔

۱۲......نہایۃ قول المفید: علم تجوید کی عربی کتاب کا نا تمام ترجمہ۔

۱۳......دعائیں: ۸۰ صفحات، غیر مطبوعہ، ان کے علاوہ کئی کتابوں (۱) پر آپ نے پیش لفظ بھی لکھے ہیں۔

وصال

۱۲، اپریل ۱۹۷۴ء بروز جمعہ ۶ بجے شام حادثہ کے باعث آپ کا وصال ہوا۔ تعزیتی نوٹ بھی شائع ہوئے (۲)۔

---

(۱) کرنل مشتاق احمد: زیستم (ان کا مجموعۂ کلام) پیش لفظ، ڈاکٹر شیر بہادر، افادات مہر (پیش لفظ)۔ قاری فیوض الرحمٰن: حقیقتِ توبہ، فضائل درود شریف اور سیرۃ المصطفیٰ ﷺ پر (پیش لفظ)۔

(۲) دی پاکستان ٹائمز: ۱۴، اپریل ۱۹۷۴ء، ص: ۳۔ ''تعمیر'' راولپنڈی ۱۶، اپریل ۱۹۷۴ء، ص: ۲۔ ہفت روزہ ہمدم: کوہاٹ ۲۹، اپریل ۱۹۷۴ء، ص: ۳۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام، لاہور، ص: ۱۸، ۳ مئی ۱۹۷۴۔ ہفت روزہ نشیمن ایبٹ آباد ۱۶، اپریل ۱۹۷۴ء، ص: ۴۔ عنوان ''آہ! مولانا غلام ربانی لودہی''۔

اولاد

اولاد میں ایک فرزند بدر الاسلام اور ایک دختر بی بی غلام فاطمہ ہیں۔

بیعت

بیعت کا تعلق حضرت مفتی محمد حسن سے تھا۔

آپ کے تعارف میں مزید چند سطریں درج ذیل ہیں:

''لودہی صاحب پرانے سیاسی رہنما اور بلند پایہ صحافی ہیں۔ آپ صوبۂ سرحد کے ان معدودے چند اخبار نویسوں میں سے ہیں، جن کی قابلیت و عظمت کو بیرونی دنیا بھی تسلیم کرتی ہے'' (۱)۔

---

(۱) فارغ بخاری: ادبیات سرحد، ص: ۷۹۹۔

باب ہفتم

اسمائے گرامی مشاہیر علماء (جن کے حالات باوجود تحقیق کے نہیں مل سکے)

اسمائے گرامی مشاہیر علماء (جن کے حالات باوجود تحقیق کے نہیں مل سکے)

۱) مولوی فقیر اللہ نور المعروف ''بکّے والا'' ساکن تناول ضلع ہزارہ (۱)۔

۲) مولوی عبد المجید ساکن کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) (۲)۔

۳) مولانا مولوی عبد اللہ صاحب سجادہ نشین ''جلو'' ضلع ہزارہ (خلیفہ حضرت گولڑوی) (۳)۔

۴) مولانا سید لعل شاہ صاحب صوفی، ضلع ہزارہ (۴)۔

۵) مولانا مولوی میر محمد عبد اللہ صاحب پشاوری (۵)۔

۶) حضرتنا خلیفہ شاہ عزیز الدین صاحب پشاوری (۶)۔

۷) مولوی عبد اللہ ہزاروی (۷)۔

۸) مولوی غلام جیلانی صاحب پشاوری جیسے متبحر عالم نے عرب کا سفر اختیار کیا تھا (۸)۔

---

(۱) فیض احمد مولانا: مہر منیر (سوانحی تذکرہ مولانا پیر مہر علی شاہ)، لاہور ۱۹۷۳ء، ص: ۱۰۷۔

(۲) ایضاً، ص: ۲۲۱۔

(۳) ایضاً، ص: ۲۱۸ و ص: ۲۳۸۔

(۴)، (۵)، (۶) ایضاً، ص: ۲۳۸۔

(۷)، (۸) ایضاً، ص: ۲۱۸۔

۹) مولوی عبدالخالق جہاں خیلاں ضلع پشاور(۱)۔

۱۰) مولوی فقیر محمد عُزیر ''ترنواہ''، ضلع ہزارہ(۲)۔

۱۱) ملا مانکی، نوشہرہ، پشاور(۳)۔

۱۲) محمد الیاس پشاوری(۴)۔

۱۳) مولوی عبدالصمد نزیل بھوپال، پشاوری(۵)۔

۱۴) مولوی عبداللہ بن قاضی منصور جاں پشاوری(۶)۔

۱۵) ملا عبدالمجید پشاوری(۷)۔

۱۶) ملا محمد عارف نزیل ڈھاکہ پشاور(۸)۔

۱۷) مولوی عبداللہ ڈیرہ اسماعیل خان(۹)۔

۱۸) مولوی عبدالخالق ہزاروی(۱۰)۔

۱۹) مولوی سید عطاء اللہ نبیرہ مولانا حسن شاہ(۱۱)۔

---

(۱)، (۲)، (۳) فیض احمد، مولانا: مہر منیر (سوانح تذکرہ مولانا پیر مہر علی شاہ)، لاہور ۱۹۷۳ء، ص: ۲۱۸۔

(۴) مولانا نظام الدین الشاشی: اصول الشاشی، دہلی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء، مطبع مجتبائی، علی ھوامشہ، ص: ۲۔

(۵)، (۶)، (۷)، (۸) فضل حسین مظفر پوری بہاری: الحیاۃ بعد الممات، آگرہ ۱۳۱۶ھ/ ۱۹۰۸ء (سوانح تذکرہ سید نذیر حسین)، ص: ۳۵۴۔

(۹) ایضاً ص: ۳۵۷۔

(۱۰) ایضاً ص: ۳۸۹۔

۱۱) ایضاً ص: ۳۶۰۔

۲۰) مولوی محمد یٰسین ہزاروی(۱)۔

۲۱) مولوی محمد یعقوب ہزاروی(۲)۔

۲۲) مولوی محمد حسین یاغستانی(۳)۔

۲۳) مولوی غلام حسین ولد احمد الدین ''دھقم والی''، ضلع بنوں (تلمیذ مولانا احمد علی سہارنپوری) فاضل مظاہر علوم(۴)۔

۲۴) مولوی محمد حسن بنوی فاضل مظاہر علوم(۵)۔

۲۵) مولوی عبدالستار ہزاروی فاضل مظاہر علوم(۶)۔

---

(۱)، (۲) فضل حسین مظفر پوری بہاری: الحیاۃ بعد الممات، آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء (سوانح تذکرہ سید نذیر حسین)، ص: ۳۶۰۔

(۳) ایضاً ص: ۳۶۶۔

(۴)، (۵)، (۶) مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ، ص: ۳۴، ۴۲، ۴۴۔

۲۶) مولوی عبدالعزیز ولایتی، فاضل مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۰۸ھ(۱)۔

۲۷) مولوی عبدالعزیز ولایتی، ایضاً ۱۳۱۱ھ(۲)۔

۲۸) مولوی بایزید خان ولایتی ایضاً ۱۳۱۱ھ(۳)۔

۲۹) مولوی عبدالمجید ولایتی ایضاً ۱۳۱۲ھ(۴)۔

۳۰) مولوی عبدالقادر ولایتی ایضاً ۱۳۱۳ھ(۵)۔

۳۱) مولوی عبدالجبار ولایتی ایضاً ۱۳۱۳ھ(۶)۔

۳۲) مولوی سید احمد ولایتی ایضاً ۱۳۱۳ھ(۷)۔

۳۳) مولوی عمر گل پشاوری ایضاً ۱۳۱۹ھ(۸)۔

۳۴) مولوی دلباز خان بنوی ایضاً ۱۳۲۰ھ(۹)۔

۳۵) مولوی سید خان بنوی ایضاً ۱۳۲۰ھ(۱۰)۔

---

(۱) مولانا زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ، ص:۵۹۔

(۲)،(۳) ایضاً، ص:۶۳۔

(۴)،(۵)،(۶)،(۷) ایضاً، ص:۶۴،۶۵۔

(۸) ایضاً، ص:۹۲۔

(۹)،(۱۰) ایضاً، ص:۹۶۔

۳۶) مولوی میر جہاں شاہ بنوی فاضل مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۲۲ھ(۱)۔

۳۷) مولوی اسحٰق ہزاروی ایضاً ۱۳۲۲ھ(۲)۔

۳۸) مولوی سراج الدین بنوی ایضاً ۱۳۲۲ھ(۳)۔

۳۹) مولوی محمد حسین بنوی ایضاً ۱۳۲۲ھ(۴)۔

۴۰) نجم الدین پشاوری ایضاً ۱۳۲۳ھ(۵)۔

۴۱) مولوی عبدالاحد پشاوری ایضاً ۱۳۲۳ھ(۶)۔

۴۲) مولوی طیب اللہ پشاوری ایضاً ۱۳۲۳ھ(۷)۔

۴۳) مولوی خادم احمد پشاوری ایضاً ۱۳۲۴ھ(۸)۔

۴۴) مولوی حاجی در محمد ولایتی ایضاً ۱۳۲۴ھ(۹)۔

۴۵) مولوی کلیم اللہ بنوی ایضاً ۱۳۲۵ھ(۱۰)۔

۴۶) مولوی تاج محمد بنوی ایضاً ۱۳۲۵ھ(۱۱)۔

۴۷) مولوی تاج محمد بنوی ایضاً ۱۳۳۶ھ(۱۲)۔

---

(۱) مولانا زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ، ص:۹۹۔

(۲)،(۳)،(۴) ص:۱۰۱۔

(۵)،(۶)،(۷) ایضاً، ص:۱۰۶۔

(۸)،(۹) ایضاً، ص:۱۰۹۔

(۱۰)،(۱۱) ایضاً، ص:۱۱۱۔

(۱۲) ایضاً، ص:۱۱۹۔

۴۷) مولوی عبدالرحیم پشاوری مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۲۶ھ (۱)۔

۴۹) مولوی گل دست پشاوری ایضاً ۱۳۲۶ھ (۲)۔

۵۰) مولوی گل حسن بنوی ایضاً ۱۳۲۷ھ (۳)۔

۵۱) مولوی شاہ گل کوہاٹی ایضاً ۱۳۲۷ھ (اول آئے) (۴)۔

۵۲) مولوی محمد اعظم بنوی ایضاً ۱۳۲۸ھ (۵)۔

۵۳) مولوی احمد بیگ بنوی ایضاً ۱۳۲۹ھ (۶)۔

۵۴) مولوی حیدر علی پشاوری ایضاً ۱۳۲۹ھ (۷)۔

۵۵) مولوی خلیل الرحمٰن ہزاروی ایضاً ۱۳۳۱ھ (۸)۔

۵۶) مولوی جان محمد بنوی ایضاً ۱۳۳۲ھ (اول آئے) (۹)۔

۵۷) مولوی امیر احمد بنوی ایضاً ۱۳۳۲ھ (۱۰)۔

(۱)، (۲) مولانا زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ، ص: ۱۱۹۔

(۳) ایضاً، ص: ۱۲۱۔

(۴) ایضاً، ص: ۱۲۶ (انعام میں ۶ روپے، تفسیر حسینی، مشارق الانوار، دلائل الخیرات، مجموعہ خطب ماثورہ، بحرالاسرار، صراط مستقیم کتب ملیں)۔

(۵) ایضاً، ص: ۱۲۶۔

(۶)، (۷) ایضاً، ۱۲۹۔

(۸) ایضاً، ص: ۱۴۲۔

(۹) ایضاً (ان فارغین میں مولوی جان محمد پسر نور محمد بنوی صاحب سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے اور نقد انعام کے ساتھ ساتھ ہدایہ آخرین، مسامرہ، مطرقۃ الکرامہ، تذکرۃ الرشید انعام میں حاصل کیں)، ص: ۱۴۵۔

(۱۰) ایضا، ص: ۱۴۵۔

۵۸) مولانا اعظم الدین ہزاروی استاذ جامعہ ہاپوڑ میرٹھ ۱۳۲۹، ۱۳۳۰ھ (۱)۔

۵۹) مولوی عبداللہ ساکن گڑہی، ہزارہ (۲)۔

۶۰) مولوی فیروز دین ساکن درویش، ہری پور ہزارہ (۳)۔

۶۱) مولوی حیات گل، ہری پور ہزارہ (۴)۔

۶۲) قاضی مولوی عبدالغفور، ساکن بانڈی ملی خیلاں، ہزارہ (۵)۔

۶۳) تحفۃ اہل حدیث (عربی) کے مصنف مولوی ابوتراب محمد حسین ہزاروی (۶)۔

۶۴) سید احمد شاہ چھچھ ہزاروی (۷)۔

۶۵) جناب مولانا احمد الدین صاحب ہزاروی، سنہ فراغت از دارالعلوم دیوبند ۱۲۹۶ھ (۸)۔

۶۶) جناب مولانا عبداللطیف صاحب ہزاروی ایضاً ۱۲۹۷ھ (۹)۔

۶۷) جناب مولانا سلطان احمد صاحب ایضاً ۱۲۹۸ھ (۱۰)۔

۶۸) جناب مولانا عبداللہ صاحب ایضاً ۱۳۰۱ھ (۱۱)۔

۶۹) جناب مولانا فضل احمد صاحب ایضاً ۱۳۰۴ھ (۱۲)۔

۷۰) جناب مولانا خیرالدین صاحب ایضاً ۱۳۰۹ھ (۱۳)۔

(۱) مفتی محمود حسن ہزاروی: التذکرۃ المحمودۃ، سندھ اردو پریس سکھر، ص: ۶۔

(۲)، (۳)، (۴)، (۵) ڈاکٹر شیر بہادر: تاریخ ہزارہ، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۲۲۹۔

(۶) ابویحییٰ امام خان نوشہروی: ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور ۱۳۹۱ھ، ص: ۷۰۔

(۷) ایضا، ص: ۱۷۲۔

(۸) تا (۱۳) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، ص: ۱، (قلمی)۔

۷۱) جناب مولانا نجم الدین صاحب، سنہ فراغت از دارالعلوم دیوبند ۱۳۰۹ھ(۱)۔

۷۲) جناب مولانا فضل الحق صاحب ایضاً ۱۳۱۱ھ (۲)۔

۷۳) جناب مولانا سید حسن صاحب ایضاً ۱۳۱۳ھ (۳)۔

۷۴) جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب ایضاً ۱۳۱۴ھ (۴)۔

۷۵) جناب مولانا نور محمد صاحب ایضاً ۱۳۱۶ھ (۵)۔

۷۶) جناب مولانا عبدالرحیم صاحب ایضاً ۱۳۱۷ھ (۶)۔

۷۷) جناب مولانا عبداللطیف صاحب ایضاً ۱۳۱۸ھ (۷)۔

۷۸) جناب مولانا عبدالحلیم صاحب ایضاً ۱۳۱۸ھ (۸)۔

۷۹) جناب مولانا فضل احمد صاحب ایضاً ۱۳۱۸ھ (۹)۔

۸۰) جناب مولانا حمید الدین صاحب ایضاً ۱۳۱۸ھ (۱۰)۔

۸۱) جناب مولانا غلام حسین صاحب ایضاً ۱۳۱۹ھ (۱۱)۔

۸۲) جناب مولانا عبداللطیف صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۱۹ھ (۱۲)۔

۸۳۔ جناب مولانا صحبت خان صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۲ھ (۱۳)۔

۸۴) جناب مولانا حافظ احمد صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۲ھ (۱۴)

---

(۱) تا (۱۰) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ، قلمی، ص:۱۔

(۱۱) تا (۱۴) ایضا۔

۸۵) جناب مولانا سید احمد صاحب ہزاروی (کوٹ نجیب اللہ)، سنہ فراغت از دارالعلوم دیوبند ۱۳۲۲ھ (۱)۔

۸۶) جناب مولانا مبارک شاہ صاحب ہزاروی، سنہ فراغت از دارالعلوم دیوبند، ۱۳۲۲ھ (۲)۔

۸۷) جناب مولانا سید فتح علی شاہ صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۳ھ (۳)۔

۸۸) جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۵ھ (۴)۔

۸۹) جناب مولانا ولی الرحمٰن صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۷ھ (۵)۔

۹۰) جناب مولانا سید لطیف صاحب ہزاروی ایضاً ۱۳۲۸ھ (۶)۔

۹۱) جناب مولانا سید شریف صاحب ہزاروی ایضا ۱۳۳۱ھ (۷)۔

۹۲) جناب مولانا شاہ رسول صاحب ایضاً ۱۳۳۳ھ (۸)۔

۹۳) جناب مولانا عبدالجلیل بن حضرت علی ایضاً ۱۳۳۴ھ (۹)۔

۹۴) جناب مولانا سید عالم بن مولانا نادر خان بلولیہ ہزارہ ایضاً ۱۳۳۴ھ (۱۰)۔

۹۵) جناب مولانا مطیع الرحمٰن صاحب ایضاً ۱۳۳۵ھ (۱۱)۔

۹۶) جناب مولانا عظیم اللہ صاحب ایضاً ۱۳۳۵ھ (۱۲)۔

۹۷) جناب مولانا احمد گل صاحب ایضاً ۱۳۳۶ھ (۱۳)۔

۹۸) جناب مولانا گل زمان بن فضل حق تڑائی، بفہ ہزارہ ایضاً ۱۳۳۹ھ (۱۴)۔

۹۹) جناب مولانا فضل الرحمٰن بن مولوی محمد یوسف ”گنجہ“ ہزارہ ایضاً ۱۳۳۹ھ (۱۵)۔

۱۰۰) جناب مولانا محمد شعیب بن غلام حبیب مڑی کاغان، ایضاً ۱۳۴۰ھ (۱۶)۔

---

(۱) تا (۱۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی)، ص:۲۔

(۱۳) تا (۱۶) ایضا، ص:۲۔

۱۰۱) جناب مولانا محمد نوبت بن کوکہ صاحب ٹانڈہ ہزارہ، سنہ فراغت از دار العلوم دیوبند ۱۳۴۰ھ (۱)۔

۱۰۲) جناب مولانا محمد عمر الدین بن محمد امین ''چہ جڑ'' اوگی ایضاً ۱۳۴۱ھ (۲)۔

۱۰۳) جناب مولانا عبد القیوم بن عبد الرحیم جاگل، ہری پور ہزارہ ایضاً ۱۳۴۴ھ (۳)۔

۱۰۴) جناب مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمود صاحب سنگر، بالاکوٹ ایضاً ۱۳۴۵ھ (۴)۔

۱۰۵) جناب مولانا شیر محمد شاہ بن حسن علی شاہ صاحب شملائی ایضاً ۱۳۴۵ھ (۵)۔

۱۰۶) جناب مولانا غلام حسین شاہ بن لعل شاہ صاحب بانڈہ، ایضاً ۱۳۴۷ھ (۶)۔

۱۰۷) مولوی عبد الجلیل ہزاروی:

آپ کے قلم سے امام ابن تیمیہ کی پانچ کتابوں کے اردو ترجمہ نکلے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ الوصیۃ الکبریٰ ۲۔ الوصیۃ الصغریٰ

۳۔ درجات الیقین ۴۔ العقیدۃ الواسطیۃ

۵۔ تفسیر المعوذتین......(۷)۔

---

(۱)، (۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی)، ص:۳۰۔

(۳) تا (۶) ایضاً، ص:۴۰۔

(۷) ابو یحییٰ امام خان، مولانا، نوشہروی: ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ، ص:۸۹۔

۱۰۸) حضرت مولانا سلطان احمد پشاوری استاذ (مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس ملتان) مدرسہ اشاعت العلوم بریلی (۱)۔

۱۰۹) مولانا عبد الخالق، سوات (۲)۔

۱۱۰) مولانا قاضی درمکنون ساکن ''زیارت کا کا صاحب'' تحصیل نوشہرہ پشاور (۳)۔

۱۱۱) مولانا فضل الرحمٰن اوتلوی، تحصیل بٹگرام، ہزارہ (۴)۔

۱۱۲) مولانا احمد الدین صاحب سرحدی استاذ مدرسہ عربیہ حسن پور مراد آباد (۵)۔

۱۱۳) (مولانا) غلام حبیب پشاوری (۶)۔

---

(۱) احمد سعید، پروفیسر: بزم اشرف کے چراغ، لاہور ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء، بار اول، ص: ۳۵۱۔

(۲) فضل حق، مولانا خیر آبادی: الثورۃ الھندیۃ (باغی ہندوستان)، لاہور اکتوبر ۱۹۷۲ء، مکتبہ قادریہ ص:۳۴۶ (بار اول پاکستان)۔

(۳) احمد سعید، پروفیسر: بزم اشرف کے چراغ، لاہور ۱۹۷۵ء، ص:۳۶۱۔

(۴) محمد اسحاق قاضی: رسالة المسمّى بإقامة الحجة على من أنكر عن الإفطار بعد إتمام العدة، راولپنڈی، سٹیم پریس ۱۳۴۲ھ، ص:۱۶ (فتوی کی صحت پر دستخط ثبت ہیں)۔

(۵) محمد زکریا مولانا کاندھلوی: یادِ ایام، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ص:۸۰۔ (اس نام کے ایک بزرگ عالم فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں نمبر ا پر بھی آئے ہیں)۔

(۶) فتویٰ تکفیر قادیان، دیوبند، کتب خانہ اعزازیہ، ص:۶۔

۱۱۴) (مولانا) محمد عبدالرحمٰن ہزاروی (۱)۔

۱۱۵) (مولانا) عبدالواحد از پشاور (۲)۔

۱۱۶) (مولانا) مولوی عبدالکریم پشاوری (۳)۔

۱۱۷) (مولانا) حافظ عبداللہ نقشبندی (پشاوری) (۴)۔

۱۱۸) (مولانا) محمود شہر پشاور (۵)۔

۱۱۹) موضع ''مونن''، تحصیل ہری پور کے ایک معمر اور ذی علم سید حسین شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی تھی (۶)۔

۱۲۰) حضرت مولانا محمد معصوم صاحب، سوات، چغرزئی...... یکے از خلفاء مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری (۷)۔

۱۲۱) حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب سوات، چغرزئی ایضاً (۸)۔

۱۲۲) حضرت مولانا عتیق اللہ صاحب علاقہ سرحد نبزف ایضاً (۹)۔

۱۲۳) حضرت مولوی سید خان ملا صاحب بونیر (سوات) ایضاً (۱۰)۔

---

(۱) تا (۵) فتویٰ تکفیر قادیان، دیوبند، کتب خانہ اعزازیہ، ص:۱۱۔

(۶) مولانا فیض احمد: مہر منیر (سوانح حضرت گولڑوی) لاہور ۱۹۷۳ء، ص:۴۹۲۔

(۷) تا (۱۰) مولانا مدرار اللہ: تجلیات صدیقی، (سوانح مولانا عبدالمالک صدیقی) کراچی، مارچ ۱۹۷۴ء، بار اول، ص: ۱۲۰۔

۱۲۴) مولانا قاری غلام محمد صاحب ہزاروی (۱)۔

۱۲۵) مولانا محبوب عالم صاحب ہزاروی (۲)۔

۱۲۶) مولانا گل فقیر صاحب پشاوری (۳)۔

۱۲۷) حضرت مولانا فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) (۴)۔

۱۲۸۔ حضرت مولانا معزالدین صاحب (وڈاگیگ صوبۂ سرحد) (۵)۔

۱۲۹) حضرت مولانا حافظ حمید الدین صاحب (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ) (۶)۔

۱۳۰) مولوی عصمت اللہ خان ہزاروی، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیر طریقت تھے (۷)۔

۱۳۱) مولوی امام محمد بنوی، سال فراغت از مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء (۸)۔

۱۳۲) مولوی عبدالغفار بنیری، ایضاً ۱۳۳۵ھ (۹)۔

---

(۱) فیض احمد، مولانا: مہر منیر، لاہور ۱۹۷۳ء، ص:۳۸۶۔

(۲) ایضاً۔

(۳) ایضاً۔

(۴) ایضاً، ص:۳۸۷۔

(۵) ایضاً۔

(۶) ایضاً۔

(۷) ایضاً، ص:۱۰۲۔

(۸) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، بار اول کتب خانہ اشاعۃ العلوم، ص:۱۶۔

(۹) ایضاً، ص:۲۱۔

۱۳۳) مولوی عبدالحق ہزاروی سال فراغت از مظاہر علوم، سہارنپور ۱۳۳۶/۱۹۱۸ء(۱)۔

۱۳۴) مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی ایضاً ۱۳۳۷ھ (۲)۔

۱۳۵) مولوی تبارک حسین پشاوری ایضاً ایضاً (۳)۔

۱۳۶) مولوی جہاں شاہ بنوی ایضاً ایضا (۴)۔

۱۳۷) مولوی فیض محمد بنوی ایضاً ۱۳۳۸ھ (۵)۔

۱۳۸) مولوی غازی الدین پشاوری ایضاً ۱۳۳۹ھ (۶)۔

۱۳۹) مولوی عبدالحق بنوی ایضاً ۱۳۴۰ھ (۷)۔

۱۴۰) مولوی غلام محمد پشاوری ایضاً ۱۳۴۳ھ (۸)۔

۱۴۱) مولوی غلام احمد ہزاروی ایضاً ۱۳۴۴ھ (۹)۔

---

(۱) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، بار اول، کتب خانہ اشاعۃ العلوم، ص:۲۶۔

(۲) ایضاً، ص:۳۱۔

(۳) ایضاً، ص:۳۱۔

(۴) ایضاً، ص:۳۵۔

(۵) ایضاً، ص:۳۵۔

(۶) ایضاً، ص:۳۹۔

(۷) ایضاً، ص:۴۱۔

(۸) ایضاً، ص:۵۹۔

(۹) ایضاً، ص:۶۴۔

۱۴۲) مولوی عرفان ہزاروی سال فراغت مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۴۵ھ (۱)۔

۱۴۳) مولوی غلام احمد ہزاروی ایضاً ۱۳۴۵ھ (۲)۔

۱۴۴) مولوی محمد رؤف ہزاروی ایضاً ۱۳۴۶ھ (۳)۔

۱۴۵) مولوی محمد فاروق کوہاٹی ایضاً ۱۳۴۷ھ (۴)۔

۱۴۶) مولوی عبدالمتین پشاوری ایضاً ۱۳۴۷ھ (۵)۔

۱۴۷) مولوی غلام سرور پشاوری ایضاً ۱۳۴۷ھ (۶)۔

۱۴۸) مولوی عبدالغفور ہزاروی ایضاً ۱۳۴۷ھ (۷)۔

۱۴۹) مولوی محمد اسماعیل ڈیرہ اسماعیل خان، ایضاً ۱۳۴۸ھ (۸)۔

---

(۱) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء بار اول، کتب خانہ اشاعۃ العلوم، ص:۷۰۔

(۲) ایضاً۔

(۳) ایضاً، ص:۷۴۔

(۴)، (۵) ایضاً، ص:۸۱۔

(۶)، (۷) ایضاً، ص:۸۲۔

(۸) ایضاً، ص:۹۳۔

** ان فارغین میں اول نمبروں سے کامیاب ہونے والے مولوی محمد اسماعیل پسر مولوی محمد ابراہیم ڈیرہ اسماعیل خان تھے، جنہوں نے تیرہ کتب میں امتحان دے کر ۲۳۶ نمبر حاصل کئے اور انعام میں پندرہ روپے نقد کے ساتھ ساتھ بذل المجہود (جلد رابع)، غنیۃ، انوار سبحانی، موازنہ انیس و دبیر، علم الکلام، حقوق العلم، شعر العجم (حصہ اول، دوم وپنجم)، خطبات توحید، سبیل الاقوم، دعوات عبدیت، الدر المنضود، الرشاد، سہ نثر ظہوری، مثنوی مولانا روم و ستہ گل مقالات شبلی، سیاست نامہ، مناجات مقبول، دروس التاریخ، پیام حق کتابیں انعام میں حاصل کیں۔ (ص:۹۴)۔

۱۵۰) مولوی کریم عبداللہ ہزاروی سال فراغت مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۴۸ھ(۱)۔

۱۵۱) مولوی عبدالمجید ہزاروی ایضاً ۱۳۴۸ھ(۲)۔

۱۵۲) مولوی عبدالحئی پشاوری ایضاً ۱۳۴۸ھ(۳)۔

۱۵۳) مولوی عبدالمؤمن ہزاروی ایضاً ۱۳۴۹ھ(۴)۔

۱۵۴) مولوی سمیع الحق پشاوری (مظاہر میں استاذ بھی رہے)، ایضاً ۱۳۵۰ھ(۵)۔

۱۵۵) مولوی عبدالوہاب بنوی ایضاً ۱۳۵۰ھ(۶)۔

۱۵۶) مولوی غلام احمد ہزاروی ایضاً ۱۳۵۰ھ(۷)۔

۱۵۷) مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی ایضاً ۱۳۵۳ھ(۸)۔

۱۵۸) مولوی سید الشاہدین پشاوری (جو بعد میں ایک طویل عرصہ تک مدرسہ میں استاذ بھی رہے)، ایضاً ۱۳۵۳ھ(۹)۔

۱۵۹) مولوی محمد ادریس ہزاروی، سال فراغت سہارنپور ۱۳۵۳ھ(۱۰)۔

۱۶۰) مولوی عبدالرحمٰن ڈیرہ اسماعیل خان ایضاً ۱۳۵۳ھ(۱۱)۔

۱۶۱) مولوی حبیب احمد پشاوری ایضاً ۱۳۵۳ھ(۱۲)۔

۱۶۲) مولوی عبدالشکور پشاوری ایضاً ۱۳۵۴ھ(۱۳)۔

(۱)،(۲) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، بار اول، کتب خانہ اشاعۃ العلوم، ص:۹۳۔

(۳) ایضاً، ص:۹۴۔

(۴) ایضاً، ص:۹۶۔

(۵) تا (۷) ایضاً، ص:۱۰۲۔

(۸) تا (۱۲) ایضاً، ص:۱۱۰۔

(۱۳) ایضاً، ص:۱۱۲۔

۱۶۳) مولوی محمد رحیم بنوی سال فراغت از مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۵۴ھ(۱)۔

۱۶۴) مولوی عبدالستار پشاور ایضاً ۱۳۵۴ھ(۲)۔

۱۶۵) مولوی یونس پشاوری ایضاً ۱۳۵۴ھ(۳)۔

۱۶۶) مولوی عمران ہزاروی ایضاً ۱۳۵۴ھ(۴)۔

۱۶۷) مولوی محمد ہادی ہزاروی ایضاً ۱۳۵۵ھ(۵)۔

۱۶۸) مولوی محمد عمر پشاوری ایضاً ۱۳۵۵ھ(۶)۔

۱۶۹) مولوی محمد میاں سرحدی ایضاً ۱۳۵۵ھ(۷)۔

۱۷۰) مولوی فضل الرحیم پشاوری ایضاً ۱۳۵۵ھ(۸)۔

۱۷۱) مولوی ولی الرحمٰن پشاوری ایضاً ۱۳۵۵ھ(۹)۔

۱۷۲) مولوی میر محمد پشاوری ایضاً ۱۳۵۵ھ(۱۰)۔

۱۷۳) مولوی عبدالحق پشاوری ایضاً ۱۳۵۶ھ(۱۱)۔

۱۷۴) مولوی عبدالحق ہزاروی ایضاً ۱۳۵۶ھ(۱۲)۔

۱۷۵) فقیر محمد پشاوری ایضاً ۱۳۵۶ھ(۱۳)۔

(۱) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، بار اول، کتب خانہ اشاعۃ العلوم، ص:۱۱۳۔

(۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔ (۴) ایضاً۔

(۵) تا (۸) ایضاً، ص:۱۱۷۔

(۹)،(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) ایضاً، ص:۱۱۹۔

(۱۲) تا (۱۳) ایضاً، ص:۱۲۰۔

۱۷۶) مولوی عبدالحق ڈیرہ اسماعیل خاں، سال فراغت از مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۵۶ھ(۱)۔

۱۷۷) مولوی فضل الرحمٰن پشاوری ایضا ۱۳۵۶ھ(۲)۔

۱۷۸) مولوی عبدالحنان پشاوری ایضاً ۱۳۵۶ھ(۳)۔

۱۷۹) مولوی فضل قدیم پشاوری ایضاً ۱۳۵۶ھ(۴)۔

۱۷۰) مولوی مصنف شاہ پشاوری ایضاً ۱۳۵۷ھ(۵)۔

۱۸۱) مولوی خواجہ میر محمد خاں بنوی ایضاً ۱۳۵۷ھ(۶)۔

۱۸۲) مولوی حمید اللہ بنوی ایضاً ۱۳۵۷ھ(۷)۔

۱۸۳) مولوی عبید اللہ بنوی ایضاً ۱۳۵۸ھ(۸)۔

۱۸۴) مولوی جہاں زیب پشاوری ایضاً ۱۳۵۸ھ(۹)۔

۱۸۵) مولوی عبدالوہاب پشاوری ایضاً ۱۳۵۸ھ(۱۰)۔

۱۸۶) مولوی زکی الدین پشاوری ایضاً ۱۳۵۹ھ(۱۱)۔

۱۸۷) مولوی رفیق احمد سرحدی ایضاً ۱۳۵۹ھ(۱۲)۔

۱۸۸) مولوی ولی محمد پشاوری ایضاً ۱۳۶۰ھ(۱۳)۔

۱۸۹) مولوی حمید اللہ پشاوری ایضاً ۱۳۶۰ھ(۱۴)۔

(۱) تا (۴) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، باراول، اشاعۃ العلوم، ص:۱۲۰۔
(۵) تا (۷) ایضاً، ص:۱۳۰۔ (۸) ایضاً ص:۱۳۲۔ (۹)، (۱۰) ایضاً، ص:۱۳۳۔
(۱۱)، (۱۲) ایضاً، ص:۱۳۵۔
(۱۳) ایضاً، ص:۱۴۲۔
(۱۴) ایضاً، ص:۱۴۲۔

۱۹۰) مولوی عزیز الحق مردانی سال فرغت از مظاہر علوم سہارنپور(۱)۔

۱۹۱) مولوی عبداللطیف ہزاروی ایضاً ۱۳۶۰ھ(۲)۔

۲۹۱) مولوی ظہیر الدین ہزاروی ایضاً ۱۳۶۰ھ(۳)۔

۱۹۳) مولوی عبدالغفار بنوی ایضاً ۱۳۶۰ھ(۴)۔

۱۹۴) مولوی عبدالودود مردانی ایضاً ۱۳۶۰ھ(۵)۔

۱۹۵) مولوی محمد سعید صواتی ایضاً ۱۳۶۱ھ(۶)۔

۱۹۶) مولوی محمد صادق بنوی ایضاً ۱۳۶۱ھ(۷)۔

۱۹۷) مولوی فضل الرحمٰن پشاوری ایضاً ۱۳۶۱ھ(۸)۔

۱۹۸) مولوی عبداللہ صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۹)۔

۱۹۹) مولوی فضل ربی صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۰)۔

۲۰۰) مولوی عبدالقہار صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۱)۔

۲۰۱) مولوی غلام احمد صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۲)۔

۲۰۲) مولوی امیر چمن صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۳)۔

۲۰۳) مولوی علیم الدین صواتی ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۴)۔

۲۰۴) مولوی نور الرحمٰن پشاوری ایضاً ۱۳۶۲ھ(۱۵)۔

(۱) تا (۵) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، باراول، ص:۱۴۳۔
(۶) تا (۸) ایضاً، ص:۱۴۵۔
(۹) تا (۱۵) ایضاً، ص:۱۴۷۔

۲۰۵) مولوی محمود مردانی، سال فراغت از مظاہر علوم ۱۳۶۳ھ(۱)۔
۲۰۶) مولوی عبدالودود صواتی ایضاً ۱۳۶۳ھ(۲)۔
۲۰۷) مولوی عبدالکافی مردانی ایضاً ۱۳۶۳ھ(۳)۔
۲۰۸) مولوی شیر حمید پشاوری ایضاً ۱۳۶۳ھ(۴)۔
۲۰۹) مولوی فضل خالق صواتی ایضاً ۱۳۶۳ھ(۵)۔
۱۲۰) مولوی محمد گل بنوی ایضاً ۱۳۶۳ھ(۶)۔
۲۱۱) مولوی محمد یوسف مردانی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۷)۔
۲۱۲) مولوی عبدالواسع پشاوری ایضاً ۱۳۶۴ھ(۸)۔
۲۱۳) مولوی فتح محمد بنوی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۹)۔
۲۱۴) مولوی محمد ظاہر ہزاروی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۱۰)۔
۲۱۵) مولوی اسرائیل ہزاروی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۱۱)۔
۲۱۶) مولوی نصر اللہ مردانی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۱۲)۔
۲۱۷) مولوی محمد صادق کوہاٹی ایضاً ۱۳۶۴ھ(۱۳)۔

---

(۱) تا (۴) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲ سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص:۱۵۵ (باراول)۔
(۵)،(۶) ایضاً ص:۱۵۶۔
(۷) تا (۱۲) ایضاً ص:۱۶۰۔
(۱۳) ایضاً ص:۱۶۱۔

۲۱۸) مولوی یوسف پشاوری سال از فراغت مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۶۵ھ(۱)۔
۲۱۹) مولوی دوست محمد مردانی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۲)۔
۲۲۰) مولوی حمد اللہ مردانی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۳)۔
۲۲۱) مولوی عبدالعزیز مردانی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۴)۔
۲۲۲) مولوی عبداللہ مردانی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۵)۔
۲۲۳) مولوی محمد علی صواتی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۶)۔
۲۲۴) مولوی سلامت اللہ پشاوری ایضاً ۱۳۶۵ھ(۷)۔
۲۲۵) مولوی محمد زمان ہزاروی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۸)۔
۲۲۶) مولوی عبدالمالک ہزاروی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۹)۔
۲۲۷) مولوی غلام ربانی ہزاروی ایضاً ۱۳۶۵ھ(۱۰)۔
۲۲۸) مولوی عبدالحفیظ مردانی ایضاً ۱۳۶۶ھ(۱۱)۔
۲۲۹) مولوی یار محمد صواتی ایضاً ۱۳۶۶ھ(۱۲)۔
۲۳۰) مولوی محمد حیات صواتی ایضاً ۱۳۶۶ھ(۱۳)۔
۲۳۱) مولوی سلطان محمد مردانی ایضاً ۱۳۶۶ھ(۱۴)۔
۲۳۲) مولوی نجیب احمد بنوی ایضاً ۱۳۶۶ھ(۱۵)۔

---

(۱) تا (۸) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، سہارنپور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، باراول، ص:۱۶۱۔
(۹)،(۱۰) ایضاً۔
(۱۱) تا (۱۵) ایضاً ص:۱۶۲۔ (ان تینتالیس فارغین میں مولوی نجیب احمد پسر نور احمد بنوی اول نمبر آئے، جن کو نقد دس روپے انعام کے ساتھ کتابیں دی گئیں)۔

۲۳۳) مولوی عبدالودود مردانی فراغت از مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۶۷ھ(۱)۔

۲۳۴) مولوی عبدالقدوس پشاوری ایضاً ۱۳۶۷ھ(۲)۔

۲۳۵) مولوی زین العابدین مردانی ایضاً ۱۳۶۸ھ(۳)۔

۲۳۶) مولوی عبدالواحد مردانی ایضاً ۱۳۶۸ھ(۴)۔

۲۳۷) مولوی فضل مالک مردانی ایضاً ایضاً(۵)۔

۲۳۸) مولوی محمد اسلام صواتی ایضاً ۱۳۶۹ھ(۶)۔

۲۳۹) مولوی خیر الرحمٰن مردانی ایضاً ۱۳۶۹ھ(۷)۔

۲۴۰) مولوی عبدالغنی سواتی ایضاً ۱۳۶۹ھ(۸)۔

۲۴۱) مولوی محمد خطاب ہزاروی ایضاً ۱۳۷۰ھ(۹)۔

۲۴۲) مولوی زیارت گل صواتی ایضاً ۱۳۷۱ھ(۱۰)۔

۲۴۳) مولوی ظریف احمد مردانی ایضاً ۱۳۷۱ھ(۱۱)۔

۲۴۴) مولوی فضل احمد ہزاروی ایضاً ۱۳۷۱ھ(۱۲)۔

۲۴۵) مولوی حیات منیر مردانی ایضاً ۱۳۷۱ھ(۱۳)۔

---

(۱)،(۲) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص:۱۶۳۔

(۳) تا (۵) ایضاً۔

(۶) تا (۸) ایضاً، ص:۱۶۴۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) تا (۱۳) ایضاً، ص:۱۶۵۔

۲۴۶) مولوی معین الدین مردانی، فراغت از مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۷۱ھ(۱)۔

۲۴۷) مولوی عبدالرزاق مردانی ایضاً ۱۳۷۲ھ(۲)۔

۲۴۸) مولوی محمد یوسف ایضاً ۱۳۷۲ھ(۳)۔

۲۴۹) مولوی فضل حلیم مردانی ایضاً ۱۳۷۵ھ(۴)۔

۲۵۰) مولوی محمد شیریں صواتی ایضاً ۱۳۷۵ھ(۵)۔

۲۵۱) مولوی قدر الدین خدر خیلی (۶)۔

۲۵۲) مولوی شیر محمد سرحدی عالم جو مولانا محمد الیاس بانی جماعت تبلیغ کے ہمدرس تھے(۷)۔

۲۵۳) مولانا سلطان محمد صاحب سرحدی (سید محمد ازہر، حیات انور، دیوبند، ۱۹۵۵ھ (ممتاز تلامذہ میں سے) ص۲۹۶۔

---

(۱) محمد شاہد سہارنپوری: تاریخ مظاہر، ج:۲ سہارنپور ۱۹۷۴ء، بار اول، ص:۱۶۵۔

(۲)،(۳) ایضاً، ص:۱۶۶۔

(۴) ایضاً، ص:۱۶۹۔

(۵) ایضاً، ص:۱۷۰۔

(۶) "الخيالي على شرح العقائد النسفية" پر آپ کی تعلیقات ہیں جو حاجی عبدالحکیم قصہ خوانی پشاور کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔ تاریخ طباعت موجود نہیں۔ (یہ کتاب کتب خانہ فضلیہ شیر گڑھ اوگی ہزارہ میں ہے)۔

(۷) مولانا احتشام الحسن کاندھلوی: حالات مشائخ کاندھلہ، دہلی ۱۳۸۳ھ، ادارہ اشاعت دینیات، ص:۲۳۴۔

۲۵۴) مولوی محمد دین ساکن ٹانک (۱)۔

۲۵۵) جناب مولانا مولوی محمد رستم صاحب ساکن اوتر شیشہ (مانسہرہ ہزارہ) (۲)۔

۲۵۶) مولانا عبدالستار ساکن بانڈی (مانسہرہ) (۳)۔

۲۵۷) مولوی قاضی عصمت اللہ صاحب نواں شہری (ایبٹ آباد ہزارہ) (۴)۔

۲۵۸) مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی (۵)۔

۲۵۹) مولوی عبدالغفور صاحب ساکن سرائے صالح، ہری پور ہزارہ (۶)۔

۲۶۰) مولانا نادر الدین نحوی قصبہ رجوعیہ (تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ، م۱۳۲۲ھ) (۷)۔

۲۶۱) مولوی فیض الحکم صاحب پشاوری (ایضاً) (۸)۔

۲۶۲) مولوی نور الحق صاحب مانسہروی (ہزاروی) (۹)۔

---

(۱) (مولانا مقیم الدین ساکن ٹانک نے آپ سے میزان الصرف سے میبذی تک کی کتابیں پڑھیں)۔ رحمان علی: تذکرہ علماء ہند، کراچی ۱۹۶۱ء،: ص۵۰۲۔

(۲) مولانا محمد خان زمان: حل العویص فی شرح التلخیص، کانپور ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء مطبع رزاقی، حصہ اول، ص: ۱۱۱۔

(۳) تا (۹) ایضاً ص: ۱۱۱............۱۱۲۔

۲۶۳) مولوی سعید عبدالباقی سہسوانی نے طب مولوی حکیم معز الدین پشاوری سے پڑھی (۱)۔

۲۶۴) ملا نواب خان بن سعد اللہ خان، ساکن لوبی، پشاور فاضل رامپور ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء (۲)۔

۲۶۵) ''مولانا امین الدین صاحب نے ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ کو سنہری مسجد چاندنی چوک میں اسلامی علوم کی یہ درسگاہ ''مدرسہ امینیہ'' کے نام سے قائم کی۔ اس وقت علامہ انور شاہ کشمیری اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مدرس دوم مولانا عبدالقادر ہزاروی تھے۔ مدرس سوم مولانا ضیاء الحق دیوبندی تھے'' (۳)۔

---

(۱) امام خان نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء، ج: ۱، ص ۲۵۷۔

(۲) ایضاً ص: ۵۰۰۔

(۳) حافظ سید رشید احمد ارشد: بیس بڑے مسلمان (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب) لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۴۲۲۔

۲۶۶) مولانا مناظر احسن گیلانی کے دادا مولانا سید محمد احسن اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ جب ان کے علم کی شہرت پھیلی تو نہ صرف اطراف وجوانب، بلکہ مختلف صوبوں سے طلبہ آ کر ان سے فیض حاصل کرنے لگے۔ ان کے شاگردوں میں ملا عبداللہ ہزارہ صوبۂ سرحد کے تھے۔ وہ مولانا کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ گیلان ہی میں متوطن ہو گئے۔ ملا عبداللہ کے زہد وتورع کے قصے اطراف وجوانب میں ابھی بھی شوق سے کہے اور سنے جاتے ہیں'' (۱)۔

۲۶۷) محمد نور سوادی ساکن اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور نے ایک رسالہ: عين البشارة في تسنين الإشارة :لکھا ہے، جو۲۲x۲۹ سائز کے صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع گوپال راؤ ناگ پور میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء میں چھپا۔ اس پر جن علماء کے تائیدی دستخط موجود ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۲۶۸) مفتی نصیر احمد پشاور (۲)۔

۲۶۹) مفتی عبدالغیور (۳)۔

۲۷۰) (سید) حبیب اللہ گیلانی (۴)۔

(۱) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ایم اے: مولانا مناظر احسن گیلانی، معارف ماہنامہ اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۷ء، ص:۱۶۶۔

(۲) تا (۴) محمد نور سوادی اکوڑوی: عين البشارة في تسنين الإشارة ، نا گپور ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء۔

۲۷۱) فقیر محمد امین (۱)۔

۲۷۲) مفتی عزیز الدین (۲)۔

۲۷۳) احمد شاہ (۳)۔

۲۷۴) نصیر احمد شاہ (۴)۔

۲۷۵) عبدالغفور مشہور بہ ''جلالا ملا صاحب'' (۵)۔

۲۷۶) محمد امیر (۶)۔

۲۷۷) مولوی محمد سندی ساکن شاہ منصور، علاقہ صوابی ضلع مردان (۷)۔

۲۷۸) ملا صاحب اچینی ساکن مسریزی پشاور (۸)۔

۲۸۹) مدثر اخوندزادہ صاحب ساکن ریگی پشاور (۹)۔

۲۸۰) محمد حسین صاحب المعروف بہ ''ملا صاحب'' بازارگئی مردان (۱۰)۔

(۱) تا (۶) محمد نور سوادی اکوڑوی: عين البشارة في تسنين الإشارة، نا گپور ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء۔

(۷) آپ منطق اور حکمت کے جلیل القدر عالم تھے۔ علم منطق کی اکثر کتابوں پر آپ کے حواشی موجود ہیں۔

(۸) تا (۱۰) مولوی فضل الٰہی: اشارة بالسبابة (قلمی) ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ/۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء کو لکھا گیا۔ یہ مولوی فضل الٰہی صاحب کاتب ہیں۔ مصنف شاید مولوی محمد سندھی ہیں۔ اس رسالہ پر ان حضرات کے اشارہ بالسبابة کے ناجائز ہونے پر دستخط ثبت ہیں۔ (اللہ ان کی اس فروگزاشت کو معاف فرمائے)۔ یہ قلمی رسالہ مولانا عبدالحلیم اثر افغانی، تخت بھائی مردان کے پاس محفوظ ہے۔

۲۸۱) مولوی عبدالحنان صاحب ساکن یارحسین، مردان (۱)۔

۲۸۲) ملا محمد اعظم ساکن بنوں (۲)۔

۲۸۳) قاضی صاحب صفی اللہ ساکن بدنی، پشاور (۳)۔

۲۸۴) مولوی عبدالکریم اخندزادہ ساکن ڈاگی بانڈہ پشاور (۴)۔

۲۸۵) غیاث الاسلام اخوندزادہ ساکن نوشہرہ، پشاور (۵)۔

۲۸۶) محمد عالم اخندزادہ ساکن تیراہ (سرحد کا آزاد علاقہ) (۶)۔

۲۸۷) تسلیم اخوندزادہ صاحب ساکن شلمان، (خیبر ایجنسی) (۷)۔

۲۸۸) عظیم اللہ اخندزادہ صاحب ساکن ارمڑ پشاور (۸)۔

۲۸۹) عبدالکبیر اخوندزادہ ارمڑ میانہ پشاور (۹)۔

۲۹۰) مولوی عبدالمجید ساکن پایاں پشاور (۱۰)۔

۲۹۱) مولوی عبدالقدیر ساکن پایاں پشاور (۱۱)۔

---

(۱) تا (۱۱) مولوی فضل الٰہی: اشارۃ بالسبابۃ: (قلمی) ماہ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ / ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء کو لکھا گیا۔ یہ مولوی فضل الٰہی صاحب کا تب ہیں۔ مصنف شاید مولوی سندھی ہیں۔ اس رسالہ پر ان حضرات کے اشارہ بالسبابۃ کے ناجائز ہونے پر دستخط ثبت ہیں۔ (اللہ ان کی اس فروگزاشت کو معاف فرمائے)۔ یہ قلمی رسالہ مولانا عبدالحلیم اثر افغانی، تخت بہائی مردان کے پاس محفوظ ہے۔

۲۹۲) مولوی محمد صدیق ساکن ڈاگی علاقہ رجڑ مردان (۱)۔

۲۹۳) حافظ غلام محمد ساکن پشاور شہر (۲)۔

۲۹۴) غلام رب اخندزادہ ساکن دیہہ بہادر پشاور (۳)۔

۲۹۵) غفران اخوندزادہ ساکن نوشہرہ پشاور (۴)۔

۲۹۶) عبدالرحیم اخوندزادہ ساکن سپین خاک پشاور (۵)۔

۲۹۷) قاضی درے خان، خویشکی پشاور (۶)۔

۲۹۸) محبّ اللہ اخندزادہ ساکن بڈھ بیر پشاور (۷)۔

۲۹۹) عبدالمجید اخندزادہ ساکن ترکی مردان (۸)۔

۳۰۰) قدرت اللہ اخندزادہ، مردان (۹)۔

۳۰۱) غلام یحییٰ ساکن برہ زائے پشاور (۱۰)۔

۳۰۲) سید محسن شاہ ساکن ارمڑ پایاں، پشاور (۱۱)۔

۳۰۳) لعل خان اخندزادہ ساکن بازید خیل (۱۲)۔

۳۰۴) گل احمد اخندزادہ ساکن سلیم خان مردان (۱۳)۔

۳۰۵) حضرت شاہ صاحبزادہ ساکن طورو مردان (۱۴)۔

۳۰۶) اسماعیل اخندزادہ، ساکن تنگی پشاور (۱۵)۔

۳۰۷) صبغت اللہ اخندزادہ ساکن نوشہرہ، پشاور (۱۶)۔

۳۰۸) قاضی غضنفر ساکن سپین خاک پشاور (۱۷)۔

۳۰۹) محمد شریف اخندزادہ خلف ملا صاحب توغ ضلع کوہاٹ (۱۸)۔

---

(۱) تا (۱۸) ان کے نام بھی اسی رسالہ ''اشارۃ بالسبابۃ'' پر آئے ہیں۔

۳۱۰) مولوی عبداللطیف اخندزادہ ساکن کالاخان بونیر (سوات) (۱)۔

۳۱۱) مولوی جمعہ خان ساکن ہزارخوانی، پشاور (۲)۔

۳۱۲) امان اللہ اخندزادہ ساکن کوٹ گھڑی، مردان (۳)۔

۳۱۳) پیر حسن مشہور بہ ''ملا صاحب'' چغرزئی بونیر (سوات) (۴)۔

۳۱۴) ملا حفیظ اللہ ساکن نوشہرہ، پشاور (۵)۔

۳۱۵) عبدالرحیم اخندزادہ صاحب ساکن خویشکی پشاور (۶)۔

۳۱۶) محمد حسین صاحبزادہ حسن ساکن طورو، مردان (۷)۔

۳۱۷) حجۃ اللہ اخندزادہ ساکن اضاخیل بالا، پشاور (۸)۔

۳۱۸) محمود اخندزادہ ساکن مانیری، مردان (۹)۔

۳۱۹) عبدالقیوم اخندزادہ ساکن جلالہ، مردان (۱۰)۔

۳۲۰) عبدالرحیم صاحبزادہ ساکن ننگرہار حال متوطن قریہ مریم زئی پشاور (۱۱)۔

۳۲۱) حافظ عبدالرحیم امام مسجد مانکی صاحب، پشاور (۱۲)۔

۳۲۲) سیف اللہ اخوندزادہ ساکن کاٹلنگ مردان (۱۳)۔

۳۲۳) صاحبزادہ ابراہیم ساکن طورو، مردان (۱۴)۔

۳۲۴) سید احمد صاحب مشہور بہ ''شیخ صاحب'' شکرپور، پشاور (۱۵)۔

---

(۱) تا (۱۵) ان حضرات کے نام بھی اسی قلمی رسالہ پر موجود ہیں، جن کی نقل سید عبدالحلیم اثر افغانی صاحب کی وساطت سے موصول ہوئی ہے۔

۳۲۵) وحید گل اخندزادہ ساکن سپین خاک، پشاور (۱)۔

۳۲۶) محمود اخندزادہ ساکن جبلی، صوابی، مردان (۲)۔

۳۲۷) مولوی اسماعیل اخندزادہ ساکن کالوخان مردان (۳)۔

۳۲۸) رحمت اللہ اخندزادہ ساکن یار حسین، مردان (۴)۔

۳۲۹) سلطان محمود اخندزادہ ساکن شاہ منصور، مردان (۵)۔

۳۳۰) احمد جان اخندزادہ ساکن جلالہ، مردان (۶)۔

۳۳۱) محمد امین ساکن بانڈہ، اضاخیل، تحصیل نوشہرہ پشاور (۷)۔

---

(۱) تا (۷) ان کی فہرست بھی مولانا عبدالحلیم اثر نے رسالہ ''اشارۃ بالسبابۃ'' سے نقل کر کے بھجوائی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۷) ''مولوی محمد امین اخندزادہ نے قرآن مجید کا جو پشتو ترجمہ کیا ہوا ہے اور پشتو زبان میں خواص سورۃ ہائے قرآن کے نام سے جو کتاب تالیف کی ہے، وہ قابل قدر ہے، جس میں تجوید کے مسائل بھی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک عالم نے کوئی نہ کوئی تالیف اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ مجموعی طور پر یہ لوگ ۱۳۰۰ھ کے طبقہ علماء فقہ میں سے شمار کئے جا سکتے ہیں، جن کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے بھی ہے''۔

(مکتوب بنام من ۲۳ مئی ۱۹۷۶ء)

۳۳۲) مولوی صاحب چارسدہ پشاور(۱)۔

۳۳۳) حضرت شاہ اخوندزادہ ساکن خزانہ پشاور(۲)۔

۳۳۴) مولوی صاحب عبداللہ ساکن نوشہرہ، پشاور(۳)۔

۳۳۵) قاضی القضاۃ سوات مولانا فضل الٰہی صاحب ساکن انگروڈیری سوام ۱۲۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء(۴)۔

۳۳۶) ملا محمد سعید پشاوری(۵)۔

۳۳۷) مولانا عبدالحنان ہزاروی(۶)۔

۳۳۸) مولوی نور جمال ہزاروی نے بڑے سائز کے ۱۸۰ صفحات پر فارسی نظم میں سخی محمد خان زمان خان والئی ریاست ''امب'' دربند ہزارہ کی سوانح حیات رقم کئے ہیں(۷)۔

---

(۱) تا (۳) ان کی فہرست بھی مولانا عبدالحلیم صاحب اثر نے رسالہ ''اشارۃ بالسبابۃ'' سے نقل کر کے بھجوائی ہے۔

(۴) ماہنامہ ''الحق''، اکوڑہ خٹک پشاور، نومبر، دسمبر ۱۹۷۵ء، ص:۵۷۔

(۵) محمد ابراہیم میر، مولانا، سیالکوٹی: تاریخ اہل حدیث، لاہور ۱۹۵۳ء، ص:۴۲۶ پر سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں نام آیا ہے۔

(۶) محدث کفایت اللہ، دہلوی: النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص: ۲۳ پر تائیدی دستخط ہیں۔

(۷) یہ قلمی کتاب قاضی صبغۃ اللہ صاحب فضلی ساکن شیر گڑھ، اوگی ہزارہ کے کتب خانہ میں ہے۔ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ایک اچھے عالم اور قادرالکلام شاعر تھے۔

۳۳۹) ملا محمد عارف الپشاوری(۱)۔

۳۴۰) حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب چکیسری (سواتی) شہید بمبئی۔ حضرت خواجہ سراج الدین کے خلفاء میں کثرت سے علماء شریک تھے۔

۳۴۱) مولانا فضل کریم کڑی شموزئی (ڈیرہ اسماعیل خان)(۲)۔

۳۴۲) مولانا مفتی احمد یار صاحب، ڈیرہ اسماعیل خان(۳)۔

۳۴۳) مولوی محمد عرفان صاحب ہزاروی(۴)۔

۳۴۴) مولوی محمد حامد صاحب مدرس کالج، پشاور(۵)۔

---

(۱) سید عبدالحئی: نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۶۰، فضل حسین بہاری کے اساتذہ میں نام آیا ہے۔

(۲) مدرار اللہ: تجلیات صدیقی، کراچی ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص:۴۵۱۔

(۳) مولانا حسین علی: فیوضات حسینی المعروف بہ ''تحفۂ ابراہیمیہ'' لاہور ۱۳۸۷ھ، ص:۱۹۔ (مقدمہ از مولانا عبدالحمید)۔

(۴)، (۵) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل، کراچی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، القادر ناشران کتب اسلامی، ص:۲۳۴۔ (مولانا خلیل احمد کے مشہور تلامذہ مدرسین میں)۔

اسمائے گرامی مشاہیر علمائے سرحد
باعتبار سنین وفات
کل تعداد ۱۹۳

اسمائے گرامی مشاہیر علمائے سرحد باعتبار سنین وفات

۱۸۵۷ء............۱۹۷۷ء

نام	تاریخ وفات	صفحہ
۱۔فیض اللہ قریشی، مولانا، ہزاروی	۱۸۵۹ء	۶۰۶
۲۔شاہ محمد ادریس، فاروقی، مولانا، پشاوری	۱۸۵۹ء	۲۵۵
۳۔مردان شاہ میاں، مولانا، کاکاخیل، پشاوری	۱۸۷۲ء	۲۷۱
۴۔عبدالرؤف، صاحبزادہ، مولانا، مردانی	۱۸۷۳ء	۲۷۳
۵۔محمد محمود عثمانی، مولانا، ہزاروی	۱۸۷۶ء	۲۷۵
۶۔عبدالغفور اخوند صاحب، سوات	۱۸۷۷ء	۲۷۶
۷۔محمد حسین، مولانا، داتوی، ہزاروی	۱۸۷۹ء	۵۱۸
۸۔محمد حسن، قاضی، مولانا، خانپوری، ہزاروی	۱۸۸۴ء	۱۲۷
۹۔عبدالکریم، مولانا، ہزاروی	۱۸۸۵ء	۲۷۷
۱۰۔فضل الرحمٰن، مولانا، ہزاروی	۱۸۸۵ء	۵۲۰
۱۱۔حسیب گل، میاں، مولانا، پشاوری	۱۸۸۸ء	۵۲۱
۱۲۔نواب خاں، ملا، پشاوری	۱۸۹۱ء	۲۷۹
۱۳۔طلا محمد، مولانا، پشاوری	۱۸۹۳ء	۱۳۰
۱۴۔محمد عثمان، مولانا، دامانی، نقشبندی، ڈیروی	۱۸۹۷ء	۲۸۱
۱۵۔مہر علی، مولانا، ہزاروی	۱۸۹۹ء	۵۲۳
۱۶۔عبدالقادر، مولانا، قاضی، ہزاروی	۱۸۹۹ء	۶۰۸

۵۵۔عبدالاحد قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۲۸ء	۱۵۳
۵۶۔محمد قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۲۹ء	۱۶۱
۵۷۔عبدالقادر، قاضی، ہزاروی	۱۹۳۰ء	۵۴۰
۵۸۔عمرالدین، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۱ء	۳۳۱
۵۹۔غلام نبی، مولانا، قاضی، ہزاروی	۱۹۳۱ء	۲۶۳
۶۰۔عبدالحکیم، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۲ء	۵۴۳
۶۱۔یوسف حسین، قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۳ء	۱۶۶
۶۲۔سید ریحان گل قریشی، مولانا، پشاوری	۱۹۳۳ء	۱۶۴
۶۳۔محمد ہمایوں، قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۳ء	۵۴۶
۶۴۔عبداللہ قطب شاہ عباسی، مولانا، مردانی	۱۹۳۴ء	۳۳۳
۶۵۔غلام حیدر، سید، پشاوری	۱۹۳۴ء	۵۴۷
۶۶۔عبدالعزیز عثمانی، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۵ء	۱۸۵
۶۷۔میر احمد، قاضی رضوانی، مولانا، پشاوری	۱۹۳۵ء	۶۲۲
۶۸۔محمود الحسن، مولانا، مردانی	۱۹۳۵ء	۵۴۹
۶۹۔میر احمد قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۶ء	۶۲۵
۷۰۔منہاج الدین، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۶ء	۳۳۹
۷۱۔حنیف اللہ، قاضی، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۷ء	۳۴۱
۷۲۔عبدالرحمٰن، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۸ء	۵۵۰
۷۳۔محمد عرفان، مولانا، پکھوالی ہزاروی	۱۹۳۹ء	۳۴۳

۷۴۔محمد قاسم، مولانا، ہزاروی	۱۹۳۹ء	۵۵۲
۷۵۔محمد اسماعیل، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۰ء	۳۵۹
۷۶۔عبداللہ پٹھوار، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۰ء	۳۶۰
۷۷۔خلیل الرحمٰن، مولانا، مردانی	۱۹۴۰ء	۵۵۳
۷۸۔جمال الدین حافظ، مولانا، پشاوری	۱۹۴۱ء	۵۵۴
۷۹۔احمد شیر، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۲ء	۳۶۲
۸۰۔عثمان شاہ محدث، سید، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۲ء	۱۸۹
۸۱۔فضل الحق، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۲ء	۳۶۴
۸۲۔محمد اشرف، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۲ء	۳۶۵
۸۳۔حمید الدین، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۳ء	۳۶۷
۸۴۔محمد رمضان، محدث، پشاوری	۱۹۴۳ء	۱۹۳
۸۵۔مفتاح الدین، محدث، سواتی	۱۹۴۳ء	۱۹۱
۷۶۔محمد حسین، حاجی، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۴ء	۵۵۵
۸۷۔احمد جی، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۴ء	۵۵۶
۸۸۔سکندر علی، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۴ء	۳۷۴
۸۹۔عبدالرحیم، پوپلزئی، مفتی، پشاوری	۱۹۴۴ء	۳۷۰
۹۰۔عبدالسلام سلیم، مولانا، قاضی، ہزاروی	۱۹۴۶ء	۳۸۲
۹۱۔برہان الدین، مولانا، ہزاروی	۱۹۴۶ء	۵۵۷
۹۲۔عبداللہ فضلی، پشاوری	۱۹۴۶ء	۳۷۶

۹۳۔مضیئ الدین،مولانا،پشاوری	۱۹۴۶ء	۳۷۸
۹۴۔عبدالجمیل،مولانا،مردانی	۱۹۴۶ء	۳۸۰
۹۵۔محمد بن عبداللہ،محدث،ہزاروی	۱۹۴۷ء	۱۹۵
۹۶۔محمد زمان قریشی،مولانا،ہزاروی	۱۹۴۷ء	۵۵۹
۹۷۔عبدالرحمٰن،مولانا،ہزاروی	۱۹۴۷ء	۳۸۴
۹۸۔احمد جان،مولانا،ہزاروی	۱۹۴۷ء	۳۸۷
۹۹۔حبیب الرحمٰن،حکیم،مولانا،پشاوری	۱۹۴۷ء	۶۳۰
۱۰۰۔فضل الحق،مولانا،ہزاروی	۱۹۴۹ء	۳۶۴
۱۰۱۔حبیب اللہ،مولانا،مردانی	۱۹۴۹ء	۳۸۹
۱۰۲۔نقیب احمد،مولانا،دیروی	۱۹۴۹ء	۳۹۱
۱۰۳۔عبدالجلیل،مولانا،پشاوری	۱۹۴۹ء	۵۶۱
۱۰۴۔سیف الرحمٰن،محدث،پشاوری	۱۹۵۰ء	۱۹۸
۱۰۵۔عبدالرحیم،حافظ،مولانا،ڈیروی	۱۹۵۰ء	۶۳۷
۱۰۶۔سید احمد،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۰ء	۲۰۸
۱۰۷۔عبدالعزیز خان،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۰ء	۵۶۵
۱۰۸۔محمد حسین،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۱ء	۴۰۲
۱۰۹۔عبدالرحیم،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۱ء	۵۶۹
۱۱۰۔فریدالدین،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۱ء	۵۶۷
۱۱۱۔محمد ابراہیم،مولانا،سواتی	۱۹۵۱ء	۴۰۰

۱۱۲۔حیدر زماں صدیقی،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۲ء	۶۴۴
۱۱۳۔عبدالودود،مولانا،مردانی	۱۹۵۲ء	۴۰۴
۱۱۴۔عبداللطیف،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۳ء	۵۷۱
۱۱۵۔محمد اسرائیل،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۳ء	۵۷۲
۱۱۶۔عبدالغنی،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۳ء	۵۷۴
۱۱۷۔غلام یحییٰ،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۳ء	۴۰۶
۱۱۸۔عبداللطیف،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۳ء	۵۷۱
۱۱۹۔احمد سعید،مولانا،کوھاٹی	۱۹۵۳ء	۲۱۱
۱۲۰۔ناصرالدین،مولانا،نوشہروی،پشاوری	۱۹۵۵ء	۵۷۶
۱۲۱۔عبدالقادر محدث،پشاوری	۱۹۵۵ء	۲۱۲
۱۲۲۔عبدالجبار،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۵ء	۵۷۹
۱۲۳۔غلام جیلانی،قاضی،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۵ء	۵۷۸
۱۲۴۔عبدالصادق،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۶ء	۵۸۱
۱۲۵۔فضل ربی،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۷ء	۴۲۲
۱۲۶۔عبدالغفور،مولانا،سواتی	۱۹۵۷ء	۵۸۲
۱۲۷۔عبدالسبحان،مولانا،کھلابٹی،ہزاروی	۱۹۵۸ء	۴۳۳
۱۲۸۔خلیل الرحمٰن خان،ملا،ہزاروی	۱۹۵۸ء	۴۲۹
۱۲۹۔علی احمد جان،مولانا،حافظ،پشاوری	۱۹۵۸ء	۴۳۱
۱۳۰۔سخی شاہ،مولانا،ہزاروی	۱۹۵۹ء	۵۸۳

ضمیمہ

تعداد مشاہیر علمائے سرحد ضلع وار فنی لحاظ سے

نام ضلع	محدثین	مفسرین	فقہاء	فنون الف	فنون ب	مصنفین فقط	میزان
ہزارہ	۱۲	۱	۵	۵۰	۳۱	۷	۱۰۶
پشاور	۱۱	۴	۱	۱۸	۱۲	۲	۴۸
مردان	۱	۱	۱	۹	۴	۰	۱۶
سوات	۲	۰	۰	۱	۳	۱	۷
کوہاٹ	۳	۰	۰	۰	۰	۰	۳
بنوں	۱	۰	۰	۲	۰	۰	۲
دیر	۰	۰	۱	۱	۰	۰	۲
ڈیرہ اسماعیل خان	۰	۰	۱	۴	۱	۲	۸

تعداد مشاہیر علمائے سرحد ضلع وار

۱	ضلع ہزارہ	۱۰۶
۲	ضلع پشاور	۴۸
۳	ضلع مردان	۱۶
۴	ضلع ڈیرہ اسماعیل خان	۸
۵	ضلع سوات	۷
۶	ضلع بنوں	۳
۷	ضلع کوہاٹ	۳
۸	ضلع دیر	۲

کل تعداد: ۱۹۳

تعداد مشاہیر علمائے سرحد باعتبار فن

۱	محدثین	۳۰
۲	مفسرین	۶
۳	فقہاء	۹
۴	فنون الف	۸۵
۵	فنون ب	۵۱
۶	مصنفین فقط	۱۲
		کل میزان: ۱۹۳

ضمیمہ (ص: ۷۰۳......۷۳۲)

مولانا محمد حلیم بنوی (شیخ الحدیث معراج العلوم بنوں)

۱۹۰۵ء......۱۹۷۶ء

آپ ۱۹۰۵ء کو ''خواجہ مد منڈاں'' ضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا نسیم الدین ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ لیا اور مولانا عجب نور بنوی سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ دورۂ حدیث مولانا فخر الدین مراد آبادی سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد نواب عاشق علی خان کے قائم کردہ دینی مدرسہ ''سنبھل'' میں تدریس پہ مامور ہوئے اور ۱۹۳۵ء تک پڑھاتے رہے۔

واپس وطن آ کر اپنے گاؤں میں مدرسہ ''شمس العلوم'' کی بنیاد رکھی۔ تین سال تک اس میں پڑھاتے رہے۔ آپ اس مدرسہ میں تدریس کر رہے تھے کہ آپ کے استاذ مولانا محمد عجب نور نے ''معراج العلوم'' کے نام سے بنوں شہر میں عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور آپ کو برائے تدریس یہاں بلالیا۔ پہلے فنون کی اور آخر میں کتب حدیث زیر درس رہیں۔ آپ تقریباً ۲۵ سال تک دورۂ حدیث پڑھاتے رہے۔ تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔

تصانیف

تصانیف میں زرادی کی شرح اور چغمنی کی شرح قابل ذکر ہیں۔ غیر مطبوع ہیں(۱)۔

وصال

۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''مولانا محمد عجب نور صاحب مراد آباد اور مولانا محمد حلیم صاحب سنبھل میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہ دونوں بزرگ بنوں تشریف لے آئے۔ مولانا محمد عجب نور صاحب نے اپنے تلامذہ خاص مولانا محمد اکبر صاحب، مولانا فضل غنی صاحب اور مولانا صدر الشہید صاحب کی مدد سے بنوں شہر میں مدرسہ معراج العلوم کی بنیاد رکھی اور مولانا محمد حلیم صاحب نے بنوں شہر سے جنوب کی طرف دو میل دور موضع خواجہ مد علاقہ منڈان میں مدرسہ شمس العلوم کی داغ بیل ڈالی۔ بعد ازاں وہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد رحمٰن صاحب کو بھی ساتھ لے کر معراج العلوم میں آئے اور اس طرح سے معراج العلوم نہ صرف بنوں، بلکہ صوبۂ سرحد میں علوم وفنون کی وہ ممتاز دینی درسگاہ بنی، جس سے پاکستان بشمول قبائلی علاقہ جات وافغانستان تک کے شائقین علوم دینیہ اپنی علمی

(۱) قاری فیوض الرحمٰن: مولانا محمد حلیم، قوم (ہفت روزہ) پشاور ۲۵ اپریل ۱۹۷۳ء۔

تشنگی بجھاتے رہے۔

دیوبندی طرز فکر وعمل کی اساس پر قائم اس ادارے کا انتظام وانصرام مولانا محمد عجب نور صاحب کے ہاتھ میں تھا اور مولانا محمد حلیم صاحب تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے تھے۔ مولانا محمد عجب نور صاحب کی وفات کے بعد یہ ادارہ مولانا مفتی محمد حلیم صاحب کی زیر سرپرستی اور مولانا صدر الشہید صاحب کے زیر اہتمام اپنے تخلیقی مقاصد کو بہ حسن وخوبی پورا کرتا رہا...... مولانا محمد عجب نور صاحب کے وصال کے بعد اہل بنوں ۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ایک اور سانحہ سے دوچار ہوئے، یہ سانحہ عظمیٰ مولانا محمد حلیم صاحب کی وفات حسرت آیات کا تھا، جس سے ضلع بنوں کی پوری آبادی مختل الحواس اور اس کا چپہ چپہ متاثر ہوا۔ بلاشبہ ان کی زندگی اہل بنوں کے لئے نزول رحمت وبرکات کا سبب تھی جس سے محرومی پر وہاں کا ذرہ ذرہ مغموم وماتم کناں اور تسلیہ وتعزیہ کا مستحق ہے''(۱)۔

صوفیانہ مسلک

بیعت کا تعلق مولانا نصیر الدین غورغشتوی کیمبلپوری سے تھا۔

(۱) مولوی الطاف الرحمٰن بنوی: مولانا مفتی محمد حلیم کی وفات، خدام الدین، لاہور ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء، ص:۶۔

اولاد

اولاد نرینہ میں چار فرزند مولوی عبدالصمد، مولوی محمد سلیم، مولوی حافظ مومن اور عبدالسلام ہیں(۱)۔

قاری حضرت گل لکھتے ہیں:

''۱۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کا دن ضلع بنوں کے عوام وخواص اور علماء کے لئے ایک دردناک اور غمناک دن ثابت ہوا، کیونکہ اس دن علم وحلم اور افتاء کے عظیم فرزند شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد حلیم صاحب ان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے اور ضلع بنوں کے عوام اور علماء کو یتیم چھوڑ گئے۔

آپ کی وفات سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کو پر نہیں کیا جاسکتا...... آپ نے تقریباً ۲۵ سال مدرسہ معراج العلوم بنوں میں بحیثیت شیخ الحدیث اور مفتی فرائض انجام دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ بنوں کی سب سے بڑی مسجد جعفر خان میں روزانہ درس حدیث اور درس قرآن دیا کرتے تھے۔ وفات سے دو دن پہلے آپ نے آخری درس دیا تھا۔

آپ نے ۴۶ سال تک دین اسلام کی خدمت کی۔ آپ کی وفات سے علم کا ایک باب ختم ہوگیا...... آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے...... آپ کی نماز جنازہ کے فرائض مولانا عبدالحق صاحب آف اخوند نے

(۱) قاری فیوض الرحمٰن: مولانا محمد حلیم، قوم پشاور، ۲۵ اپریل ۱۹۷۳ء۔

انجام دیئے۔نماز جنازہ میں بھی ہزار سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔اتنا عظیم جنازہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود آپ کے لواحقین سے تعزیت کے لئے ان کے گاؤں گئے اوران سے ہمدردی کا اظہار کیا اورمولانا کی قبر پر فاتحہ پڑھی......اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے،آمین‘‘(۱)۔

(۱) قاری حضرت گل: حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد حلیم صاحب: البلاغ، کراچی، مارچ ۱۹۷۷ء،ص:۵۷،۵۸۔

مولانا عبدالرزاق عباسی ہزاروی

۱۹۲۸ء............۱۹۷۶ء

آپ ۱۹۲۸ء کو’’جدباء‘‘ ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔والد صاحب کا نام محمد معصوم ہے، جو مولانا عبدالغفور عباسی مدنی کے بڑے بھائی اور جید عالم تھے۔

ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا سلطان محمود اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔دوران تعلیم قیام مسجد سبیل نواب گنج دہلی میں رہا۔

فراغت کے بعد مسجد سبیل میں امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔یہ سلسلہ جاری تھا کہ قیام پاکستان کے باعث وطن واپس آگئے۔۱۹۵۷ء میں مسجد غفوری سولجر بازار کراچی کے خطیب مقرر ہوئے اور وفات تک خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ/۸ مئی ۱۹۷۶ء کو وصال ہوا۔

آپ کے بارے میں مولانا سمیع الحق لکھتے ہیں کہ

’’۸مئی بروز ہفتہ ۱۹۷۶ء رات دس بجے کراچی میں حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب العباسی خطیب جامع مسجد غفوری کراچی کا انتقال ہوا۔موصوف

مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالغفور العباسی مرحوم مہاجر مدینہ طیبہ کے بھتیجے تھے اور عالم وفاضل شخص۔ادارہ ''الحق'' مولانا موصوف کے تمام خاندان کا شریک غم ہے اور مرحوم کے رفع درجات کا متمنی ہے۔قارئین سے دعا کی اپیل ہے''(۱)۔

مولانا محمد شفیق ہزاروی لکھتے ہیں کہ

''احقر کے حقیقی ماموں حضرت مولانا عبدالرزاق عباسی صاحب خطیب جامع مسجد غفوریہ کراچی، مؤرخہ ۸ مئی ۱۹۷۶ء بروز ہفتہ وفات پا گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔تمام احباب اور قارئین سے درخواست ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں''(۲)۔

صوفیانہ مسلک

مولانا نصیر الدین غورغشتوی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اسباق سلوک کی تکمیل اپنے چچا مولانا عبدالغفور مدنی سے کی، مگر مجاز نہ تھے۔

اولاد

اولاد میں تین فرزند مولوی شمس الرحمٰن، مولوی حافظ مستفیض الرحمٰن اور خلیل الرحمٰن ہیں(۳)۔

(۱) مولانا سمیع الحق: الحق، اکوڑہ خٹک (پشاور) ماہ جون ۱۹۷۶ء، ص:۳۰۔

(۲) مولانا محمد شفیق ہزاروی: البلاغ، کراچی، جون ۱۹۷۶ء، ص:۴۱۔(خطیب جامع فردوسیہ گولیمار کراچی)۔

(۳) محمد شفیق عباسی: مکتوب، کراچی ۲ فروری ۱۹۷۷ء، ص:۲۔

مولانا احمد حسن سواتی (۱)

۱۹۱۰ء............۱۹۷۵ء

آپ ''تیلیگرام'' نزد چہار باغ سوات میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مساجد میں پائی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد ''چرخی وال'' دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کی وجہ سے واپس سوات آ گئے۔کچھ عرصہ ''ودودیہ ہائی سکول'' میں پڑھاتے رہے۔

آخر میں ''دارالعلوم سیدو شریف'' میں تدریس پہ مامور ہوئے اور آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔عربی ادب اور تفسیر میں خاص مہارت تھی۔

وصال: ۱۹۷۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند فضل اللہ، عبید اللہ اور اسد اللہ اور دو بچیاں ہیں۔

تراجم: نظامی عروضی کے چہار مقالہ کا اردو ترجمہ مع دیباچہ، نظیری کے چند قصائد کا اردو ترجمہ، عرفی کے شامل نصاب قصائد (برائے منشی فاضل اور ایم اے) کا اردو ترجمہ دہلی کے قیام کے دوران کیا، جو اسی دوران شائع ہوئے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے شاگرد ڈاکٹر سید قیوم سواتی پرنسپل گورنمنٹ کالج حویلیاں ہزارہ سے لیا گیا۔

مولانا محمد عثمان ہزاروی (۱)

صدر مدرس فرقانیہ مدنیہ، پنڈی

آپ ۱۹۲۸ء کو محمد عمر بن قاسم کے گھر ''ماڑی'' علاقہ ٹکری تحصیل بٹگرام ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے رامپور میں داخلہ لیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۹۴۹ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی (۲)۔

فراغت دیوبند کے بعد مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں علامہ سید محمد یوسف بنوری سے استفادہ کیا۔

تدریسی خدمات

فراغت علوم کے بعد ''میرے شاہ'' صادق آباد رحیم یار خان کے مدرسہ میں دوسال تدریس کی پھر مدرسہ فرقانیہ مدنیہ کوہاٹی بازار راولپنڈی میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا اور آخری وقت تک وہاں کتب حدیث بھی زیر

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بڑے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن فاضل دیوبند سے لیا گیا۔

(۲) فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی) ص:۹۔

درس رہیں۔

وصال

یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ/ ۱۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو بروز اتوار آپ کا وصال ہوا اور اپنے گاؤں میں تدفین ہوئی۔

خبر انتقال میں یوں لکھا گیا ہے کہ

''مولانا محمد عثمان.......... صدر مدرس مدرسہ فرقانیہ کرتار پورہ اور خطیب مسجد المظفر سیٹلائٹ ٹاؤن کل اپنے آبائی گاؤں ٹکری ہزارہ میں وفات پاگئے۔ مرحوم کا جنازہ کل دس بجے صبح موضع ٹکری سے اٹھایا جائے گا'' (۱)۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ

''مولانا مرحوم جید عالم اور کہنہ مشق مدرس تھے۔ ان کی وفات علمی اور جماعتی حلقوں کے لئے بے حد صدمہ کا باعث ہے'' (۲)۔

اور بھی کئی رسائل میں تعزیتی نوٹ شائع ہوئے (۳)۔

(۱) تعمیر: روزنامہ راولپنڈی بابت ۲۵ جولائی ۱۹۷۱ء (اخبار میں آپ کے گاؤں کا نام ''ککری'' غلط شائع ہوا۔ ککری ٹکری کی جگہ شائع ہوا، اور یہ بھی علاقہ کا نام ہے)۔

(۲) ترجمان اسلام، لاہور ہفت روزہ ۶، اگست ۱۹۷۱ء۔

(۳) بینات: ماہنامہ کراچی اداریہ۔ بقلم علامہ محمد یوسف بنوری، ص:۷، وانوار مدینہ، ماہنامہ لاہور بابت ستمبر ۱۹۷۱ء، اداریہ بقلم مولانا سید حامد میاں صاحب، ص:۲۔

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی (۱)

م ۱۹۵۲ء

آپ ''میر پور'' ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد دین علاقہ کے مشہور مدرس علماء میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مسجد خیر دین امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ درس نظامی کی جو کتابیں رہ گئی تھیں، ان کی تکمیل کر کے چوتھے سال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ علم طب کی تکمیل بھی دارالعلوم میں کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد سہارنپور میں چند سال تدریس کی، پھر خیر المدارس جالندھر میں پانچ سال، چوہدری اللہ داد کے عربی مدرسہ جہانیاں منڈی ملتان میں چند سال، میر پور، مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں چند سال اور تعلیم القرآن کوہاٹ میں چند سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر میں خیر المدارس ملتان میں تدریس کر رہے تھے کہ اس دوران ۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔

اولاد: اولاد میں دو دختران اور چار فرزند حبیب الرحمٰن مرحوم، کرنل محمد عثمان، حامد رحمان اور خلیل الرحمٰن چھوڑے۔

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے بھائی زین العابدین صاحب سے ۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہری پور جا کر لیا گیا۔ فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں آپ کا نام نہیں ہے۔

مولانا محمد دین ہزاروی (۱)

م ۱۹۲۲ء

آپ ''میر پور'' (۲) ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام محمد حیات اور دادا صاحب کا نام محمد عبداللہ بن میاں مرحوم تھا۔

ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی، پھر ''انہی'' ضلع گجرات کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا رخ کیا اور وہیں سے تکمیل کر کے واپس آئے (۳)۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد وطن واپس آ کر تدریس کا آغاز کیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں آخر وقت تک پڑھاتے رہے۔ چالیس پچاس کے قریب طلبہ ہمیشہ آپ سے پڑھتے رہے۔

ہری پور چوک کی مسجد میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

''حکیم محمد عبدالسلام ہری پور سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میر پور

(۱) آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد آپ کے پوتے میجر طارق، ایم اے سے لیا گیا۔

(۲) میر پور، ہری پور سے تین میل کے فاصلہ پر جانب شرق واقع ہے۔

(۳) یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے کس مدرسہ سے کس سال فراغت پائی۔

میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد دین جید عالم اور مجاہد صفت بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی''(۱)۔

وفات

۱۹۲۲ء کو آپ نے وفات پائی اور ''میر پور'' کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد

اولاد میں دو لڑکیاں اور چھ فرزند مولوی عبدالرحمٰن، مولوی عبداللطیف، مولوی عزیز الرحمٰن، مولوی حکیم عبدالسلام، مولوی زین العابدین اور میجر غلام محیی الدین (ریٹائرڈ) ہیں، جن میں مؤخر الذکر دو حضرات کے علاوہ باقی چار فوت ہو چکے ہیں۔

---

(۱) عتیق الرحمٰن صدیقی: حکیم محمد عبدالسلام، ترجمان اسلام، لاہور ۲۶ فروری ۱۹۷۷ء، ص: ۱۵۔

مولانا غلام حسین بنوی

م ۱۳۴۱ھ/ستمبر ۱۹۲۲ء

مولانا حکیم عبدالحئیؒ لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم الفقيه غلام حسين بن الشيخ بن محمد بن الشيخ إبراهيم الحنفي العيسى خيلي ثم الكانپوري أحد المشائخ النقشبندية (ولد ب"عيسى خيل" من أعمال بنوں في الحدود الشمالية الغربية، وقرأ الصرف والنحو ومبادئ العلوم في بلده على الشيخ ولايت وسافر إلى سهارنپور لطلب العلم راجلا ثم ركب القطار إلى كانفور) وقرأ الكتب الدرسية على مولانا أحمد حسن الكانفوري (وقرأ فاتحة الفراغ سنة ثمان وثلاث مائة وألف) ولازمه مدة طويلة ثم سكن بكانفور ودرس وأفاد زمانا طويلا في مسجد السيد محمد علي بن عبد أعلى الكانفوري ولما سار السيد المذكور إلى الحرمين الشريفين سار معه وحج وزار (وقرأ المثنوي على الشيخ الكبير إمداد الله المهاجر المكي درساً درساً) وقد كان سافر إلى موسى زئي وأخذ الطريقة عن الشيخ سراج الدين بن عثمان النقشبندي، ولازمه مدة حتى صار مجازاً عنه في الطريقة، فرجع إلى كانفور وتولى الشياخة بها وحصل له القبول العظيم من

أهل تلك البلدة (وكان يزور شيخنا فضل الرحمن الگنج مراد آبادي ويقيم عنده ويستفيد منه وقد أسند الحديث عنه. كان جامعا للعلوم، متميزا في النحو والفقه، اقتصر على التدريس وتربية المريدين، ولم يكن له اشتغال بالتاليف، توفي لأربع خلون من صفر سنة إحدى وأربعين وثلاث مائة وألف)" (۱).

اس تحریر سے یہ باتیں معلوم ہوئیں کہ آپ ''عیسیٰ خیل'' ضلع بنوں صوبۂ سرحد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم صرف، نحو ودیگر علوم مولانا ولایت مقامی عالم سے حاصل کی، پھر پا پیادہ سہارنپور پہنچے اور وہاں سے بذریعۂ ریل کانپور پہنچے۔ درسی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوری سے پڑھیں۔ ۱۳۰۸ھ میں سندالفراغ حاصل کی۔ ان کی خدمت میں ایک مدت رہے، پھر کانپور ہی میں تدریس شروع کردی۔ ایک عرصہ دراز تک مسجد سید محمد علی بن عبدالعلی کانپوری میں درس وافادہ کا سلسلہ جاری رہا، پھر جب سید مذکور حرمین شریفین جانے لگے، تو ان کے ساتھ چل پڑے۔ حج وزیارت کی۔ شیخ کبیر امداد اللہ مہاجر مکی سے مثنوی سبقاً سبقاً پڑھی اور موسیٰ زئی کا سفر کیا اور شیخ سراج الدین بن عثمان نقشبندی سے طریقت میں بیعت کی۔ ایک عرصہ ان کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ اجازت بیعت حاصل ہوئی، پھر کانپور آئے اور سلسلے کی ترویج شروع کردی۔

(۱) مولانا عبدالحئیؒ: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۳۴۶، ۳۴۷۔

اس شہر کے رہنے والوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہمارے شیخ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے ہاں بھی جایا کرتے تھے، وہاں ٹھہرا کرتے اور استفادہ کرتے تھے۔ ان سے بھی سند اجازۃ فی الحدیث حاصل کی۔ جامع عالم تھے۔ نحو اور فقہ میں امتیاز حاصل تھا۔ تدریس اور مریدین کی تربیت میں لگے رہے۔ تصنیف وتالیف کی طرف رغبت نہ تھی۔

۴ صفر ۱۳۴۱ھ کو وفات پائی۔

یہ بھی لکھا گیا ہے:

''حضرت مولانا غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ (۱): آپ بھی حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کے مشہور خلفاء میں سے تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں تبلیغ واشاعت دین کے لئے چن لیا تھا۔ کثیر تعداد میں ہندو اور سکھ آپ کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان نومسلم حضرات میں حفاظ کرام اور علمائے دین بھی بکثرت ہوئے۔ آپ نے قصبہ ''کروڑ'' میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور اپنے شیخ کی نسبت سے اس کا نام ''خانقاہ سراجیہ'' رکھا۔ آپ کی کرامات اور تصرفات بے شمار ہیں۔ بحمد اللہ آپ کے فیض کا سلسلہ جاری ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ''(۲)۔

---

(۱) صحیح نام غلام حسین ہے۔

(۲) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، لاہور، اکتوبر ۱۳۹۳ھ/اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص: ۴۷۔

مولانا حسین علی نقشبندی

آپ کے بارے میں مولانا حکیم عبدالحئ الحسنی لکھتے ہیں:

''الشيخ العالم الصالح حسين علی ابن الحافظ ميان محمد بن عبدالله الحنفي النقشبندي الواني أحد كبار المشائخ النقشبندية.

ولد بقرية ''وان بچھران'' من أعمال بنوں سنة ثلاث وثمانين ومأتين وألف، وقيل سنة خمس وثمانين ومأتين وألف ونشأ بها. وقرأ الكتب الدرسية من ميزان الصرف إلى حمد الله على أساتذة بلاده، ثم سافر إلى كانپور وقرأ سائر الكتب الدرسية على مولانا أحمد حسن الكانپوري معقولا ومنقولا (وقرأ الحديث على الإمام رشيد أحمد بن هدايت أحمد الگنگوهي، قرأ عليه الصحيحين وسنن الترمذي وسنن أبي داود، وقيد دروسه وتحقيقاته أثناء الدرس في دقة وإيجاز، وأحبه وآثر طريقته وعقيدته)، ثم رجع إلى بلاده ولازم الشيخ عثمان بن عبدالله النقشبندي، وأخذ عنه الطريقة ونال منه الإجازة ودرس عنده زماناً، قرأ عليه الشيخ سراج بن عثمان النقشبندي وخلق آخرون، ثم رجع إلى وطنه وتولى الشياخة بها.

(ومن مؤلفاته بلغة الحيران في ربط آيات الفرقان، وتفسير بے نظير، وتحريرات حديث، وتلخيص الطحاوي وتحفة إبراهيمية. توفي في شهر رجب سنة ثلاث وستين وثلاث مائة وألف)"(١).

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت العالم الصالح حسین علی بن حافظ میاں محمد بن عبداللہ حنفی نقشبندی الوانی کبار مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے۔

''واں بچھراں''، ضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔۱۲۸۳ھ میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ ۱۲۸۵ھ میں وہیں نشو ونما ہوئی۔ درس نظامی میزان الصرف سے حمد اللہ تک علاقہ کے علماء سے پڑھیں، پھر کانپور کا سفر کیا اور معقول ومنقول کی تمام درسی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوری سے پڑھیں۔

حدیث میں بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھیں۔ اثنائے درس میں ان کے اسباق اور تحقیقات کو نہایت محنت کے ساتھ اور اختصار کے ساتھ ضبط کیا، پھر وطن واپس آئے اور شیخ عثمان بن عبداللہ نقشبندی کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور ان سے خلافت حاصل کی۔ ان کے ہاں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ ان سے شیخ سراج بن عثمان نقشبندی کے علاوہ بہت سے لوگوں نے پڑھا ہے، پھر اپنے وطن آ کر طریقت کی نشر واشاعت میں لگ گئے۔

(۱) مولانا عبدالحئی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۱۲۱،۱۲۲،۱۲۳(اقتباس)۔

ان کی تالیفات میں بلغۃ الحیر ان ربط آیات الفرقان، تفسیر بے نظیر، تحریرات حدیث، تلخیص طحاوی اور تحفہ ابراہیمیہ ہیں۔ رجب ۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔

مولانا محبوب الٰہی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علوم عربیہ کے جید عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہما اللہ سے پڑھی۔ سلوک حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا اور خواجہ محمد سراج الدین قدس سرہ سے تکمیل کے بعد مجاز فی الطریقہ ہوئے۔ دیگر سلاسل طریقت میں بھی اجازتِ مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد عثمان کے مجموعہ ''فوائد عثمانی'' کی تصحیح فرمائی اوران پر حواشی بھی تحریر کئے۔ حواشی میں (ح) آپ کے نام حسین علی کی طرف اشارہ ہے۔ بہت سے سالکان طریق آپ سے مستفید ہوئے۔ درس قرآن وحدیث آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔ بڑی سختی سے بدعات مروجہ کی تردید کرتے تھے۔ ترویج سنت اور تبلیغ توحید میں ہمہ عمر سرگرم رہے''(۱)۔

(۱) مولانا محبوب الٰہی: تحفۂ سعدیہ، لاہور ۱۹۷۳ء، ص:۳۷،۴۷،
خواجہ عثمان سے بھی مجاز تھے۔

سجاد بخاری لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علی ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔۱۳۰۲ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوکر حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔۱۳۰۳ھ میں عارف ربانی حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوکر تفسیر پڑھی اور ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن صاحب سے کانپور میں منطق وفلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔

وطن واپس آنے کے فوراً بعد درس وتدریس کا سلسلہ جاری کردیا اور تقریباً ساٹھ برس تک پاک وہند کی سرزمین میں شمع ہدایت فروزاں کئے رہے۔ آخر چار دانگ عالم میں رشد وہدایت کی روشنی پھیلانے اور علوم ومعارف کا نور بکھیرنے کے بعد اپنے وقت کا وہ بہت بڑا محدث اور عظیم مصلح ۱۳۶۳ھ میں اپنے رب رحیم اور مولائے رؤف سے جاملا''(۱)۔

(۱) مولانا سجاد بخاری: مولانا حسین علی، تعلیم القرآن (ماہنامہ) راولپنڈی، ماہ نومبر ۱۹۶۵ء، وفیوضات حسینی، ص:۸۔

مولانا عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علی کو اللہ تعالیٰ نے بڑا وسیع علم عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً علم حدیث وتفسیر، فقہ، علم کلام اور تصوف وسلوک میں بڑی وسیع دستگاہ رکھتے تھے اور بڑی ٹھوس علمیت اور استعداد کے مالک تھے۔علم اسماء الرجال میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی۔

احادیث کی نقد وجرح میں کامل تھے اور مختلف احادیث کی تطبیق میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔قرآن مجید کے ترجمے اور مطالب کے بیان کرنے میں اور مضامین کے استحضار اور آیات اور سورتوں کا ربط بیان کرنے میں تو اپنی نظیر آپ تھے............آپ کو علم وعمل دونوں میں اللہ تعالیٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

علاوہ ازیں بہت ذاکر شاغل اور فنافی التوحید تھے۔ہم نے ایک مرتبہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی زبان مبارک سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ

''حضرت مولانا حسین علی کاملین میں سے تھے۔آپ قرآن کے عاشق تھے اور تو حیدان کا حال تھا''(۱)۔

(۱) مولانا عبدالحمید سواتی: فیوضات حسینی، لاہور ۱۳۸۷ھ، طبع دوم، ص:۱۲۔

تصانیف

۱......بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان (اردو): یہ قرآن کریم کی آیات کا باہم ربط بیان کرنے اور تفسیری نکات اور خاص خاص الفاظ کی تشریح اور مشکلات کے حل پر مشتمل ہے۔ اس کو اثنائے درس میں مولانا غلام اللہ خان اور مولانا نذیر حسین شاہ صاحب نے قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب تفسیر میں بہت عمدہ ہے۔

۲......تبیان فی تفسیر القرآن (اردو): قدیم نام تفسیر بے نظیر ہے۔ اس میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کا الگ الگ خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

۳......تلخیص الطحاوی (عربی): یہ امام طحاوی کی ''شرح معانی الآثار'' کی تلخیص ہے۔ اس کے تمام ابواب کا خلاصہ الگ الگ دیا گیا ہے۔ اس پر مولانا محمد مسلم عثمانی دیوبندی مرحوم کے حواشی بھی بعض بعض جگہ ہیں۔ نہایت ہی عمدہ کتاب ہے۔ اگر درس میں شامل کر لی جائے، تو تمام طحاوی کا ملخص نہایت ہی قلیل وقت میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۴......تحریرات حدیث (عربی): بڑے سائز کے ۲۵۸ صفحات کی کتاب ہے، جس میں احادیث کی شرح ہے جس کو ملتان کے مولوی رب نواز نے ۱۹۴۳ء میں طبع کرایا ہے۔ احادیث کے اشکالات اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے بڑی مفید کتاب ہے۔

۵......تقریر الجنجوھی علی صحیح البخاری (عربی): یہ بخاری شریف کی تقریر ہے۔ جملہ صفحات ۱۰۳ ہیں۔ حضرت گنگوہی نے بخاری شریف کے درس کے دوران جو علمی اور تحقیقی باتیں بیان فرمائیں، انہیں آپ نے عربی زبان میں ضبط کیا۔ یہ کتاب تدریس حدیث کرنے والوں کے لئے بہت مفید ہے۔

۶......تقریر الجنجوہی علی صحیح المسلم (عربی): صفحات ۶۸، حضرت گنگوہی کے افادات کو تعلیقات کی صورت میں آپ نے نہایت ایجاز سے جمع فرمایا ہے۔

۷......برہان التسلیم

۸......رسالہ خمسۃ اوسق

۹......رسالہ رفع سبابہ

۱۰......رسالہ ذبح فوق العقدۃ

۱۱......رسالہ جریدتین

۱۲......تحفۂ ابراہیمیہ (تصوف میں)

۱۳......عون المعبود علی سنن ابی داؤد

۱۴......خلاصۃ فتح القدیر

۱۵......حواشی فوائد عثمانی (۱)۔

---

(۱) مولانا عبدالحئی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء، ج:۸، ص:۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳ (اقتباس)۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری، شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن، کراچی (۱)

۱۹۰۸ء...... ۱۹۷۷ء

آپ حضرت مولانا سید محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بنوری کے گھر ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ/مئی ۱۹۰۸ء شب جمعرات بوقت سحر مہابت آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب، ماموں اور علاقہ کے علماء کے علاوہ کابل سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری (المتوفی ۱۳۴۰ھ)، مولانا عبدالقدیر قاضی القضاۃ جلال آباد کابل اور شیخ محمد صالح قیلنوی افغانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۴۶ھ میں اپنے اُستاذ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت چلے گئے اور وہاں ۱۳۴۷ھ میں ان سے اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر امتیاز سے سند حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ فراغت کے بعد ۱۳۴۷-۱۳۴۸ھ میں علامہ انور شاہ صاحب کی نگرانی میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سوات) میں تدریس کا آغاز کیا۔ اور آخر میں آپ اس ادارے کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔

(۱) آپ کا مفصل سوانحی تذکرہ ''سرحد کے ممتاز علمائے دین'' میں مطالعہ کیا جائے۔

۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے مصر، یونان، ترکی اور حجاز مقدس کا سفر کیا۔ اس سفر میں آپ نے بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے استفادہ کیا۔

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ کے ارباب حل وعقد کے شدید اصرار پر مسند شیخ کو چھوڑ کر جنوری ۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کے شیخ التفسیر اور اُستاذ الحدیث ہوکر تشریف لائے۔ تین سال کے بعد مستعفی ہوکر کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں سے حرمین کا سفر اختیار کیا۔ واپسی پہ ایک علمی ادارہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی ''نیوٹاؤن'' کراچی نمبر ۵ میں بنیاد رکھی۔ آپ اس ادارے کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ عربی زبان کے صاحب طرز ادیب ہیں۔ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے ہیں۔ نعت رسول پر آپ کے قصائد اس کے شاہد ہیں جو مصر کے علمی رسالے ''الاسلام'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

آپ اردو، پشتو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں کے ادیب اور شاعر ہیں۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ دمشق کی مجلس علمی کے رکن ہیں۔

تصنیفی خدمات

۱......عوارف المنن مقدمۃ معارف السنن (عربی) مصر سے شائع ہو رہا ہے۔

۲......معارف السنن شرح جامع الترمذی (عربی) جلد اول مطبوعہ ۲۰ شوال ۱۳۸۳ھ، بڑے سائز پر (۵۴۴ صفحات)۔

معارف السنن جلد دوم، صفحات: ۵۰۱۔

معارف السنن جلد سوم، ۳ رمضان ۱۳۸۶ھ ۵۴۴۔

معارف السنن جلد چہارم، ۱۳۸۸ھ، ۵۰۰ صفحات۔

معارف السنن جلد پنجم، ۱۳۸۹ھ، ۳۴۴ صفحات۔

معارف السنن جلد ششم، مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ۵۰۰ صفحات۔

آپ کی تصانیف میں سے بڑی تصنیف یہی ہے جو چھ جلدوں میں کوئی تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ عرب دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اہل علم اسے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، ابھی جاری ہے۔

۳...... بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب (عربی) آپ کی یہ کتاب ۱۹۳۸ء میں پہلی بار مصر سے شائع ہوئی۔

۴...... نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور (عربی) اپنے استاذ علامہ انور شاہ کشمیری کی سوانح ہے، جو ۱۹۳۵ھ میں دہلی سے شائع ہوئی۔

۵...... یتیمۃ البیان فی مشکلات القرآن، مطبوعہ دہلی۔

۶...... تسخیر کائنات اور اسلام۔

۷...... ختم نبوت۔

اور ان کے علاوہ جن کتابوں پر آپ نے مقدمے تحریر فرمائے ہیں، وہ بجائے خود ایک تصنیف ہیں۔ ان میں سے فیض الباری شرح بخاری، مطبوعہ مصر،

مقدمہ مشکلات القرآن، مقدمہ عبقات، مقدمہ عقیدۃ الاسلام بنزول عیسیٰ علیہ السلام مطبوعہ کراچی، مقدمۃ نصب الرایۃ لتخریج الھدایہ مطبوعہ قاہرہ، مقدمۃ مقالات الکوثری مطبوعہ قاہرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

صوفیانہ مسلک

آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ''مجاز صحبت'' ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''مولانا محمد یوسف بنوری عربی زبان کے مایۂ ناز فاضل ہیں۔ آپ نے کراچی میں ''مجلس علمی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا مقصد عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کی اشاعت ہے۔ یہ ادارہ اب تک کئی اہم اور مفید علمی خدمات انجام دے چکا ہے جس میں سے ایک ''نفحۃ العنبر'' کی اشاعت ہے۔ یہ کتاب اصل میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا مفصل اور جامع تذکرہ ہے جو مولانا محمد یوسف بنوری نے شستہ اور فصیح عربی زبان میں

مرتب کیا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے عربی دان عالم کا عربی زبان میں یہ سب سے پہلا اور ضخیم تذکرہ ہے''(۱)۔

مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''آپ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے علوم کے امین ہیں۔ جن کی ذات سے حضرت کے علوم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ علمی دنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ اور مقام ہے۔ ادبیت عربی وفارسی کی ادبی قوت بے مثال ہے۔ عربی زبان میں بے تکان اور بے تکلف بولتے ہیں جس میں برجستگی اور روانی ہوتی ہے۔ عربی تحریر اور انشاء پردازی میں ایک بے نظیر صاحبِ طرز ہیں۔ متعدد اعلیٰ کتب کے مصنف ہیں۔ ترمذی شریف کی نہایت ہی جامع اور بلیغ شرح لکھی ہے جس میں محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے کلام کیا گیا ہے۔ اس کی عربیت اور طرز ادا معیاری ہے اور ذخیرۂ معلومات بہت کافی ہے۔ اس سے تبحر اور تفقہ دونوں نمایاں ہیں۔ آپ نے مصر، بیروت، شام، حجاز، عراق اور افغانستان وغیرہ کے سفر کئے۔ مصر میں علماء دیوبند کا سب سے پہلے آپ ہی نے تعارف کرایا اور وہاں کے اخبارات ورسائل نے آپ کے بلیغ مضامین نہایت

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند (عربی ادب) ج:۲،ص:۴۱۹۔

شوق وذوق سے شائع کئے جس سے مصر وشام میں آپ کی علمیت کا چرچا ہی نہیں ہوا بلکہ دھاک بیٹھ گئی اور معیاری علماء کی مجلسوں میں آپ کو نہایت توقیر اور احترام کے ساتھ طلب کیا جانے لگا۔ علامہ طنطاوی مصری صاحبِ تفسیر طنطاوی پر آپ نے مصنف کے روبرو نقد وتبصرہ کیا جس سے خود مصنف متاثر ہوئے اور بہت سی تنقیدات کو انصاف پسندی کے ساتھ انہوں نے قبول کیا اور ''یا استاذ'' کے الفاظ سے خطاب کیا۔ عربی میں برجستگی اور ید طولیٰ حاصل ہے۔ مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ (مصر) میں رئیس وفد پاکستان کی حیثیت سے آپ کو بلایا گیا اور وہاں آپ نے مسلکِ علمائے دیوبند کے مطابق مسائل پر نقد وتبصرہ فرمایا۔ بعض مسائل کے متعلق آپ کے مقالہ کو اہمیت دی گئی اور کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ آپ نے کراچی میں ایک مثالی دارالعلوم قائم فرمایا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر نیوٹاؤن کی عظیم مسجد میں ابتداءً زہد وقناعت اور بے سروسامانی کے ساتھ تعلیم دینی شروع کردی۔ فقر وفاقہ تک کو برداشت کیا مگر کار تعلیم کو جاری رکھا۔ بالآخر سنت الٰہیہ کے مطابق آخر میں لوگوں کا رجوع ہوا اور آج یہ دارالعلوم کئی لاکھ کی عمارت ہے جس میں پندرہ بیس کے قریب اساتذہ کار تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں۔ حدیث وفقہ میں ممدوح کی استعداد ولیاقت ممتاز حیثیت رکھتی ہے جسے ان کے ہم عصر بھی بطوع واعتراف تسلیم کرتے ہیں۔ آپ فضلائے دیوبند میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور ملک میں معروف ہیں۔ صوبۂ سرحد (مغربی

پاکستان) آپ کا وطن ہے اور اس وقت بحیثیت ناظم اعلیٰ دارالعلوم نیوٹاؤن کراچی میں قیام فرما ہیں‘‘(۱)۔

وصال

۱۷، اکتوبر ۱۹۷۷ء کو آپ کا راولپنڈی میں حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے وصال ہوا۔ ہزاروں مسلمانوں نے مولانا عبدالحق شیخ الحدیث کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی اور پھر آپ کی میت کو کراچی لے جایا گیا، جہاں دوبارہ نماز جنازہ ادا کر کے تدفین کی گئی۔

اولاد

اولاد میں بچیوں کے علاوہ آپ کے دو فرزند ہیں۔ بڑے محمد اور چھوٹے مولانا سلیمان بنوری ہیں۔

(۱) مولانا قاری محمد طیب قاسمی: دارالعلوم، مشاہیر دارالعلوم، دہلی ۱۹۶۵ء، ص:۸۲، ۸۳۔

پہلا سوالنامہ (ص:۷۳۳......۷۳۴)

پہلا سوالنامہ

سوالنامہ برائے ''مشاہیر علمائے سرحد''

محترم المقام جناب مولانا صاحب!

سلام سالم مسنون! تحقیقی کتاب ''مشاہیر علمائے سرحد'' ترتیب کے آخری مراحل میں ہے۔ ازراہ کرم درج ذیل سوالات کے جوابات اولین فرصت میں زیر دستخطی کو ارسال فرمائیں تاکہ جلد از جلد منصۂ شہود پر آسکے۔

۱......خاندان: اگر علمی خاندان ہے، تو اس کی کچھ تفصیلات۔

۲......تاریخ پیدائش: وطن، مقام پیدائش، بچپن کہاں گزرا، کن کی تربیت میں رہے، ابتدائی تعلیم۔

۳......اعلیٰ تعلیم کن مدارس میں پائی، کن اساتذہ سے فیض یاب ہوئے؟ اساتذہ کے اجمالی حالات و تعلیمی خصوصیات، فراغت کب اور کس مدرسے سے ہوئی، سند حدیث کن مشاہیر سے حاصل کی؟

۴......تدریسی خدمات: کن مدارس میں، کون سی کتابوں کو کس زمانے میں پڑھایا، اپنے مطالعتی شغف، کون سے علوم سے خصوصی ذوق رہا اور ہے؟

۵......تصنیفی خدمات: کن رسائل میں کون سے مضامین کب شائع ہوئے، کیا ان کا مجموعہ شائع ہوا، کون کون سی کتابیں لکھیں، ان کے نام، کوائف، موضوع، سنہ تصنیف، کون سی کتابیں مطبوعہ ہیں اور کون سی قلمی؟

۶......قومی و ملی خدمات۔

۷......خصوصی مشاغل اور زندگی کے خاص اور اہم واقعات: اکابر و مشاہیر میں سے اگر کسی سے ملاقات ہوئی ہے تو اس کا تذکرہ اور اس کی تفصیل۔

۸......اخلاق و شمائل و خاص حالات۔

۹......اولاد

۱۰......مرحومین کی تاریخ وفات اور یہ کہ قبر کہاں ہے؟

خادم العلماء والدین حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ایم اے_ایم، او، ایل

صدر شعبۂ اسلامیات

گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد (ہزارہ)

دوسرا سوالنامہ (مشاہیر علماء سرحد)

سوالنامہ برائے ''مشاہیر علمائے سرحد''

۱۸۰۰ء.........................۱۹۷۲ء

محترم المقام، جناب مولانا صاحب!

سلام مسنون! تحقیقی کتاب ''مشاہیر علمائے سرحد'' ترتیب کے آخری مراحل میں ہے۔ از راہ کرم درج ذیل سوالات کے جوابات اولین فرصت میں زیر دستخطی کو ارسال فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ یہ کتاب جلد از جلد منصۂ شہود پر آسکے۔

۱......خاندان: اگر علمی خاندان ہے، تو اس کی کچھ تفصیلات۔

۲......تاریخ پیدائش: وطن، مقام پیدائش، بچپن کہاں گزرا، کن کی تربیت میں رہے، ابتدائی تعلیم۔

۳......اعلیٰ تعلیم کن مدارس میں پائی، کن اساتذہ سے فیض یاب ہوئے؟ اساتذہ کے اجمالی حالات و تعلیمی خصوصیات، فراغت کب اور کس مدرسے سے ہوئی، سند حدیث کن مشاہیر سے حاصل کی؟

۴......تدریسی خدمات: کن مدارس میں، کون سی کتابوں کو کس زمانے میں پڑھایا، اپنے مطالعتی شغف، کون سے علوم سے خصوصی ذوق رہا اور ہے؟

۵......تصنیفی خدمات: کن رسائل میں کون سے مضامین کب شائع ہوئے، کیا ان کا مجموعہ شائع ہوا، کون کون سی کتابیں لکھیں، ان کے نام، کوائف،

موضوع، سنہ تصنیف، کون سی کتابیں مطبوعہ ہیں اور کون سی قلمی؟

۶......قومی وملی خدمات۔

۷......خصوصی مشاغل اور زندگی کے خاص اور اہم واقعات: اکابر ومشاہیر میں سے اگر کسی ملاقات ہوئی ہے، تو اس کا تذکرہ اور اس کی تفصیل۔

۸......اخلاق وشمائل وخاص حالات۔

۹......اولاد

۱۰......مرحومین کی تاریخ وفات اور یہ کہ قبر کہاں ہے؟

۱۱......علاقہ کے مرحومین وموجودین علماء کے نام اور مکمل پتے۔

خادم العلماء والدین حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ایم اے_ ایم، او، ایل

صدر شعبۂ اسلامیات

گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد (ہزارہ)

رہائشی پتہ: قاری فیوض الرحمٰن، ایم اے_ ایم، او، ایل، حویلیاں سٹیشن (ہزارہ)

کتابیات

۱: ابوالحسن علی ندوی، السید، مولانا	دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	لکھنؤ، انڈیا۔ بار اول ۱۹۷۴، ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
۲: ابوالحسن علی ندوی	سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری	لکھنؤ ۱۳۸۳ھ، دوسرا ایڈیشن مکتبۂ اسلام
۳: ابوالحسن علی ندوی	من نهر كابل إلى نهر يرموك (عربی)	دارالہلال، انگورہ ترکی ۱۹۷۴ھ
۴: ابوبکر غزنوی، مولانا	سیدی وابی سوانح مولانا داؤد غزنوی، لاہور	مکتبہ غزنویہ دسمبر ۱۹۷۴ھ
۵: ابوسلمان شاہجہان پوری	برصغیر پاک وہند کے علمی وادبی اور تعلیمی ادارے	کراچی، ۱۹۷۵ء، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی
۶: احمد رضا بجنوری، سید	انوار الباری شرح بخاری، اردو	بجنور، دارالتالیف، ج:۲
۷: احمد سعید، پروفیسر	بزم اشرف کے چراغ	لاہور ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء، مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ التصویر، ۶۲ چیمبرلین روڈ
۸: اختر، بی، ایم	غفار خان کی کہانی	لاہور، الحمراء اکیڈمی ۱۹۷۰ء
۹: اختر راہی	تذکرہ مصنفین درس نظامی	لاہور، جون ۱۹۷۵ء، مسلم اکادمی، ۱۸/۲۹ محمد نگر، لاہور
۱۰: اصغر حسین، مولانا	حیات شیخ الہند، دیوبند	دارالکتب اصغریہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء
۱۱: اعجاز الحق قدوسی	تذکرہ صوفیائے سرحد	اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۶ء
۱۲: اعجاز الحق	صوفیائے پنجاب	

۱۳: امام خان، نوشہروی	اہل حدیث کی علمی خدمات، لاہور	مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی ساہیوال ۱۳۹۱ھ
۱۴: امام خان، ابویحییٰ نوشہروی	تراجم علمائے حدیث، ہند	دہلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۴۸ء
۱۵: امیر شاہ، قادری	تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، ج:۱، ایضاً، ج:۲	پشاور ۱۹۶۳ء، لاہور ۱۹۷۲ء
۱۶: امیر شاہ، قادری، مولانا	حیات النبی، ترجمہ تحفۃ الفحول، لمولانا محمد ایوب محدث پشاوری	پشاور ۱۳۸۲ھ (تعارف)
۱۷: انوار الحسن شیرکوٹی، مولانا	تجلیات عثمانی، لاہور ۱۳۷۷ھ	ادارہ نشر المعارف چہلیک، ملتان
۱۸: انور شاہ کشمیری، مولانا	فیض الباری شرح بخاری (عربی)	مصر
۱۹: بہاء الحق قاسمی، مولانا	تذکرۂ اسلاف	لاہور ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء، البلاغ پریس، لاہور
۲۰: پیام شاہجہان پوری	شہادت گاہ بالاکوٹ	لاہور ۱۹۷۱ء
۲۱: تلطف حسین، مولانا	مجموعہ رسائل ستہ، قصائد للقاضی طلا محمد خان، المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف للعلامہ شمس الحق وغیرہ، مطبوعہ مطبع انصاریہ	دہلی ۱۳۱۴ھ
۲۲: جمیل احمد تھانوی، مولانا	نصاب ونظام دینی مدارس	لاہور، ناشران قرآن لمیٹڈ
۲۳: حسین احمد مدنی، مولانا	نقش حیات، دیوبند	دارالعلوم دیوبند ۱۹۵۳ء
۲۴: حیدر زمان صدیقی، مولانا	اسلامی نظریۂ اجتماع	حیدرآباد، دکن نفیس اکیڈمی ۱۹۴۷ء

۲۵:حیدرزمان صدیقی،مولانا	تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت	لاہور شیخ غلام علی ۱۹۶۲ء
۲۶:خالد گیلانی	ڈائریکٹری راولپنڈی	۱۹۶۲ء
۲۷:خالد محمود،مولانا	مقام حیات	لاہور ۱۳۸۲ھ
۲۸:خانزمان،مولانا،ہزاروی	حل العویص	کانپور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء
۲۹:خورشید احمد، پروفیسر	اسلامی نظریۂ حیات	کراچی، شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ ۱۹۶۹ء
۳۰:رئیس احمد جعفری	اوراق گم گشتہ	لاہور، محمد علی اکیڈمی ۱۹۶۸ء
۳۱:رئیس احمد جعفری	دید وشنید	لاہور، کتاب منزل ۱۹۴۸ء
۳۲:قاری سعید الرحمٰن،مولانا	تجلیات رحمانی (سوانح مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری)	۱۹۶۹ء، مطبع منظور عام پریس، پشاور، جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی
۳۳:سید سلیمان ندوی	مسئلہ حجاز	بمبئی
۳۴:سید سلیمان ندوی	یادرفتگان	کراچی، مکتبہ الشرق آرام باغ ۱۹۵۵ء
۳۵:سیاح الدین کاکاخیل	تذکرہ شیخ رحمکار، لائکپور	اشاعۃ الاسلام، ۱۹۵۱ء
۳۶:شیر بہادر، ڈاکٹر	افادات مہر، لاہور	شیخ غلام علی ۱۹۷۴ء
۳۷:شیر بہادر پنی، ڈاکٹر	تاریخ ہزارہ، لاہور ۱۹۶۹ء	دارالشفاء ایبٹ آباد
۳۸:ضیاء الدین، برنی	عظمت رفتہ، کراچی	
۳۹:ظفر علی خان، مولانا	چمنستان، لاہور	پبلشرز یونائیٹڈ ۱۹۴۴ء

۴۰:ظفر علی خان، مولانا	نگارستان، لاہور	ایضا
۴۱:عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا	تذکرۃ الرشید، حصہ اول	میرٹھ
۴۲:عبدالاحد قاضی، مولانا خانپوری	کڑک آسمانی بر جماعت شیطانی	مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۴ھ
۴۳:عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی، دہلی	تذکرہ مولانا فقیہ علی مخدوم مہائمی	بمبئی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء گلزار حسنی پریس
۴۴:عبدالحلیم اثر افغانی	تیر ہیر شاہراں (پشتو) پشاور ۱۹۶۳ء	پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی
۴۵:عبدالرحیم کلاچوی، مولانا	لباب المعارف العلمیہ، لاہور	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۴۶:عبدالرشید، ارشد	بیس بڑے مسلمان، لاہور	مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم
۴۷:عبدالحمید خان	مرد مومن، لاہور	فیروزسنز، جنوری ۱۹۷۴ء، باراول
۴۸:عبدالحئی، ابوالحسنات	ردع الاخوان، لکھنؤ	۱۳۰۳ھ
۴۹:عبدالعزیز عثمانی، مولانا، ہزاروی	فی توضیح نخبۃ الفکر مع شرح شرحہ استجلاء البصر من شرح نخبۃ الفکر، لاہور	۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء
۵۰:عبدالغفور مدنی، مولانا	مجموعہ اوراد غفوریہ، لاہور	
۵۱:عبدالقدوس رحمانی ہزاروی	صدیق اکبر، پشاور	۱۳۸۳ھ
۵۲:عبدالقدوس ہاشمی	تقویم تاریخ، کراچی	مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۶۵ء اسلام آباد
۵۳:عبدالقیوم ندوی	خطبات نبوی، لاہور	تاج کمپنی
۵۴:عبداللہ، سید ڈاکٹر	اردو میں سائنس اور علمی کتابیں	۱۹۷۰ء
۵۵:عبیداللہ سندھی، مولانا	ذاتی ڈائری، لاہور	ادبستان ۱۹۴۶ء

۵۶:عبیداللہ	کابل میں سات سال	
۵۷:عزیز الحسن،مجذوب	اشرف السوانح،لاہور	قومی کتب خانہ،۱۹۶۳ء
۵۸:عزیز الرحمٰن بجنوری،مفتی	تذکرہ شیخ الہند،بجنور	دارالتالیف ۱۹۶۵ء
۵۹:عزیز الرحمٰن،مولانا	القول العزیز	
۶۰:عزیز الرحمٰن،مولانا ایبٹ آبادی	روئیداد مدرسہ عربیہ امداد العلوم لوئر ملک پورہ،ایبٹ آباد	راولپنڈی ۴ اگست ۱۹۶۹ء
۶۱:عزیز الرحمٰن،مولانا ایبٹ آبادی	نصائح عزیزیہ،کراچی	مئی ۱۹۷۲ء
۶۲:عزیز ملک	راول دیس،راولپنڈی	جنوری ۱۹۷۰ء بک سینٹر حیدر روڈ
۶۳:عطاء اللہ کاکاخیل،ایم اے	پاکستان میں علم حدیث (قلمی)	مقالہ برائے ایم اے جامعہ پشاور
۶۴:عمر فاروق خان	مولانا عبدالرحیم پوپلزئی،لاہور	سندھ ساگر اکیڈمی ۱۹۵۰ء
۶۵:غلام اللہ خان شیخ القرآن	تفسیر جواہر القرآن،لاہور	۱۹۶۵ء فیروز سنز،ج:۱
۶۶:غلام جیلانی برق،ڈاکٹر	فلسفیان اسلام،لاہور ۱۹۶۸ء	کتاب منزل
۶۷:غلام حسین،ڈاکٹر	تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۶۲ء	اورینٹل کالج
۶۸:غلام ربانی لودھی،مولانا	سیرۃ الغازی کمال پاشا	امرتسر
۶۹:غلام رسول مہر،مولانا	سرگزشت مجاہدین،لاہور	شیخ غلام علی
۷۰:غلام رسول مہر	سیرت سید احمد شہید	
۷۱:فارغ بخاری	ادبیات سرحد،پشاور	

۷۲:	فتویٰ تکفیر قادیان	کتب خانہ اعزازیہ
۷۳:فدا محمد،ایم اے	مفہوم القرآن،پشاور	یونیورسٹی بک ایجنسی
۷۴:فضل حسین،مظفر پوری بہاری	الحیاۃ بعد الممات،باراول	آگرہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
۷۵:فضل حق،مولانا	الخلافتہ والفرقان (قلمی)	
۷۶:فیض احمد،مولانا	مہر منیر (سوانح پیر مہر علی شاہ)	لاہور ۱۹۷۳ء
۷۷:فیوض الرحمٰن،قاری	اسلام کا نظام حیات،لاہور	پاکستان بک سنٹر اردو بازار
۷۸:فیوض الرحمٰن،قاری	پاک وہند کے عربی شعراء	(زیر طبع) لاہور ۱۹۷۶ء
۷۹:فیوض الرحمٰن،قاری	حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور ان کے خلفاء	(زیر ترتیب)
۸۰:فیوض الرحمٰن،قاری	حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری اور ان کے خلفاء	لاہور ۱۹۷۵ء،پاکستان بک سنٹر اردو بازار
۸۱:فیوض الرحمٰن،قاری	حقیقت توبہ	ایبٹ آباد ۱۹۶۲ء منظور عام پریس
۸۲:فیوض الرحمٰن،قاری	سوانح مولانا محمد رسول خان،لاہور	۱۹۷۴ء پاکستان بک سنٹر
۸۳:فیوض الرحمٰن،قاری	سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ایبٹ آباد ۱۹۶۲ء
۸۴:فیوض الرحمٰن،قاری	شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء	لاہور ۱۹۷۵ء پاکستان بک سنٹر اردو بازار
۸۵:قطب شاہ عباسی،عبداللہ سید	ہدیۃ القراء	میرٹھ ۱۹۴۹ء
۸۶:کفایت اللہ،مفتی دہلوی	النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ	دہلی ۱۳۴۹ھ

۸۷:اصغر حسین، مولانا میاں	کلیات شیخ الہند	لاہور، مکتبہ محمودیہ کریم پارک
۸۸:محبوب الٰہی، مولانا	تحفہ سعدیہ	لاہور اکتوبر، ادارہ سعدیہ مجددیہ چیمبرلین روڈ
۸۹:محبوب رضوی، سید	تاریخ دیوبند	دیوبند ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
۹۰:محمد ابراہیم، مولانا سیالکوٹی	تاریخ اہل حدیث	لاہور ۱۹۵۳ء
۹۱:محمد احمد قاسمی، مولانا (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	روئیداد دارالعلوم دیوبند	دیوبند ۱۳۳۲ھ
۹۲:محمد احمد قاسمی مولانا	روئیداد	دیوبند ۱۳۳۴ھ
۹۳: محمد احمد قاسمی	روئیداد	دیوبند ۱۳۳۳ و ۱۳۳۴ھ
۹۴: محمد ادریس انصاری، مولانا	حالات ومقالات صحابہ	مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء باراول، ناشر ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد، پاکستان
۹۵:محمد ادریس انصاری، مولانا	حالات ومقالات صوفیہ	لاہور ۱۹۷۴ء باراول، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد
۹۶:ایضاً	خاص خاص وظیفے، نمازیں ودعائیں	لاہور، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد
۹۷:محمد ادریس انصاری، مولانا	ذکر الغفور	کراچی ۱۹۶۵ء، ناشر: ادارہ تبلیغ الاسلام صادق آباد
۹۸:محمد ادریس	شجرۂ طیبہ مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ غفوریہ	لاہور ۱۳۹۰ھ، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد (رحیم یار خان)
۹۹:محمد ادریس	فیض الغفور	لاہور، ۱۹۷۱ء، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد (رحیم یار خان)

۱۰۰:محمد ادریس	قبولیت دعا اور اس کے طریقے	۱۳۸۷ھ ایجوکیشنل پریس کراچی، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد
۱۰۱:محمد اسحاق، خطیب، ہزاروی	السد الفارق علی عنق الفاسق	باردوم، صفحات: ۳۲
۱۰۲:محمد اسحاق، خطیب ہزارہ	پردہ	
۱۰۳: محمد اسحاق قاضی	تذکرۃ الحقائق	لاہور ۱۹۴۲ء
۱۰۴:محمد ازہر، سید، مولانا	حیات انور	دیوبند، جنوری ۱۹۵۵ء
۱۰۵:محمد انوری، مولانا، لائلپوری	مکتوبات بزرگان	لائل پور ۱۱ ستمبر ۱۹۶۶ء
۱۰۶:سید محمد ایوب بنوری، مولانا	آئینہ دارالعلوم سرحد	پشاور ۱۹۶۲ء، منظور عام پریس
۱۰۷: محمد بن عبداللہ، مولانا پکھلوی	عون المعبود شرح ابی داؤد عربی	حیدرآباد، دائرۃ المعارف
۱۰۸: محمد بن عبداللہ، مولانا پکھلوی ہزاروی	مفتاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ عربی	باردوم لاہور ۱۳۹۴ھ، احیاء السنۃ النبویۃ سرگودہا
۱۰۹:محمد حسین، اسرائیلی، مولانا	شرح الفیہ تحفۃ الباقی	۱۳۰۰ھ دہلی
۱۱۰:محمد زکریا، مولانا	تاریخ مظاہر	دیوبند ۱۳۹۲ھ، باراول، کتب خانہ اشاعۃ العلوم محلہ مفتی سہارنپور
۱۱۱:محمد شفیع، مفتی، مولانا	الازدیاد السنی علی الیانع الجنی	کراچی، ادارۃ المعارف ۱۳۸۳ھ
۱۱۲:محمد شفیع، مفتی	تفسیر معارف القرآن	کراچی، ج:۱، ادارۃ المعارف
۱۱۳:محمد شفیع، مفتی	فتاوی دارالعلوم دیوبند کامل	دیوبند ۱۳۶۶ھ
۱۱۴:محمد عبدالحق	تالیفات اشرفیہ	لکھنؤ ۱۳۵۴ھ

۱۱۵: محمد عبدالعزیز محمدی رحیم آبادی، مولانا (م: ۱۹۱۹)	حسن البیان فی مافی سیرۃ النعمان	لاہور طبع ثالث ۱۳۸۵ھ ناشر: اہل حدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور
۱۱۶: محمد عبداللہ ایڈوکیٹ خانپوری ہزاروی	فتح الغفور فی تراجم علماء خانفور (قلمی)	
محبوب رضوی، سید	تاریخ دارالعلوم دیوبند	دہلی ۱۹۶۵ھ دارالعلوم دیوبند (بھارت)
۱۱۷: محمد فضل حق، مولانا خیرآبادی	الثورۃ الھندیۃ (باغی ہندوستان)	لاہور ۱۹۷۴ء مکتبہ قادریہ
۱۱۸: محمد محمود عثمانی مولانا	منظوم قواعد فارسیہ	لکھنؤ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء
۱۱۹: محمد مدنی، عباسی	پشتو ادب کی تاریخ	باراول، لاہور مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۹ء
۱۲۰: محمد میاں، مولانا، دہلوی	تحریک شیخ الہند	لاہور، نومبر ۱۹۷۵ء، مکتبہ رشیدیہ (انگریزی سرکار کی زبان میں ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا؟ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ)
۱۲۱: محمد میاں، مولانا	علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے	دہلی
۱۲۲: محمد نصراللہ خان	مولانا رحمت علی خان سامی مرحوم	گجرات ۱۹۶۶ء، یوگنڈا اسلامک پبلیکیشنز، کنجاہ روڈ، گجرات
۱۲۳: محمود حسن، مفتی	التذکرۃ المحمودیہ	سکھر، اردو سندھ پریس

۱۲۴: مدرار اللہ مدرار، مولانا	تجلیات صدیقی (سوانحی تذکرہ مولانا عبدالمالک صدیقی)	مارچ ۱۹۷۲ء، کراچی، مشہور آفسٹ پریس
۱۲۵: مشتاق احمد، کرنل	زیستم	
۱۲۶: معراج الحق، مولانا (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)	فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ (قلمی)	۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۱۲۷: منیر، جسٹس	رپورٹ تحقیقاتی عدالت	۱۹۵۳ء
۱۲۸: مہر علی شاہ، مولانا	البیان	
۱۲۹: نذر احمد، حافظ	جائزہ مدارس عربیہ	لاہور ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، مسلم اکاڈمی، محمد نگر، علامہ اقبال روڈ
۱۳۰: وحید قریشی، ڈاکٹر	اساتذہ اور ریسرچ سکالروں کی فہرست	لاہور، اورینٹل کالج ۱۹۷۰ء
۱۳۱: وکیل احمد، اشرفی	تذکرۂ حسن	باراول، لاہور جامعہ اشرفیہ
۱۳۲: یوسف حسین، مولانا قاضی	زبدۃ المقادیر	دہلی ۱۹۰۷ء
۱۳۳: عبدالرحیم مرتب	رپورٹ ابتدائی دارالعلوم اسلامیہ پشاور	۱۹۱۲ء
۱۳۴: عبدالرشید ارشد	دارالعلوم دیوبند نمبر	لاہور ۱۹۷۶ء
۱۳۵: سلیمان ندوی، سید	معارف	اعظمگڈھ، جنوری ۱۹۴۰ء (ص: ۸۰)
۱۳۶: سلیمان ندوی، سید	معارف	اپریل ۱۹۵۰ء
۱۳۷: حکیم محمد عمران خان ٹونکی	ٹونک کے قدیم مدارس اور کتب خانے	اگست ۱۹۶۶ء،

۱۳۸: محمد طفیل	نقوش	لاہور، شمارہ ۱۰۵

اعلام

شماریۃ الاماکن

اماکن

SUMMARY

Research work on the مشاہیر علمائے سرحد (Eminent Ulema of the Frontier Province) which started in 1970 is now completed by the grace of Allah Almighty, the most kind, the most Merciful.

Doubtlessly, the Frontier Province has produced scholars of great eminence but unfortunately no effort has, so far, been made to maintain the records of the valuable services of such scholars; and that is why 'gems of purest ray serene' still lie undiscovered under the surface. Even the people of the Frontier Province are unaware of the outstanding services of these Ulema in the field of education and research. If research work on the subject had been carried out earlier, history would have been altogether different.

It can, therefore, be safely asserted that this subject that I have chosen is entirely new and no solid research work has been done in this field so far.

It would be pertinent to mention a few Tazkirah (biographical sketches), which, though not complete pieces of research work in themselves, can still help in

research effort.

‘‘نزہتہ الخواطر’’ by Allama Hakim Abdul Hayee Al-Hassani is a voluminous 'Tazkirah' which contains the life sketches or the Indian Ulema born upto the fourteenth Hijri. It carries the biographies of about two dozen Ulema of the Frontier Province, but the account is very sketchy.

Second Tazkirah "تذکرہ علمائے ہند" is by Maulana Rahman Ali which contains life sketches of the works of two or three Ulema of the Frontier Province.

Third Tazkirah "صوفیائے سرحد " by Ijaz ul Haque Quddusi has been published by Feroz Sons, Lahore. As evident from the title, it contains life sketches of the 'Sufis'. It describes achievements of a few persons who, besides being Sufis, were also scholars of great brilliance.

Fourth biography " تاریخ ہزارہ " by Dr. Sher Bahadur Khan Panni consists of a few pages only and briefly touches upon the achievements of the Ulema of Hazara.

Fifth biography titled " تذکرہ علماء ومشائخ سرحد" by Amir Shah Qadri is in two volumes but it mostly highlights the achievements of 'Mashaikh' and deals with a few Ulema only. Material given in this book is devoid of much research value. Further another serious drawback of this

book lies in the fact that eminent scholars have been replaced by the non-deserving and the deserving Ulema like Maulana Ghulam Rasul, Maulana Mohammad Rasool Khan and Maulana Hameed ud Din etc. have been thrown into complete oblivion.

The sixth Tazkirah "تراجم علمائے حدیث ہند" has been written by Maulvi Imam Khan Noshervi. It only contains a brief account of the life and works of a few Ulema.

In view of the above the need for correct comprehensive and authentic biography can hardly be emphasized.

Most of the Ulema of the Frontier Province conform to the Deoband school of thought. Therefore, most of the biographical sketches in this thesis relate to these Ulema. Next come Ahle Hadith and then the Ulema of the Bralvi school of thought. Effort has been made to do full justice to the achievements of all the Ulema irrespective of their varied sectarian affiliations.

The Thesis consists of seven chapters, which are as under:

Chapter I Views of eminent educationists on the curriculum and syllabi have been collated in

this chapter. Some of these scholars are of the opinion that with the fast moving and changing world due changes must be introduced the curricula of Dars-i-Nizami while another group stubbornly opposes such changes. Opinions and suggestions of all scholars have been dealt with at length. In the end I have also uphold the view that necessary changes must be brought about in the syllabus so as to meet the challenges of the modern world.

Chapter II Deals with the 'Muhadithin'. They are thirteen in number.

Chapter III Deals with four 'Mufassirin'.

Chapter IV Recounts the achievements of Jurists.

Chapter V Deals with men of letters "اصحاب فنون فلسفہ، معانی، منطق، نحو، صرف". This chapter is divided into two parts. Part 'A' and Part 'B'. In part 'A' mention of eighty five scholars has been made.. Their works have been discussed in other books as well. The mention of other fifty one scholars given in part 'B' has no where been made in other books. Their

achievements have been known through a typically Islamic tradition of oral transference of knowledge.

Chapter VI Deals with the authors / Editors only. They are twelve in number.

Chapter VII Contains a detailed list of the names of the eminent Ulema of the Frontier Province. Their total number comes to three hundred and twenty nine.

While the manuscript of this thesis was being typed, I came across the literary and educational accomplishments of a few other Ulema. Their achievements have, therefore, been reckoned separately in an appendix.

An introduction to the eminent religious scholars of the Frontier Province has been given in the beginning of the thesis. At the end, a list of the names of one hundred and ninety three eminent scholars, in the order of their years of death has been provided. The Thesis is based in depth about the services rendered by these scholars.

In addition three more lists of the names of the eminent scholars of the Frontier Province have been

given one, the list according to the subject speciality; two the district wise list; three, the speciality-cum-district wise list.

A comprehensive biography has also been added to the thesis.

QARI HAFIZ FAYOUZ UR RAHMAN